اصلاحی مواعظ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

معرفت الٰہی
صحابہؓ کا ایمان سیکھنا
اوقات نماز کی حکمتیں
آخرت کی تیاری
تین طلاق کا حکم
زندگی کے مراحل
مسجد کی تعمیر و آبادی کا ذوق
مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک
حرام اشیاء کی خرید و فروخت

جلد ہفتم

مکتبہ لدھیانوی

اصلاحی مواعظ

جلد ہفتم

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

مکتبہ لدھیانوی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

قانونی مشیر اعزازی: ۔ منظور احمد ایڈوکیٹ ہائی کورٹ

اشاعت اول.................جولائی ۲۰۰۴ء

ناشر: ——— مکتبہ لدھیانوی

——— 18 سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی

برائے رابطہ: ——— جامع مسجد باب الرحمت

——— پرانی نمائش، ایم اے جناح روڈ، کراچی

پوسٹ کوڈ: 74400 فون: 7780337

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر اور فضل و احسان ہے کہ حضرتِ اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی زندگی میں شروع ہونے والے سلسلہ ''اصلاحی مواعظ'' کی ساتویں جلد مرتب ہوکر آپ کے ہاتھوں میں ہے، جبکہ اس سے قبل چھ جلدیں آپ ملاحظہ فرماہی چکے ہوں گے۔

بحمداللہ صحت و ثقاہت اور تخریج وتبویب کے سلسلہ میں ہمارے رفقا نے جو معیار روزِ اوّل طے فرمایا تھا، آج بھی اسی پر قائم ہیں۔

ہم نے اپنی سی کوشش کی ہے کہ حضرت شہیدؒ کے وعظ و بیان میں مذکور کوئی بات بلاحوالہ نہ ہو، چنانچہ جہاں بھی آپؒ نے قرآن یا حدیث کے حوالہ سے کوئی بات ارشاد فرمائی ہے، ہم نے جستجو کرکے اس کے متن کو اصل مأخذ سے نقل کرنے کی کوشش کی ہے۔

مثلاً اگر کہیں حضرتؒ نے فرمایا کہ: ''حدیث میں آتا ہے'' تو ہمارا فرض بن گیا کہ ہم اس حدیث کو تلاش کریں اور اس کا متن مع حوالہ درج کریں۔

اگر کہیں حضرتؒ نے فرمایا کہ: ''قرآن کریم میں آتا ہے'' تو ہم نے اس کی

تخریج کر کے آیت مع ترجمہ نقل کیا ہے۔

اگر کہیں حضرت شہیدؒ کے بیان کے الفاظ جو قرآن و حدیث کے ترجمہ سے زائد تھے، تو انہیں تشریح کا درجہ دینے کی کوشش کی ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ کتاب سلسلۂ مواعظ کی اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے، جس میں اس طرح تخریج کا اہتمام کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس کتاب میں پہلی جلد کو چھوڑ کر، قرآن و سنت سے منسوب کسی بات کو بلاحوالہ نہیں جانے دیا گیا، خدا کرے آئندہ بھی ہم اس کا اہتمام کر پائیں۔ لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ اس میں کوئی غلطی نہیں یا یہ کتاب اغلاط سے مبرا ہے، کیونکہ اللہ کی کتاب کے علاوہ ہر کتاب میں اس کا احتمال ہے اور رہے گا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے رفیق کار مولانا محمد اعجاز صاحب کو جنہوں نے اس کام میں جی جان سے محنت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو ہماری نجات، حضرت شہیدؒ کے رفعِ درجات اور تمام معاونین و کارکنان کی مغفرت کا ذریعہ بنائے، آمین!

خاکپائے حضرت لدھیانوی شہیدؒ

سعید احمد جلال پوری

مدیر ماہنامہ بینات کراچی

فہرست مواعظ

۱:.....معرفتِ الٰہی..........	۲۵
۲:.....صحابہؓ نے پہلے ایمان، پھر قرآن سیکھا!..........	۴۵
۳:.....حضراتِ صحابہؓ کا تعلیم کے لئے سفر..........	۶۳
۴:.....عمل، علم کی مقبولیت کی علامت..........	۸۳
۵:.....حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے صحیفوں کے مضامین..........	۱۰۵
۶:.....خیرالقرون میں مسجد کی تعمیر و آبادی کا ذوق..........	۱۲۳
۷:.....نماز کا اہتمام، فوائد و ثمرات..........	۱۳۳
۸:.....نمازوں کے اوقات اور اس کی حکمتیں..........	۱۴۹
۹:.....دنیا میں رہنے کا سلیقہ! حضرت ابودرداءؓ کی نصیحتیں..........	۱۷۱
۱۰:.....مخلوق کے ساتھ حسن سلوک..........	۱۸۹
۱۱.....مال، اہل و عیال اور اعمال، زیادہ مفید کون؟..........	۲۰۳
۱۲:.....آخرت کی تیاری..........	۲۲۷
۱۳:.....آخرت کے بیٹے..........	۲۴۷
۱۴:.....تین طلاق کا حکم..........	۲۷۱
۱۵:.....زندگی کے مراحل..........	۲۸۳
۱۶:.....موت کا منظر..........	۲۹۷
۱۷:.....حرام اشیاء کی خرید و فروخت..........	۳۱۹

فہرست

①

معرفتِ الٰہی ۲۵

اشرف الحدیث ذکر اللہ کا مفہوم؟ ۲۷
کلام کے شرف کے اسباب؟ ۲۸
درود کی فضیلت کی وجہ؟ ۲۸
سب سے افضل کلام؟ ۲۹
آنحضرتؐ کی مختصر نصیحت ۲۹
ب سے بہتر قصص ۳۰
واقعات کا اصل مقصود عبرت ہے ۳۰
واقعاتِ قرآن تاریخی نہیں ۳۲
بہتر کام وہ ہے، جس کا انجام اچھا ہو! ۳۲
سخاوت رضائے الٰہی کے لئے نہ ہو تو بے کار ۳۳
دنیاوی باغ کی طرح اگر نیکیوں کا باغ اُجڑ جائے تو...! ۳۴
بری نیت برے انجام کی علامت ۳۵
اعمال میں عزیمت ہو، ہمیشہ رُخصت پر عمل نہ ہو ۳۶
سب سے بدترین کام؟ ۳۶
جو کام خود مقصود نہ ہو مگر دینی مقصد کے لئے کیا جائے وہ بدعت نہیں ۳۶

کتاب لکھنا جائز ہے........................ ۳۷

مدرسہ کی تعمیر اور اس کا نظام جائز ہے........................ ۳۷

تبلیغ والوں کا سہ روزہ، چلّہ اور تین چلّے بھی جائز ہیں........................ ۳۸

قبروں پر پھول انگریز کی سنت ہے........................ ۳۹

محدثات پر حدیث سے غلط استدلال........................ ۴۰

انگریزوں کی روش کو دلائل مہیا کرنا؟........................ ۴۱

جنت جانے کا نسخہ........................ ۴۱

سنت کا نور اور بدعت کی ظلمت........................ ۴۱

محرم اور ربیع الاول کی خرافات........................ ۴۲

زیادہ غافل کرنے والے سے تھوڑا کفایت کرنے والا مال بہتر ہے........................ ۴۲

ایک غلط سوچ کی اصلاح........................ ۴۲

(۲)

صحابہؓ نے پہلے ایمان، پھر قرآن سیکھا! ۴۵

صحابہؓ اور بعد کے لوگوں کے قرآن سیکھنے میں فرق!........................ ۴۸

صحابہ کے استاذ و معلّم؟........................ ۴۹

انصار کا ایثار........................ ۵۰

فتح عراق کے بعد حضرت عمرؓ کا اضطراب........................ ۵۲

قرآن سے ایمان کی زیادتی........................ ۵۲

صحابہؓ کا قرآن پر عمل کرنا........................ ۵۳

حضرت ابن مسعودؓ کا مقام........................ ۵۴

حضرت حذیفہؓ کا مقام........................ ۵۶

جنازہ میں احتیاط........................ ۵۷

علم کتنا سیکھا جائے؟ ۵۷
علم کی وسعت ۵۷
حضرت ابن عمرؓ کی سائل کو چار نصیحتیں ۵۸
بڑے چھوٹے ہونے کا معیار! ۶۰

۳

حضراتِ صحابہؓ کا تعلیم کے لئے سفر ۶۳

حضرت معاذؓ کی تعلیمی خدمات ۶۶
حضرت زید بن ثابتؓ کا علمی مقام ۶۶
زید بن ثابتؓ ابن عمرؓ کی نظر میں ۶۸
زید بن ثابتؓ، عثمان غنیؓ کی نظر میں ۶۸
ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھنا ۷۰
امام ابوحنیفہؒ کی نماز کے بعد دعا ۷۰
چالیس سال عشاء کے وضو سے صبح کی نماز ۷۱
ایک رات میں دو ہزار رکعت نماز ۷۱
ایک رات میں سات آسمانوں کی سیر ممکن ہے؟ ۷۱
واقعہ معراج پر اِشکال کا جواب، ایک حکایت ۷۲
وقت میں برکت کی کرامت ۷۴
حضرت عثمانؓ کا زید بن ثابتؓ پر اعتماد ۷۴
حضرت عثمانؓ اور تدریس قرآن ۷۴
حضرت معاذؓ کا شوقِ جہاد اور حضرت عمرؓ کا فتویٰ کے لئے ان کو روکنا ۷۴
حضرت معاذؓ کا شوق لقائے الٰہی ۷۵

نور کے پتلے انسانی شکلوں میں ۷۵
دین کے لئے جب بھی دعوت دی گئی صحابہؓ نے لبیک کہا ۷۷
حضرت علیؓ کو تعلیم کے لئے یمن بھیجنا ۷۷
حضرت ابوعبیدہؓ کا تعلیم کے لئے مبعوث فرمانا ۸۰
اس امت کے امین ۸۰
تعلیم کے لئے حضرت عمرو بن حزمؓ کی بعثت ۸۱

(۴)

عمل، علم کی مقبولیت کی علامت ۸۳

کشف نہ ہونا بھی نعمت ۸۷
قیامت کے دن بھیدوں کا کھلنا ۸۷
قیامت کے دن کچھ نہ چھپے گا ۸۹
انگریزی عدالتوں کے انگریز وکیلوں کے کارنامے ۸۹
بارگاہِ الٰہی کی پیشی کا منظر ۹۰
اللہ تعالیٰ کے فضل کا قصہ ۹۲
اللہ کی رحمت سے بخشش ۹۲
بارگاہِ الٰہی میں پیشی کا خوف نہیں ۹۳
حضرت ابودرداءؓ کا قیامت کی پیشی سے خوف ۹۴
حریص نفس سے پناہ کی دعا ۹۵
قبول نہ ہونے والی دعا ۹۶
عمل کے بغیر علم ۹۷
علم پر عمل علم کی مقبولیت کی علامت ۹۸

اللہ کے ہاں بدترین آدمی ۹۸
قیامت کے دن انسان سے چار سوال ۹۹
جسم کس چیز میں بوسیدہ کیا؟ ۹۹
عمر کس میں ضائع کی؟ ۹۹
مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟ ۱۰۰
علم پر کتنا عمل کیا؟ ۱۰۰
حضرت سہلؒ کی کرامت ۱۰۱
حضرت سہلؒ کی طلباءؔ کو نصیحت ۱۰۲
علم کی زکوٰۃ اس پر عمل ہے ۱۰۳

۵

حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے صحیفوں کے مضامین ۱۰۵

صحفِ ابراہیم کے مضامین ۱۰۹
بادشاہوں کے لئے دستور العمل ۱۱۱
حضرت عمرؓ کا احساسِ ذمہ داری ۱۱۱
جو حکومت عوام کو انصاف نہ دلائے ۱۱۳
عقل مند آدمی کے ہر کام کے لئے اوقات مقرر ہونے چاہئیں ۱۱۳
عبادت، مناجات اور محاسبۂ نفس کے لئے بھی وقت مقرر ہو ۱۱۳
مظاہرِ قدرت میں غور کا بھی وقت ہونا چاہئے ۱۱۳
بشری حاجتوں کے لئے بھی وقت مقرر ہو ۱۱۴
سفر تین مقاصد کے لئے ہو ۱۱۴
عاقل زمانہ کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے ۱۱۴

صحفِ موسیٰ میں عبرتیں تھیں ۱۱۵
صحفِ موسیٰ کے مضامین ۱۱۶
مجھے تعجب ہے اس پر جس کو موت کا یقین ہو اور پھر بھی مسکراتا ہے؟.......... ۱۱۶
تعجب ہے کہ دوزخ کا یقین ہو اور پھر بھی ہنسے ۱۱۶
تعجب ہے کہ تقدیر کے یقین کے باوجود پریشان ہوتا ہے ۱۱۷
تقدیر، گاڑی کی مانند ہے ۱۱۷
انسان کی دعائیں اور التجائیں سبز جھنڈی کی مانند ہیں ۱۱۸
ہماری معاش اور معاد کا انتظام ۱۱۸
چوبیس گھنٹے نماز میں رہنے کا عجیب لطیفہ ۱۱۹
رزق تمہاری تلاش میں ہے ۱۲۰
اللہ اپنے بندے کو نہیں بھولتے ۱۲۱

(۶)

خیر القرون میں مسجد کی تعمیر و آبادی کا ذوق ۱۲۳

عدی بن حاتمؓ اور نماز کا اہتمام ۱۲۵
سعید بن مسیبؒ کا مسجد سے تعلق ۱۲۵
مسجدِ نبوی کی تعمیر میں حضورؐ کا حصہ لینا ۱۲۶
مسجدِ نبوی کی زمین کی خریداری ۱۲۷
اپنی زمین اور اپنے پیسوں سے مسجد کی تعمیر ۱۲۸
مسجدِ نبوی کا سنگِ بنیاد اور خلافت کی ترتیب ۱۲۸
حضرت عمارؓ اور مسجدِ نبوی کی تعمیر ۱۲۹
مسجدِ نبوی کی تعمیر ثانی ۱۲۹

مسجدِ نبوی کی تعمیر کا نقشہ ۱۳۰
انصار کی پیشکش ۱۳۰
حضرت عثمانؓ کا مسجدِ نبوی کے بارہ میں ذوق ۱۳۱
مسجدِ نبوی کی توسیع بیت المال سے نہیں ہوئی ۱۳۱

(۷)

نماز کا اہتمام، فوائد و ثمرات ۱۳۳

زمین کی نمازی کے لئے گواہی ۱۳۶
تبلیغ والوں کے لئے مسجدیں اور زمین کی گواہی ۱۳۶
تبلیغی محنت کے اثرات ۱۳۶
ایک پادری کے اسلام لانے کا عجیب قصہ ۱۳۷
نمازی، بادشاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے ۱۳۸
نمازوں کے بعد اپنی ضرورت کی دعا مانگو ۱۳۸
مشکل کشا صرف اللہ ہے! ۱۳۹
نماز سے گناہ جھڑتے ہیں ۱۳۹
مؤمن کو توبہ کئے بغیر سکون نہیں ملتا ۱۴۰
مؤمن کا گناہوں سے پریشان ہونا اور توبہ کرنا ایمان کی علامت ہے ۱۴۰
رات کی تاریکی سے نفع ونقصان اُٹھانے والے ۱۴۱
رات کمائی کا وقت ہے! ۱۴۲
نماز ادائے شکر کا ذریعہ ۱۴۳
آنحضرتؐ کی نماز و روزہ کی کیفیت ۱۴۳
ایک آیت کی تلاوت پر پوری رات قیام ۱۴۴

تکلیف کے باوجود آپؐ کا تہجد میں لمبی سورتوں کا پڑھنا............ ۱۴۴
مرض الوفات میں آپؐ کی نماز کا حال............ ۱۴۷

۸

نمازوں کے اوقات اور اس کی حکمتیں ۱۴۹

فجر کے فرائض اور سنن کی تعداد............ ۱۵۲
فجر کے فرائض وسنن میں اختصار کیوں؟............ ۱۵۳
نماز میں کمزوروں کا لحاظ رکھا جائے............ ۱۵۳
ظہر اور عصر کا وقت؟............ ۱۵۴
مغرب وعشا کا وقت؟............ ۱۵۵
عشا سے پہلے سونا............ ۱۵۵
قبل از وقت اور بعد از وقت نماز............ ۱۵۵
مجبوراً نماز کا وقت گزر جانے کی صورتیں؟............ ۱۵۵
بلا عذر تارکِ نماز کا حکم؟............ ۱۵۶
سفر کے دوران نمازوں کا اہتمام............ ۱۵۸
ریل میں باجماعت نماز کے اہتمام کی برکت............ ۱۵۸
سفر میں تمام ضرورتوں کا اہتمام ہے، نماز کا نہیں............ ۱۵۸
جماعت کی برکت کا قصہ............ ۱۵۹
ایک بزرگ کی نماز قضا ہونے کا قصہ............ ۱۶۰
اوّل وقت میں نماز کی فضیلت............ ۱۶۰
باجماعت نماز پڑھنے کا راز............ ۱۶۱
حضرت داؤدؑ کے ہاں عبادت کی اہمیت............ ۱۶۱

نمازوں کے اوقات کی حکمتیں ۱۶۲
مہاجر کے معنیٰ ۱۶۳
ہجرت کی وجوہ اوران کا حکم ۱۶۳
شریعت کی اصطلاح میں ہجرت کا مفہوم ۱۶۴
ہجرت کتنا بڑا عمل ہے؟ ۱۶۴
نفس کی مخالفت کا قصہ ۱۶۶
گھر بھی مجاہدہ کا میدان ہے ۱۶۷
نفس سب سے بڑا دشمن ۱۶۸
اللہ کا راستہ دو قدم سے زیادہ نہیں ۱۶۹
اللہ کے راستہ کے دو قدم سے کیا مراد ہے؟ ۱۶۹
نفس کو رام کرنے کے لئے شیخ کی ضرورت ۱۶۹
جہاد کا مقصد؟ ۱۷۰

۹

دنیا میں رہنے کا سلیقہ! حضرت ابودرداءؓ کی نصیحتیں ۱۷۱

آدمی کے نفس کا جوان رہنا ۱۷۵
بادشاہ، بزرگ اور شاہی شیخ الاسلام کا قصہ ۱۷۶
جس کے دل میں دنیا کی عزت نہ ہو، مخلوق اس کی عزت کرتی ہے ۱۷۶
بادشاہوں کے حاشیہ نشین علماء ۱۷۷
محبتِ الٰہی اور حُبِّ دنیا یکجا نہیں ہوسکتیں ۱۷۸
اللہ تعالیٰ اور دنیا کی محبت کے ثمرات واثرات ۱۷۸
دنیا کے لئے محنت کرنے والے کا انجام ۱۷۹
صرف دنیا کمانے والوں کی مثال ۱۸۰

دنیا کی محبت کا علاج چاہئے ۱۸۰
ابن آدم کے معاملات کا مدار؟ ۱۸۱
اپنی مصیبت کی شکایت مخلوق کے بجائے خالق سے کرو ۱۸۱
آفت ومصیبت کی شکایت عبدیت کے اظہار کے انداز میں کرو ۱۸۲
حضرت ایوبؑ کا اظہارِ عجز ۱۸۲
تکلیف دور کرنے کی دعا اور انداز ۱۸۳
توفیق دعا قبولیت کی علامت ۱۸۳
علاج مقصود ہے، شفا مقصود نہیں ۱۸۴
اپنی پاکیزگی بیان نہ کیا کرو ۱۸۴
مظلوم اور یتیم کی بددعا سے بچو! ۱۸۵
مظلوم چاہے کافر بھی کیوں نہ ہو ۱۸۶
بے کس پر ظلم بدترین ظلم ہے ۱۸۶
ضعفاً کے ساتھ رَبُّ الضعفاً ہے ۱۸۷
ایک بزرگ کی توہین کا بدلہ ۱۸۷
جو انتقام نہیں لیتا اس کا انتقام اللہ لیتے ہیں ۱۸۸

(۱۰)

مخلوق کے ساتھ حسن سلوک ۱۸۹

بخشنے کا مطلب؟ ۱۹۲
کوئی اپنے کو قصوروار نہیں جانتا ۱۹۲
مخلوق کے ساتھ عدل کا معاملہ کریں تو ۱۹۳
جھکتا تولیں تو ہم ہی مجرم ہیں ۱۹۳
دوسرا خطا کار ہے تو فرشتہ آپ بھی نہیں ۱۹۳

اپنی کوتاہیوں کے بارہ میں جو چاہت ہے، وہی دوسروں کے لئے بھی ہو.... ۱۹۴
غیر کی آنکھ کا تنکا........................ ۱۹۴
کیا لوگ ہمارے عیوب کو اچھالیں؟........................ ۱۹۵
جو دوسروں کو نہ بخشے، اسے نہیں بخشا جائے گا........................ ۱۹۵
اپنی ذات پر تنقیدی نگاہ ڈالو........................ ۱۹۵
ستاری کا مطلب؟........................ ۱۹۷
گناہوں کی بدبو ہوتی تو........................ ۱۹۸
کیا تمہیں معاف نہ کیا جائے؟........................ ۱۹۸
اللہ جب چاہے ہمیں پکڑ لے........................ ۱۹۹
جو توبہ نہیں کرتا........................ ۱۹۹
فرعونیت چھوڑ دو........................ ۲۰۰
مسجد میں کوئی صاحب بہادر نہیں........................ ۲۰۰
جو تقویٰ نہ اپنائے اُسے نہیں بچایا جاتا........................ ۲۰۱

۱۱

مال، اہل وعیال اور اعمال، زیادہ مفید کون؟ ۲۰۳

بے وفا دوست........................ ۲۱۲
ابن آدم کا مال؟........................ ۲۱۲
اہل وعیال قبر میں کام نہ دیں گے........................ ۲۱۳
پختہ قبر بنانا........................ ۲۱۴
قبر پر ڈیرہ لگانا........................ ۲۱۴
قبر کی پکار........................ ۲۱۵

عذابِ قبر؟ ۲۱۶

مردے کی بے جا تعریف پر عذاب ۲۱۷

مردے کی واقعی اچھائیاں بیان کرو! ۲۱۸

اعمالِ صالحہ کی وفاداری ۲۱۹

قبر میں برے اعمال کی شکل ۲۲۰

قبر میں اعمالِ صالحہ کا منظر ۲۲۰

اعمالِ صالحہ عذابِ قبر سے بچاؤ کا ذریعہ ۲۲۱

بدکار کا اپنے اعمالِ بد پر اظہارِ حسرت ۲۲۱

اس وقت رونا کام نہیں دے گا! ۲۲۲

عقل کا تقاضا ۲۲۲

عقل کب کام دیتی ہے؟ ۲۲۳

دنیا و آخرت میں کام آنے والی شئے سے تعلق چاہئے ۲۲۳

مال کا نفع خرچ کرنے میں ہے ۲۲۴

برزخ میں صلحاً کی ملاقات ۲۲۴

(۱۲)

آخرت کی تیاری ۲۲۷

موت کا فرشتہ اب تمہارے پیچھے ہے ۲۳۱

آخرت کا زادِ راہ تیار کرو ۲۳۲

گناہوں کا بوجھ! ۲۳۲

اپنی آخرت کی خود فکر کرو ۲۳۳

کیا تیجے، دسویں، چالیسویں اور قرآن خوانی سے تیری مغفرت ہوجائے گی؟ ۲۳۳

قرآن خوانی کا حال ۲۳۴
آخرت کی تیاری کیا ہے؟ ۲۳۴
آخرت کا مفلس ۲۳۵
مؤمن اپنے اور دوسروں کے لئے بھی آخرت کا سامان کرے ۲۳۶
دوسروں کے لئے تیاری بھی دراصل اپنے لئے ہے ۲۳۷
کافر و مسلمان کی اللہ سے ملاقات کا حال ۲۳۷
سب سے بڑی دانائی! ۲۳۹
قبر میں نور کیونکر پیدا ہوگا؟ ۲۴۰
عذابِ قبر کا خوف ۲۴۰
عذابِ قبر کے اسباب ۲۴۱
قبر جنت کا باغیچہ یا جہنم کا گڑھا ہے ۲۴۲
عذابِ قبر کا سوال حماقت ہے ۲۴۳
شکر کرو کہ عذابِ قبر سنائی نہیں دیتا ۲۴۳
اندھے اُٹھائے جانے سے ڈرو! ۲۴۴
قیامت کے دن اندھا اُٹھائے جانے کے اسباب؟ ۲۴۴
عقل مند کے لئے لمبے وعظ کی ضرورت نہیں ۲۴۵
اللہ تعالیٰ کی مخالفت نہیں، معیت کو اپناؤ! ۲۴۶

(۱۳)

آخرت کے بیٹے ۲۴۷

ظاہر اور پوشیدہ سے عبرت! ۲۵۰
قبر سے واپس آنے والے کا قصہ ۲۵۱
میدانِ حشر کی ہولناکی ۲۵۲

ایک نیکی کوئی نہیں دے گا............	۲۵۳
اولاد کا باپ کو دنیا ہی میں برداشت نہ کرنا............	۲۵۶
ظالم سے ظلم کا بدلہ لیا جائے گا............	۲۵۷
قبر میں بداعمالیوں کے سانپ کا قصہ............	۲۵۷
ملاوٹ کا وبال............	۲۶۰
دنیا عبرت کی جا ہے!............	۲۶۱
نیک بخت شخص؟............	۲۶۱
کوچ کا نقارہ بج چکا............	۲۶۲
بوجھ ہلکا کرو............	۲۶۲
طولِ امل اور اتباعِ ہویٰ............	۲۶۳
اتباعِ ہویٰ کے نقصانات............	۲۶۴
طولِ امل کا نقصان............	۲۶۵
دنیا جارہی ہے اور آخرت آرہی ہے............	۲۶۵
آخرت کے بیٹے بنو............	۲۶۵
دنیا کے بیٹے ابنائے آخرت کا مذاق اُڑاتے ہیں............	۲۶۶
تمہیں کمزوروں کی برکت سے رزق ملتا ہے............	۲۶۶
آج عمل اور کل حساب ہوگا............	۲۶۷
میدانِ حشر میں ابنائے دنیا کا حال............	۲۶۸
قبر والے کچھ کرنہیں سکتے............	۲۶۹
(۱۴)	
تین طلاق کا حکم	۲۷۱
تین طلاق کے بعد تحلیلِ شرعی کی صورت............	۲۷۵

تین طلاق کا حکم ۲۷۶
عوام کی غلط فہمی ۲۷۶
خلفائے ثلاثہؓ، صحابہ کرامؓ اور امام بخاریؒ کے ہاں تین طلاق کا حکم ۲۷۶
تین طلاق کے بارہ میں ابن عباسؓ کا فتویٰ ۲۷۷
تین طلاق اور ائمہ اربعہؒ ۲۷۸
حلالہ شرعی؟ ۲۷۸
ائمہ اربعہ کا اتفاق و اجماع ہے ۲۷۹
جنت کے ریشمی رُومال ۲۷۹
آنحضرتؐ کی تربیت کا انداز! ۲۷۹
دنیا کی چیزوں کی قیمت؟ ۲۷۹
جنت کی نعمتیں سدابہار ہوں گی ۲۸۰
جنت کے درختوں کے پھل ۲۸۰

(۱۵)

زندگی کے مراحل ۲۸۳

سفر زندگی کی منزلیں ۲۸۵
سفر زندگی کی ابتدأ عدمِ محض سے ۲۸۶
زندگی کا پہلا نشان ۲۸۶
دوسری منزل: شکم مادر ۲۸۶
بچپن کی منزل ۲۸۶
جوانی کی منزل ۲۸۷
بڑھاپے کی منزل ۲۸۷

بوڑھے کا قصہ ۲۸۷
ان دیکھی منزلیں ۲۸۸
پہلی منزل موت ۲۸۹
آنحضرتؐ کی جامع تعلیم ۲۸۹
والدین کی تعلیم و تربیت کا منشأ اولاد سے شفقت و محبت ہے ۲۹۰
امت سے آنحضرتؐ کی شفقت و محبت ۲۹۰
بندوں پر اللہ تعالیٰ کی شفقت و عنایت ۲۹۱
آنحضرتؐ کی امت پر شفقت و رحمت ۲۹۲
نادیدہ مراحل کی تعلیم آنحضرتؐ نے فرمائی ۲۹۳
ماں کی بے ادبی کرنے والے نوجوان کا واقعہ ۲۹۳
نزع کا مرحلہ ۲۹۴
یا اللہ! ہمارے لئے نزع کو آسان فرمادے ۲۹۵
موت کی سختی کو یاد رکھو ۲۹۵
شیخ عطارؒ کا واقعہ ۲۹۵

(۱۶)

موت کا منظر ۲۹۷
صاحبِ ایمان کی خوشی کی چیز؟ ۳۰۰
موت کے دھیان سے خوشی کم ہونا ۳۰۱
موت کے تصور سے حسد کا علاج ۳۰۱
خوشی کی چیز؟ ۳۰۲
مرنے والوں کو کیا خوشی؟ ۳۰۳

جھگڑا چھوڑ دینے کی فضیلت ۳۰۳
رزق اللہ کے ذمہ ہے ۳۰۴
رزق اور موت انسان کے پیچھے پیچھے ہیں ۳۰۴
جو چیز ہمارے سپرد ہے اس سے ہم غافل ہیں ۳۰۵
برے لوگوں کی علامت ۳۰۵
پہلی علامت ۳۰۵
نماز میں خیالات آنے کی شکایت ۳۰۶
نماز تھرمامیٹر ہے ۳۰۷
نماز میں وساوس کی مثال ۳۰۷
توجہ سے نمازوں کے چلہ کی برکت ۳۰۸
متوجہ رہنے کا مطلب؟ ۳۰۹
ایک لمحہ کی حضوری سے بھی کام بن گیا ۳۰۹
نماز کا حضور طہارت کے حضور پر موقوف ہے ۳۰۹
ظاہری طہارت اعضا کے دھونے سے ہے ۳۱۰
باطنی گندگی سے طہارت کا علاج ۳۱۰
ظاہری طہارت میں نقص کا وبال ۳۱۱
وضو کی دعاؤں کا اہتمام ۳۱۱
دوسری علامت ۳۱۲
تیسری علامت ۳۱۳
اللہ کی رحمت کے جھونکے ۳۱۳
قبولیت کا وقت ۳۱۳
بچوں کو بددعا دینے سے بچو ۳۱۴

انعامی بانڈ کے انعام کی طرح لمحات قبولیت کا خیال رکھو ۳۱۴
انعامی بانڈز کے انعام کا حکم؟ ۳۱۴
انعام نکلنے والا ہے ۳۱۵
اللہ سے دو چیزیں مانگو ۳۱۵

۱۷

حرام اشیاء کی خرید و فروخت

شراب کا پینا اور بیچنا حرام ہے ۳۱۹
شراب کے نشہ میں دی گئی طلاق مؤثر ہے ۳۲۰
جس کا استعمال حرام ہے، اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے ۳۲۱
کیا مسلمان کے شراب کے مٹکے توڑنے پر ضمان ہے؟ ۳۲۱
ٹی وی کی خرید و فروخت؟ ۳۲۱
حرام اور مردار کی قیمت بھی مردار ہے ۳۲۱
مردہ جانور کی کھال رنگنے سے پاک ہوجاتی ہے ۳۲۲
شراب کا سرکہ بنانا! ۳۲۲
سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال ۳۲۳
سونے چاندی کا تعویذ ۳۲۳
چھوٹے بچوں کے لئے بھی سونے چاندی کا استعمال ناجائز ہے ۳۲۴
لعنت کا وبال اور اس کی محرومی ۳۲۵
لعنت کا حکم ۳۲۵
یزید پر لعنت کرنا ۳۲۵
نماز میں آدمی اللہ سے مناجات کرتا ہے ۳۲۶

نماز میں تھوکنے کا حکم	۳۲۶
نماز میں تھوکنے کا ادب	۳۲۶
کچا فرش ہو تو حالتِ نماز میں تھوکنا جائز ہے	۳۲۶
عملِ کثیر سے نماز ٹوٹ جاتی ہے	۳۲۷
عملِ کثیر کی تعریف	۳۲۷
ارکانِ نماز، روحِ نماز کی علامات ہیں	۳۲۷
ہماری نماز	۳۲۸
دنیا کی نعمت و آزمائش دونوں ناقابلِ برداشت	۳۲۸
انسان کی حماقت کی حکایت	۳۳۰
مبارک لوگ	۳۳۲
دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی طرف توجہ	۳۳۳
ہم جنت سے قضائے حاجت کو آئے تھے	۳۳۳
گورنر ہاؤس یا استنجا خانہ	۳۳۳
اہلِ قبور کی حالت	۳۳۴
قبر کا نقشہ سامنے ہے	۳۳۵
بارگاہِ الٰہی میں پیشی کو پیشِ نظر رکھو!	۳۳۵
ہم خوابِ غفلت کے نشہ میں ہیں	۳۳۵

معرفتِ الٰہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

"عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: ......

وَاَشْرَفُ الْحَدِیْثِ ذِکْرُ اللّٰہِ وَخَیْرُ الْقَصَصِ اَلْقُرْاٰنُ، وَخَیْرُ الْاُمُوْرِ عَوَاقِبُھَا، وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا، وَمَا قَلَّ وَکَفٰی خَیْرٌ مِّمَّا کَثُرَ وَاَلْھٰی ..... الخ." (حلیۃ الاولیاء ج:۱ ص:۱۳۸)

ترجمہ:......"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: سب سے اشرف بات اللہ کا ذکر ہے، اور بہترین قصہ قرآن کریم ہے، اور سب سے بہتر کام وہ ہیں جن کا انجام بہتر ہو، اور سب سے برا کام وہ ہے جس کو گھڑ لیا گیا ہو، اور جو مال کم ہو اور کفایت کرنے والا ہو، وہ اس مال سے بہتر ہے جو زیادہ ہو اور غفلت میں ڈالنے والا ہو۔"

اشرف الحدیث ذکر اللہ کا مفہوم؟

یعنی آدمی جو بھی گفتگو کرتا ہے ان میں سب سے اشرف ذکرِ الٰہی ہے، ذکر

اللہ میں قرآن کریم کی تلاوت بھی شامل ہے، تسبیحات، درود شریف، استغفار اور تمام وہ الفاظ جن سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے وہ سب ذکرِ الٰہی میں شامل ہیں۔

کلام کے شرف کے اسباب؟

کسی کلام کا شرف یا تو اس کے مقصد کے اعتبار سے ہوتا ہے، یا جس کا تذکرہ کیا جائے اس کے تذکرہ کے اعتبار سے ہوتا ہے، قرآن کریم سب کا سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس کے باوجود کلام اللہ شریف کے بعض حصے بعض حصوں سے افضل ہیں، سورۂ یٰسٓ کو قرآن کریم کا قلب فرمایا گیا ہے، یعنی قرآن کریم کا دل ہے، آیت الکرسی کو "اعظم آیة من القرآن" فرمایا گیا ہے، یعنی قرآن کریم کی سب سے زیادہ عظمت والی آیت۔ سورۂ اخلاص کو ثلث قرآن فرمایا گیا ہے، یعنی تہائی قرآن کریم کے برابر ہے، سورۂ کافرون کو چوتھائی قرآن کے برابر فرمایا گیا ہے۔

پھر قل ھو اللہ احد میں اللہ تعالیٰ کا تذکرہ ہے، یہ ایک سورة ہے جو تہائی قرآن کے برابر ہے، یعنی دس پارے کے برابر، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہے، اسی طرح آیت الکرسی میں حق تعالیٰ شانہ کی صفات کا ذکر ہے، اور اس کے دس جملے ہیں اور دسوں میں الگ الگ صفت کو ذکر فرمایا گیا ہے، تو معلوم ہوا کہ کلام کا شرف اس کے اس مضمون کی وجہ سے ہے جس کا ذکر ہو رہا تھا۔

درود کی فضیلت کی وجہ؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ شانہ کی ذاتِ عالی کے بعد سب سے زیادہ صاحبِ مرتبہ ہیں، تو آپؐ کا ذکرِ خیر، ذکر اللہ کے بعد تمام اذکار سے افضل ہوگا، اس لئے درود شریف کی فضیلت بہت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ:

"مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا."

(مشکوٰۃ ص:۸۶)

ترجمہ:......"جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود شریف
پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں فرمائیں گے۔"

دس مرتبہ درود شریف پڑھو تو سو رحمتیں، اور سو مرتبہ درود شریف پڑھو تو ہزار رحمتیں میسر آئیں گی۔

سب سے افضل کلام؟

اس سے معلوم ہوا کہ ذکرِ الٰہی پر جو کلام مشتمل ہو وہ سب سے افضل ہے، جو کلام ذکرِ الٰہی پر مشتمل ہو وہ اشرف الحدیث ہے، جو بات اللہ تعالیٰ کے ذکر پر مشتمل ہو، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے وہ سب سے اشرف ہے، اس لئے کہ اس پر اجر ملتا ہے اور اس کے ذریعہ بندے کا مرتبہ بلند ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت بندے کے دل میں آتی ہے، اللہ تعالیٰ کی عظمت بندے کے دل میں آتی ہے، بندے کے دل میں عبدیت پیدا ہوتی ہے، حق تعالیٰ شانہ کی عظمت اور بندے کی عبدیت یعنی فنائیت یہی حاصل ہے سب چیزوں کا، اس لئے بلاشبہ اشرف الحدیث ذکر اللہ ہے، سب سے بہترین کلام، اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، اس سے آدمی کو غافل نہیں ہونا چاہئے۔

آنحضرتؐ کی مختصر نصیحت:

ایک صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہا: یا رسول اللہ! کوئی نصیحت فرمایئے، بات لمبی نہ ہوتا کہ میں اس کو ضبط کرسکوں۔ فرمایا:

"لَا یَزَالُ لِسَانُکَ رَطْبًا مِّنْ ذِکْرِ اللہِ۔"

(مشکوٰۃ ص:۱۹۸)

ترجمہ:......"تیری زبان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر

رہنی چاہئے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو۔"

حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہٗ نے یہ حدیث فضائل ذکر میں ذکر کر کے اس کے اسّی فائدے لکھے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق عطا فرمادے۔

سب سے گندی بات کسی مسلمان کو گالی گلوچ کرنا ہے، اور سب سے افضل بات اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، تو اپنی زبان کو گندگی سے آلودہ نہ کرو، بلکہ اس اشرف الحدیث کے ساتھ اپنی زبان کو منور کرو، زبان میں بھی نور آئے گا، دل میں بھی نور آئے گا، اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا بھی نصیب ہوگی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے!

سب سے بہتر قصص:

قصص کے معنی واقعات کے ہیں، سب سے بہترین واقعہ قرآن کریم کا ہے، قرآن کریم میں انبیاءؑ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ ہے، گمراہ قوموں کا بھی تذکرہ ہے، حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ بھی ہے اور ابلیس کا واقعہ بھی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بھی ہے، فرعون کا واقعہ بھی ہے، قارون کا واقعہ بھی ہے۔

واقعات کا اصل مقصود عبرت ہے:

لوگوں کو واقعات پڑھنے کا بہت شوق ہوتا ہے، لیکن واقعات سے اصل مقصود عبرت حاصل کرنا ہے! اگر ہم نے کوئی واقعہ پڑھا اور اس سے کوئی عبرت حاصل نہ کی تو وقت ضائع کیا، ہاں! آپ نے کوئی واقعہ پڑھا اور اس سے کوئی مفید نصیحت حاصل کی، عبرت حاصل کی تو پھر یہ پڑھنا صحیح ہوا، اور عبرت کے لئے قرآن کریم میں ذکر کردہ واقعات سے بہتر کوئی واقعہ نہیں ہے، ایک تو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، کلامِ معجز ہے، اس کی عجیب وغریب تعبیرات ہیں، پھر حق تعالیٰ شانہ اس کلام کے ضمن میں فوائد اور نصیحتوں کی طرف بھی اشارہ فرماتے جاتے ہیں تاکہ بندوں کے دل میں ان چیزوں کا دھیان پیدا ہو، تاریخ برائے تاریخ ذکر نہیں کی جاتی۔

سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے بہت تفصیل سے بیان فرمایا، شروع سے لے کر ان کی وفات تک، لیکن یہاں بھی تاریخ نہیں دہرائی، حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام سے درخواست کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو جنگل میں لے گئے، یہاں تقریروں میں بڑی تفصیل سننے کو ملتی ہے کہ یوں مارا اور یوں جھڑکا، اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو ستایا، یہ ساری تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں لیکن قرآن کریم نے ان سب کو لپیٹ کے رکھ دیا، قرآن کریم نے فرمایا:

"فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ....." (یوسف:۱۵)

جب وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو لے گئے اور انہوں نے ایکا کرلیا، اتفاق کرلیا کہ اندھے کنویں میں ان کو ڈال دیں، پھر آگے ذکر ہی نہیں کیا کہ کیا ہوا؟ اور کیا نہیں ہوا؟ ہاں! البتہ قرآن کریم میں صرف اتنا ہے کہ:

"وَاَوْحَيْنَـآ اِلَيْـهِ لَتُـنَبِّـئَـنَّـهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ." (یوسف:۱۵)

ترجمہ:......"اور ہم نے ان کو وحی کی کہ ایک وقت آئے گا کہ تم ان کو یہ واقعات بتاؤ گے اور ان کو پتہ بھی نہیں ہوگا، شعور بھی نہیں ہوگا۔"

رہا یہ کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائی لے گئے، اور ان کے بھائیوں نے ان کو کنویں میں ڈالنے کا فیصلہ کیا تو کیا ہوا؟ قرآن کریم نے اس کو ذکر ہی نہیں کیا، کیونکہ وہ محض دل کو نرم کرنے والی باتیں ہوتیں، سننے والوں کو ترس آتا، اور لوگ روتے، یہ کوئی عبرت کی بات تو نہیں تھی، اس میں عبرت کی بات تو اتنی ہوئی کہ لے گئے، لے جا کر کنویں میں ڈال دیا اور کنواں بھی اندھا، تو قرآن کریم میں

جو واقعات ذکر کئے گئے ہیں اس کا ایک ایک حرف نصیحت ہے، عبرت ہے، ایک تو یہ کہ یہ واقعہ مستند ہے، ''وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللهِ حَدِیْثًا'' (النسآ:۸۷) (بات کرنے سے اللہ تعالیٰ سے بہتر سچا کون ہوسکتا ہے؟) ''وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللهِ قِیْلًا'' (النسآ:۱۲۲) (گفتگو کرنے میں اللہ تعالیٰ سے سچا کون ہوسکتا ہے؟)۔

جن واقعات کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا وہ قطعی طور پر یقینی ہیں، دوسرا آدمی ہم جیسا کوئی واقعہ بیان کرے گا تو دو چار باتیں اپنے پاس سے بھی ملا لے گا۔

واقعاتِ قرآن تاریخی نہیں:

دوسری بات یہ کہ حق تعالیٰ شانہ نے ان واقعات کو تاریخی حیثیت سے ذکر نہیں فرمایا بلکہ عبرت کی حیثیت سے ذکر فرمایا، واقعات کے صرف ان اجزأ کو لیا ہے جن میں کچھ احکام، کچھ مسائل، کچھ فوائد، کچھ نصیحت وعبرت بندوں کو کرنا مقصود تھا، اس لئے سب سے بہترین واقعات قرآن کریم کے ہیں، سورۂ یوسف میں فرمایا: ''نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ ......'' (یوسف:۳) (ہم آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں بہترین قصہ، بہترین واقعہ)۔

یوں آتا ہے کہ اہل جنت کبھی کبھی اس قسم کے واقعات بیان کریں گے تو حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بھی بیان کریں گے، ''احسن القصص'' فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

بہتر کام وہ ہے، جس کا انجام اچھا ہو!

اس روایت میں آیا ہے: ''خیر الامور عواقبھا'' سب سے بہتر کام وہ ہیں جن کا انجام بہتر ہو، ایک کام کرلیا، اپنے خیال میں اچھا کام کیا لیکن انجام اچھا نہیں نکلا تو اس کام کو اچھا نہیں کہیں گے، ہم نے خیر کے کام کئے یا ایسے کام جن کو ہم خیر نہیں سمجھتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ خیر

کے کام تھے، لیکن نعوذ باللہ! ہماری کسی نحوست کی وجہ سے ان پر صحیح انجام مرتب نہیں ہوا، مثلاً: کسی نیکی وغیرہ کے بعد ریاکاری کی یا خدانخواستہ ایسے الفاظ بول دیئے جس سے وہ اعمال برباد ہوگئے تو کچھ بھی نہ رہا، چاہے صدقہ خیرات وغیرہ کتنا ہی اچھا کام کیوں نہ ہو۔

سخاوت رضائے الٰہی کے لئے نہ ہو تو بے کار:

آج میں نے ایک عجیب وغریب حدیث پڑھی ہے کہ عالم حشرات الارض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: تمہارا سردار کون ہے؟ انہوں نے ایک سانپ کا نام لیا اور کہا کہ: ہے تو سردار، بس اس میں تھوڑی سی کسر ہے کہ ذرا بخیل ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخل سے زیادہ لائق ملامت اور چیز کیا ہوتی ہے؟ تو سخاوت بہت ہی اچھا عمل ہے اور بخل بہت بری چیز ہے، لیکن آپ جانتے ہیں کہ سخاوت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہ ہو تو بے سود اور بے کار ہے، کچھ بھی نہیں ملے گا، قرآن کریم میں فرمایا کہ:

"اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَـهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِیْهَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْکِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّیَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِیْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ." (البقرة:۲۶۶)

یعنی کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو اور اس کا بڑھاپا آگیا ہو، جوانی میں تو آدمی محنت کرسکتا ہے، نیا باغ بھی لگاسکتا ہے، لیکن بڑھاپے میں تو پرانی کمائی کھائی جاسکتی ہے، نیا کوئی کام کرنا مشکل ہوتا ہے جس میں محنت ہو، اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں، اگر اولاد بڑی ہوتی، کام کرنے والی ہوتی تو باغ اُجڑ جاتا تو چلو اولاد لگالیتی، بچے چھوٹے

چھوٹے ہیں جو بے چارے کما نہیں سکتے، باغ کیا لگائیں گے، وہ خود اس پر بوجھ ہیں۔ ایسے آدمی کا لہلہاتا ہوا بھرپور باغ جس پر رات کو آگ بگولا آیا اور سب کچھ جلا کر چلا گیا، اس شخص کو کتنی حسرت ہوگی ا کتنی ندامت ہوگی؟ کتنا غم ہوگا؟ سب کچھ ہی لٹ گیا۔

دنیاوی باغ کی طرح اگر نیکیوں کا باغ اُجڑ جائے تو...!

یہ اللہ تعالیٰ نے مثال بیان فرمائی کہ ایک آدمی نے زندگی بھر نیکیوں کا باغ لگایا لیکن یہاں کا آگ بگولا آیا اور سب کچھ جلا کر چلا گیا، بڑھاپے کا وقت سب سے زیادہ محتاجی کا وقت ہوتا ہے، قویٰ کمزور ہوجاتے ہیں، محنت کر نہیں سکتا، چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ ہے، لیکن اگر ساری عمر کی جائیداد ضائع ہوجائے تو اس غریب کی کیا حالت ہوگی؟ اور تمہاری زندگی بھر کے اعمال اگر موت کے وقت معلوم ہوں کہ صفر ہیں تو پھر اس سے زیادہ محتاجی کا وقت کیا ہوگا؟ اب نئی زندگی بھی نہیں مل سکتی کہ نئے عمل کرلیں۔ تو میں نے عرض کیا کہ سخاوت ہو یا دوسرے نیک اعمال، اگر آدمی زندگی بھر محنت کرتا رہے، لیکن ساتھ کچھ بھی نہ لے کر جائے، اور یہیں سب کچھ ضائع کر کے چلا جائے تو اچھا انجام تو نہ ہوا، خیر والے اعمال تو آخرت کے لئے کئے جاتے ہیں، یہ نماز روزہ ہے، یہ حج و زکوٰۃ ہے، یہ ذکرِ الٰہی ہے، صدقات و خیرات ہیں اور جتنے اعمالِ صالحہ کہلاتے ہیں ان کو آخرت کے لئے کیا جاتا ہے، یہ اعمال مرنے کے بعد کام دیں گے، ان اعمال کو دنیا کے لئے نہیں کیا جاتا، اور یہ آخرت میں اسی وقت مفید ہوسکتے ہیں جبکہ یہ بحال بھی رہیں، اگر خدانخواستہ ان کا انجام ہی غلط نکلے تو پھر ایسے اعمال کرنے کا کیا فائدہ؟ اس لئے کام کرتے ہوئے یہ بھی سوچنا چاہئے کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ برے اعمال کرو گے تو اس کا انجام تو ظاہر ہے برا ہی ہوگا، اور نیک اعمال کرو گے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپؐ کے طریقے کے مطابق

نہیں کروگے تو ان کا انجام بھی برا ہی ہوگا۔

بری نیت، برے انجام کی علامت:

اسی طرح نیک اعمال کرو لیکن نیت صحیح نہ ہو یا ان اعمال کی آدمی شرطیں بجا نہ لائے تو اس کا انجام بھی صفر ہے، مطلب یہ ہے کہ سب سے بہتر کام ان کے انجام ہیں، کاموں کی بہتری ان کا انجام ہیں، اور دوسری روایت میں ہے: سب سے بہتر کام وہ ہیں جو عزیمت والے ہوں، ہمت اور عزیمت کے ساتھ کام کو کیا جائے تو کام ہوگا، اور اگر سستی و کاہلی کے ساتھ کیا جائے تو وہ کام ٹھیک سے نہیں ہوگا۔

خیر کے کام کرنے ہوں تو پورے عزم کے ساتھ کرو اور ہمت کو استعمال کرو، اور یہ شکایت نہ ہو کہ معمولات کی پابندی نہیں ہوتی، نماز کی پابندی نہیں ہوتی، فلاں کام کی پابندی نہیں ہوتی، تلاوت کی پابندی نہیں ہوتی، یہ کبھی کسی نے شکایت نہیں کی کہ کھانے کی پابندی نہیں ہوتی، کیا کروں جی تو بہت چاہتا ہے روٹی کھانے کو لیکن پابندی نہیں ہوتی۔ یہ تو کہا جاتا ہے کہ تلاوت کی پابندی نہیں ہوتی، نماز کی پابندی نہیں ہوتی، ذکر کی پابندی نہیں ہوتی، دوسرے اعمالِ خیر کی پابندی نہیں ہوتی، آخر کیوں؟ وجہ کیا ہے؟

اصل میں دو چیزوں کا نقص ہے، ایک یہ کہ آپ نے عزم نہیں کیا کہ مجھے یہ کام کرنا ہے اور ہر حال میں کرنا ہے، اور دوسرے یہ کہ اس کے لئے ہمت کو استعمال نہیں کیا، اب کھانا آپ کے سامنے رکھا ہو تو کوئی دوسرا آدمی تو اُٹھا کے منہ میں لقمہ ڈالنے سے رہا، اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہاتھ پاؤں دیئے ہیں، قوت دی ہے، لقمہ اُٹھا سکتے ہیں تو منہ تک تو خود ہی لقمہ لے کر جانا پڑے گا، اور اگر کسی نے ڈال بھی دیا تو دانت تو آپ کو ہلانے پڑیں گے، اب کوئی دوسرا آدمی تو آپ کی جگہ دانت ہلا نہیں سکتا، اس کو حلق سے نیچے اتارنا تو آپ کا فعل ہوگا، ہمت کے بغیر تو آپ کھانا بھی نہیں

کھا سکتے، اسی کو فرمایا: سب سے بہتر کام وہ ہیں جن کو عزم کے ساتھ کیا جائے۔

اعمال میں عزیمت ہو، ہمیشہ رُخصت پر عمل نہ ہو:

یہاں پر یہ بات یاد رکھو کہ ایک عزیمت ہوتی ہے اور ایک رخصت ہوتی ہے، یہ کام کرلو تو اجازت ہے، لیکن عزیمت یہ ہے کہ یہ کام نہ کرو اس عزیمت کی جمع بھی عزائم آتی ہے، تو سب سے بہتر کام وہ ہیں جن میں عزیمت ہو، ہمیشہ رخصتوں پر عمل نہ ہو، کبھی کبھی آدمی رخصت پر بھی عمل کرلے، چلو اچھا ہے، اللہ تعالیٰ نے رخصت دی ہے، ٹھیک ہے، لیکن اکثر کوشش عزیمت پر عمل کرنے کی ہونی چاہئے۔

سب سے بدترین کام؟

سب سے بدترین کام وہ ہیں جن کو نیا گھڑ لیا گیا ہو، انہی کو بدعت کہتے ہیں، اور لوگ اپنی بے سمجھی یا بے علمی کی وجہ سے اس میں بڑا دھوکا کھاتے ہیں، جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں ہوا، آپ نے اس کی تعلیم نہیں فرمائی، جس کام کو صحابہ کرامؓ نے نہیں کیا اور جس کام کو حضرات فقہائے امت، حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، رحمہم اللہ تعالیٰ، نے قرآن و حدیث سے نکال کر نہیں بیان فرمایا، اس کام کو عبادت کا کام سمجھ کر کرنا بدعت ہے۔

جو کام خود مقصود نہ ہو مگر دینی مقصد کے لئے کیا جائے وہ بدعت نہیں:

البتہ وہ کام جو دین کے کسی مقصد کے لئے کیا جاتا ہے اور اس کو خود مقصود نہیں سمجھا جاتا یہ بدعت نہیں ہے، بلکہ یہ دین کا ذریعہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابیں نہیں لکھی تھیں، صرف ایک ہی کتاب امت کو دی ہے اور وہ ہے قرآن کریم، صحابہ کرامؓ نے بھی کتابیں نہیں لکھیں لیکن دین

کی تعلیم اور تبلیغ کے لئے قلم کو ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بنایا ہے، شاہانِ عالم کے نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گرامی نامے بھی تحریر فرمائے ہیں، مقصود دعوت ہے، خط مقصود نہیں۔

اسی طرح بہت سی صورتیں ایسی بھی ہوئیں کہ کوئی صحابی دور دراز رہتے ہیں، ان کے نام گرامی نامہ تحریر فرمایا، اور اس میں کچھ ہدایات جاری فرمائیں کہ ایسا کرو، ایسا نہ کرو، زکوٰۃ وصدقات کی مقداریں اور نصاب یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر کروا کے دیئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تو اس تحریر کو اپنی تلوار کی نیام میں رکھتے تھے، تو معلوم ہوا علم کو لکھ لینا اور قلم کے ذریعہ سے لوگوں کو دعوت دینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، صحابہ کرامؓ اور حضرات خلفائے راشدینؓ بھی گرامی نامے تحریر فرماتے تھے۔

کتاب لکھنا جائز ہے:

چنانچہ تمام علمائے امت اس پر متفق ہیں کہ دین کی کتاب لکھنا جائز ہے اور عبادت ہے، لیکن خود عبادت نہیں بلکہ تعلیم وتبلیغ کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے عبادت ہے، اب آپ یہ نہیں فرمائیں گے کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں کتابیں نہیں لکھی گئیں، لہٰذا کتابیں لکھنا بدعت ہے، یہ کبھی نہیں فرمائیں گے آپ کہ بھائی! کتاب میں کیا لکھا ہے یہ تو دیکھو، دین کی حفاظت کے لئے اگر کتاب لکھی جاتی ہے، تعلیم کے لئے یا تبلیغ کے لئے کوئی کتاب لکھی جاتی ہے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، کتاب خود مقصود نہیں بلکہ دین کی تعلیم اور تبلیغ مقصود ہے۔

مدرسہ کی تعمیر اور اس کا نظام جائز ہے:

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے اور مسجد

تعمیر فرمائی تو ساتھ ہی ساتھ ایک چبوترا بنادیا تھا اور اس پر چھپر ڈال دیا تھا، جس کو صفہ کہتے ہیں، آج بھی وہ موجود ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدرسہ تھا، اور بعض دفعہ یہاں ستر، ستر طالب علم رہا کرتے تھے، تعلیم حاصل کرتے تھے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دعوت کے کام کے لئے، جہاد کے کام کے لئے بھیجتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جو اس امت میں احادیث کے سب سے بڑے راوی ہیں وہ اس مدرسے میں تین یا چار سال مسلسل رہے، تو معلوم ہوا کہ دینی مدارس بنانا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے، مگر بلڈنگ یا اس میں درجہ بندی، اسباق کے گھنٹے تقسیم کرنا اور دوسرے جو نظام ہوتے ہیں مدارس کے یہ صرف تعلیم کے لئے اور انتظامی چیزیں ہیں، مقصود تعلیم دین ہے، تو تعلیم دین یہ اہم مقاصد میں سے ہے اور یہ مدارس یا ان کا نظام اس کا ذریعہ ہے، اس کو بدعت نہیں کہہ سکتے۔

تبلیغ والوں کا سہ روزہ، چلّہ اور تین چلّے بھی جائز ہیں:

بہت سے سرپھرے مجھے لکھتے ہیں کہ یہ جو تبلیغ والوں نے سہ روزہ، چلّہ اور تین چلّے اور سال مقرر کیا ہوا ہے یہ سنت سے ثابت ہے؟ اور یہ کہتے ہیں کہ فضائل اعمال کی کتابیں پڑھو، یہ سنت سے ثابت ہے؟ جب لوگوں کا فہم اتنا نیچے گر جائے تو ان کو کیا جواب دوں؟ تم خود سوچو، میں لکھ دیتا ہوں کہ ہمارے مدارس میں جو کچھ نظام رائج ہے کیا یہ سنت سے ثابت ہے؟ یہ گھنٹہ بخاری شریف کا ہے، یہ گھنٹہ ترمذی شریف کا ہے، یہ گھنٹہ مسلم شریف کا ہے، کیا یہ کسی حدیث میں آتا ہے؟ حنفی تو خیر بیچارے مقلد ہیں، لیکن اہل حدیث تو اپنے آپ کو پکے سنت پر عمل کرنے والے کہلاتے ہیں، کسی حدیث سے ثابت کریں گے کہ فلاں گھنٹے میں بخاری شریف پڑھایا کرو، فلاں گھنٹے میں ترمذی شریف پڑھایا کرو، مدارس میں کسی میں سات سال کا نصاب ہے، کسی میں پانچ سال کا نصاب ہے، کسی میں دس سال کا نصاب ہے، بچیوں کے لئے کسی نے

تین سال کا نصاب بنادیا، کسی نے چھ سال کا نصاب بنادیا، کیا یہ سنت سے ثابت ہے؟ یہاں کبھی کسی کے دل میں وسوسہ پیدا نہیں ہوا، کیونکہ جانتے ہیں کہ یہ نصاب کی مقدار یا کتابوں کی تعیین یا اوقات کی تعیین یا نظامِ تعلیم یہ خود مقصود نہیں ہیں، فروعات ہیں، اصل مقصود تو دین کی تعلیم ہے، چونکہ دین کی تعلیم کے لئے تجربہ کی بنیاد پر ایک نقشہ مرتب کر دیا گیا ہے تو آپ اس کو بدعت نہیں کہیں گے بلکہ اس کو بھی بہت بڑا کارِ ثواب سمجھتے ہیں، یہ مدارس بنانے کو، قرآن کریم کے مکتب بنانے کو، بہت اونچی عبادت سمجھا اور کہا جاتا ہے، تو میرے بھائی! تبلیغ کے سہ روزہ کو، چلّے کو، تین چلّے کو، سال کو، دو سال کو، پانچ سال کو بھی اسی مد میں شامل کرلو، اگر ان حضرات نے تجربے کے ساتھ دعوت کے کام کو کسی کے اندر پختہ کرنے کے لئے کچھ اوقات مقرر کر دیئے ہیں تو مجھے بتایئے آپ اس کو بدعت کیوں فرماتے ہیں؟ لوگ گھپلا کرتے ہیں۔

قبروں پر پھول انگریز کی سنت ہے:

شاہ تراب الحق کے ساتھ کسی زمانہ میں میرا قلمی مناظرہ ہوا تھا، میرے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے ڈانٹ کر فرمایا: ''مولوی صاحب! یہ تم نے کیا شروع کر دیا ہے؟'' یہی الفاظ تھے حضرتؒ کے، میں نے کہا: حضرت! آج کے بعد بند۔ وہیں ختم کر دیا، تو ان صاحب سے میں نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور صحابہؓ کے زمانے میں قبریں بھی موجود تھیں اور پھول بھی موجود تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے یہ پھول کیوں نہیں چڑھائے؟ یہ پھولوں کی چادر چڑھانا انگریزوں اور مغرب کی طرف سے وحی آئی ہے، یہ آسمان کی وحی نہیں ہے، تم نے مغرب کی چیزوں کو آسمانی وحی کا درجہ دے دیا، جیسے میں نے ایک دفعہ کہا تھا ناں! اسلامی بینک، اسلامی شراب خانہ، نعوذ باللہ! استغفر اللہ! اسلامی جمہوریت، اسلامی کمیونزم، مغرب کی طرف

سے جن گندگیوں کی وحی آتی ہے تو اس پر ''اسلامی'' نام چسپاں کردیتے ہو۔

محدثات پر حدیث سے غلط استدلال:

یہ محدثات ہیں، تم نے اس کو ''اسلامی'' بنادیا اور تم اس کو عبادت سمجھتے ہو، استدلال کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جارہے تھے تو آپ کی سواری بدکی، فرمایا کہ: یہ قبریں کیسی ہیں؟ بتایا گیا کہ فلاں کی ہیں، غالباً مشرکین کی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی تازہ شاخ منگوائی، اس کو درمیان سے دو حصوں میں چیرا، ایک، ایک قبر پر گاڑ دی، دوسری، دوسری قبر پر گاڑ دی یا شاید مسلمانوں کی بھی تھی، فرمایا:

''اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ! وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ، اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ، وَاَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ، ثُمَّ اَخَذَ جَرِيْدَةً رُطَبَةً فَشَقَّهَا بِنِصْفَيْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِيْ كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً. فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا؟ فَقَالَ: لَعَلَّهٗ اَنْ يُّخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا.''

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۲)

ترجمہ:...... ''ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور کسی بڑی بات پر عذاب نہیں ہورہا، ایک تو ان میں سے پیشاب سے پرہیز نہیں کرتا تھا، اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا کہ: یہ شاخیں میں نے اس لئے گاڑی ہیں کہ شاید ان کے خشک ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں تخفیف فرمائیں گے۔''

یہ تو ہیں حدیث شریف کے الفاظ، بعض اکابر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے شاخ گاڑنے سے یہ استدلال فرمالیا کہ قبر پر کوئی سبز شاخ گاڑ دی جائے، چلو یہ بھی کسی درجے میں ہے، اگرچہ یہ بھی صحیح نہیں ہے، اب اس سے ہمارے دوست آگے بڑھے کہا کہ پھول ڈالے جائیں، کس کی قبر پر؟ اولیا اللہ کی قبر پر! کیوں؟ کیا ان اولیا اللہ کو عذاب ہو رہا ہے؟ معذّب سمجھ کر قبر پر پھول ڈالتے ہو؟

انگریزوں کی روش کو دلائل مہیا کرنا؟

باہر کے بڑے لوگ جب ہمارے یہاں آتے ہیں تو قائد اعظم کے مزار پر پھول ڈالتے ہیں، تو ہمارے بڑے لوگ جب باہر جاتے ہیں تو ان کے قومی رہنماؤں کی قبروں پر پھول ڈالتے ہیں، قبر بھی نہ ہو تو مٹی پر ڈالتے ہیں، یہ دنیا کی رسم ہے، اب تم اس کو دین بناتے ہو! یہاں تو نہیں لیکن دوسری روایت میں ہے: "وُكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ!" (اور ہر نئی بات جو گھڑی جائے وہ بدعت ہے، اور ہر بدعت برائی ہے!) اور اس کے ساتھ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ: "وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ!" (ہر گمراہی دوزخ میں ہے)، اور ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ: تھوڑی سنت پر عمل کر لینا بڑی بدعت پر عمل کرنے سے بہتر ہے۔

جنت جانے کا نسخہ:

پانچ وقت کی نماز پڑھو! دیکھو میں تمہیں بتاتا ہوں نماز کے ساتھ جو سنتیں ہیں وہ پڑھ لیا کرو، تکبیر تحریمہ کا اہتمام کرو، اس کے علاوہ اگرچہ ایک لفظ بھی نہ پڑھو، انشاء اللہ سیدھے جنت میں جاؤ گے، اور ساری ساری رات لیلۃ القدر میں، شب برأت میں، ستائیسویں رجب میں عبادت کرو، لیکن فرض نماز کا اہتمام نہ کرو، "فی النار!" نتیجہ جہنم ہے۔

سنت کا نور اور بدعت کی ظلمت:

سنت پر عمل کرنے والا کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے محروم نہیں

ہوگا، اور بدعات میں تھکنے والا کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و برکات کو حاصل نہیں کرسکتا، اس کے حصے میں ظلمت ہی ظلمت ہے۔

محرم اور ربیع الاول کی خرافات:

اب یہ محرم شروع ہوا ہے، ساری کی ساری خرافات ہیں، بدعات ہیں، چاہے کسی نے گھڑی ہوں، اب ان کو تقدس کا درجہ حاصل ہوگیا، محرم کی بدعات کے بعد پھر ربیع الاول آنے والا ہے، کسی نے صحیح کہا تھا کہ:

یہ امت خرافات میں کھوگئی!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دین لے کر آئے ہیں، میاں! خدا کے لئے اس پر عمل کرو، فرائض ہیں، واجبات ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن ہیں، پھر عقائد سے متعلق، اعمال سے متعلق، معاشرت سے متعلق، معاملات سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات پر عمل کرو، ان بدعات کے ذریعہ سے تم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کرسکتے۔

زیادہ غافل کرنے والے سے تھوڑا کفایت کرنے والا مال بہتر ہے:

اس کے بعد فرمایا: تھوڑا مال ہو لیکن کفایت کرجائے، ضرورت پوری ہوجائے وہ بہتر ہے اس زیادہ مال سے جو آدمی کو غافل کردے۔

ایک غلط سوچ کی اصلاح:

بھائی! میں بھی اس میں شامل ہوں، آپ بھی اس میں شامل ہیں، ایک غلط خیال ہم سب میں پختہ ہوگیا ہے، وہ یہ کہ حلال مال زیادہ سے زیادہ کمانا چاہئے، حرام تو خیر نہیں کمانا چاہئے، لیکن حلال مال زیادہ سے زیادہ ہونا چاہئے، یہ ہماری بھول ہے،

کیونکہ جتنا زیادہ ہوگا اتنے زیادہ کا حساب بھی دینا ہوگا، تھوڑا ہوگا تو تھوڑے کا حساب دو گے، زیادہ ہوگا تو زیادہ کا حساب دو گے، ایک نے دس روپے خرچ کئے ہیں، اس کو دس روپے کا حساب دینا ہے، اور ایک نے دس ہزار خرچ کئے ہیں، تو اس کو دس ہزار کا حساب دینا ہوگا، اب تم دیکھ لو کہ دس روپے کا حساب دینے میں وقت زیادہ لگے گا یا دس ہزار کا؟ اور یہ تو جب ہے کہ ہمارا حساب بالکل صاف ہو، اگر حساب میں کہیں گھپلا نظر آ گیا تو پھر وہیں پکڑے گئے۔

زیادہ کمانے کو میں حرام اور ناجائز نہیں کہتا، کماؤ، حلال کماؤ تمہاری خوشی ہے، لیکن اس غلطی کی اصلاح کرنا چاہتا ہوں جس میں میں بھی مبتلا ہوں، آپ بھی مبتلا ہیں، اگر کوئی زیادہ کھاتا پیتا آدمی ہو تو اس کی قدر ہمارے نزدیک زیادہ ہے، اور ایک فقیر مسکین ہے اس کی عظمت اور قیمت ہمارے دل میں نہیں، لیکن جس طرح کسی چیز کی تہہ رکھی ہوتی ہے، اگر اس کو پلٹ دیا جائے تو نیچے والی اوپر آ جاتی ہے، اوپر والی نیچے چلی جاتی ہے، قیامت کے دن ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ انسانوں کو پلٹ دیں گے، آج جو تمہیں نیچے نظر آتے ہیں، وہ کل کو اوپر ہو جائیں گے، اور آج جو اوپر نظر آتے ہیں وہ کل کو نیچے نظر آئیں گے، اور جو آگے نظر آتے ہیں، وہ پیچھے ہو جائیں گے، اور پیچھے والے آگے ہو جائیں گے، اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بالکل بجا فرماتے ہیں، آمنا و صدقنا! کہ جو مال تھوڑا ہو لیکن کفایت کر جائے، بس بقدرِ کفایت ہو وہ بہتر ہے، یہ نہیں کہ ہماری یہ خواہش پوری ہو جائے وہ خواہش پوری ہو جائے! بس کفایت میں زندگی گزر جائے وہ بہتر ہے اس مال سے جو زیادہ ہو کر غافل کر دے۔ یہ غافل ہونا کئی طرح کا ہوتا ہے، تشریح کا موقع نہیں، ایک قسم غفلت کی یہ ہے کہ اسی مال کے انتظام میں بیچارہ لگا ہوا ہے، کچھ کرنے کی فرصت ہی نہیں مل رہی، یہ بھی غفلت ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

صحابہؓ نے پہلے ایمان، پھر قرآن سیکھا!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

حدیث شریف میں ہے:

"عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا قَالَ: لَقَدْ عِشْتُ بُرْہَۃً مِنْ دَہْرِیْ وَاِنَّ اَحَدَنَا یُؤْتِی الْاِیْمَانَ قَبْلَ الْقُرْاٰنِ وَتَنْزِلُ السُّوْرَۃُ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیَتَعَلَّمُ حَلَالَہَا وَحَرَامَہَا وَمَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّقِفَ عِنْدَہٗ مِنْہَا کَمَا تَعْلَمُوْنَ اَنْتُمُ الْقُرْاٰنَ، ثُمَّ لَقَدْ رَأَیْتُ رِجَالًا یُؤْتِیْ اَحَدُہُمُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ الْاِیْمَانِ فَیَقْرَأُ مَا بَیْنَ فَاتِحَۃِ الْکِتَابِ اِلٰی خَاتِمَتِہٖ، مَا یَدْرِیْ مَا اٰمِرُہٗ وَلَا زَاجِرُہٗ، وَمَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّقِفَ عِنْدَہٗ مِنْہُ وَیَنْثُرُہٗ نَثْرَ الدَّقْلِ۔" (مجمع الزوائد ج:۱ ص:۱۶۵)

ترجمہ:...... "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں کہ: مجھ پر ایک طویل زمانہ گزرا، ہم لوگ پہلے ایمان سیکھتے تھے پھر قرآن سیکھتے تھے، پہلے ایمان سیکھا اور اس کے بعد قرآن سیکھا، قرآنِ کریم کی سورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل

ہوتی تھیں تو ہم ان کے حلال وحرام کو بھی جانتے تھے، اور ہم یہ بھی جانتے تھے کہ اس آیت پر یہاں وقف کرنا چاہئے، لیکن اس کے بعد کچھ لوگ آئے ہیں جنہوں نے ایمان تو سیکھا نہیں، قرآن سیکھ لیا اور وہ سورۂ فاتحہ سے لے کر آخر تک پڑھتے ہیں، اور پڑھتے بھی دھڑادھڑ ہیں، ان کو یہ معلوم نہیں کہ اس آیت میں کہاں وقف کرنا ہے؟ کہاں ٹھہرنا ہے؟ کیا اس کے احکام ہیں؟ سورۂ فاتحہ میں کیا احکام ہیں؟ اور اسی طرح دوسری سورتوں میں کیا احکام ہیں؟ بس جس طرح کہ ردّی کھجوروں کو چن کر آدمی الگ کرلیتا ہے، اسی طرح ہم قرآن پڑھ رہے ہیں۔''

صحابہؓ اور بعد کے لوگوں کے قرآن سیکھنے میں فرق!

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے زمانہ کی بات کر رہے تھے، وہ فرماتے تھے کہ ہم پہلے ایمان سیکھتے تھے، اور ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں بیٹھ کر دل کی گہرائیوں میں اُتر جاتا تھا۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ: ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے تو ہمیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں۔'' یہ تو اپنے زمانے کی بات ہے کہ ہم نے سب سے پہلے ایمان سیکھا، اور اس کے بعد قرآن سیکھا، پھر جب قرآن نازل ہوتا تھا، یعنی کبھی ایک چھوٹی سورت، کبھی ایک آیت، کبھی دو آیتیں، کبھی چند آیتیں، تو ایمان کو سیکھنے کے بعد پھر ہم قرآن کو سیکھتے تھے اور قرآن اس طرح سیکھتے تھے کہ اس کے حلال کو، حرام کو، جائز کو، ناجائز کو، ہر چیز کو جانتے تھے، اور اب کچھ لوگ آئے ہیں یا آئیں گے کہ وہ دھڑادھڑ قرآن مجید پڑھنا شروع کردیں گے، ان کو یہ تک معلوم نہیں کہ قرآن مجید ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ ہم سے کیا تقاضا کرتا ہے؟

سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ والناس تک وہ قرآن مجید سارا حفظ سنادیں گے، لیکن قرآن مجید ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا، ہنسلی سے نیچے نہیں اُترے گا، اور قرآن مجید کو اس طرح فرفر پڑھیں گے گویا کہ ردّی کھجوروں کو چھانٹ رہے ہیں، الگ کر رہے ہیں۔ یہی فرق ہے ہمارے درمیان اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان، ان کے اندر خشیت تھی، خشوع تھا، قرآن مجید ان کے ظاہر اور باطن پر اثر کرتا تھا، اور ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں لیکن قرآن کوئی اثر نہیں کرتا، حلال کیا ہے؟ حرام کیا ہے؟ اس کو سیکھتے ہی نہیں کہ جائز کیا ہے؟ ناجائز کیا ہے؟ کوئی پرواہ ہی نہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون!

ابن ماجہ کی روایت میں حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

”كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فُتْيَانٌ حَزَاوِرَةٌ فَتَعَلَّمْنَا الْإِيْمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْاٰنَ فَازْدَدْنَا بِهٖ اِيْمَانًا.“ (ابن ماجہ ص:۱۱)

ترجمہ:...... ”ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے تھے، اور ہم ابھی لڑکے سے تھے، کہنا چاہئے کہ جوان بھی نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تعلیم فرماتے تھے تو ہم نے سب سے پہلے ایمان سیکھا، اس کے بعد قرآن مجید سیکھا، اور پھر قرآن مجید کے سیکھنے کی برکت یہ ہوئی کہ قرآن مجید کے سیکھنے کے بعد ہمارے ایمان میں اضافہ ہوگیا۔“

صحابہ کے استاذ و معلّم؟

یہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے، جن کے معلّم، معلّمِ

انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم تھے، قرآن کریم میں ارشادِ باری ہے:

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ، وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ." (آل عمران:۱۶۴)

ترجمہ:...... "بے شک اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا ہے اہل ایمان پر کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان رسول انہی میں سے بھیج دیا، جو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھتا ہے، اور ان کا تزکیہ کرتا ہے، اور ان کو کتاب اور دانائی کی باتوں کی تعلیم دیتا ہے، بے شک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے (لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل وہ تمام انسانوں کے معلّم بن گئے)۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو بہت تھوڑے لوگ آئے، کوئی ایک لاکھ آدمی بھی نہیں ہوگا، جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست تعلیم پائی، باقی جتنی دنیا تھی ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگردوں نے پڑھایا، اور یہ اللہ تعالیٰ کا اتنا بڑا احسان ہے، ان حضرات پر اور ان کے طفیل آنے والی امت پر، جس کی کوئی نہایت اور حد نہیں ہے۔

انصار کا ایثار:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دو جماعتیں تھیں، ایک مہاجرین تھے جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے آئے تھے، یہ کھیتی باڑی نہیں کرتے تھے، مکہ مکرمہ میں کھیتی کہاں ہوتی تھی؟ جانتے ہی نہیں تھے کہ کھیتی باڑی کیا ہوتی ہے؟ اور دوسرے انصار

تھے جو مدینے کے رہنے والے تھے، یہ حضرات کھیتی باڑی جانتے تھے، یہ چھوٹی سی بستی تھی، آج جس کو مدینہ کہتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اس کو ''یثرب'' کہا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد وہ ''مدینہ'' بن گیا، ''مدینة الرسول'' صلی اللہ علیہ وسلم، ''طابہ''، ''طیبہ'' یہ سب اس کے نام بن گئے تھے، مدینہ میں تھوڑی سی زمینیں تھیں، جب یہ مہاجرین مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے اور ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے، تو مدینے والے حضرات نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے ان مہاجرین کو ہمارا بھائی بنادیا ہے اور بھائی بھی اس طرح بنایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہاجر اور ایک انصاری کو فرمایا کہ: تم آپس میں بھائی ہو! انصاری کے پاس اگر دو بیویاں تھیں تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں ایک کو طلاق دیتا ہوں یہ میرا مہاجر بھائی اس کے ساتھ نکاح کر لے، اور جتنی ہماری زمینیں ہیں، آدھی ہماری اور آدھی ان کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میں تمہیں ان سے اچھا طریقہ نہ بتاؤں؟ صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ ضرور بتایئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زمینیں تو تم اپنے پاس رکھو، لیکن اس کے غلّے اور آمدنی میں سے ان کو آدھا دے دیا کرو، کاشت کاری تم کرو، کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ کاشت کاری کیا ہوتی ہے؟ صحابہؓ نے فرمایا: ٹھیک ہے! اب یہ حضراتِ انصار مدینہ کے رہنے والے کاشت کاری بھی خود کرتے تھے، زمینیں بھی ان کی تھیں مگر اس کا آدھا حصہ مہاجرین کو دے دیتے تھے، جب کچھ وقت گزر گیا اور بعض علاقے فتح ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ انصار کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ: زمینیں اللہ تعالیٰ نے فتح کردی ہیں، اب میرا خیال یہ ہے کہ جو زمینیں فتح ہوئی ہیں وہ مہاجرین کو دے دیں اور تمہاری زمینیں تمہیں واپس کردیں! انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہماری درخواست یہ ہے کہ یہ جو ہم نے مہاجر بھائیوں کو زمینیں دی ہوئی ہیں، یہ زمینیں بھی ان کے پاس رہیں اور نئی زمینیں بھی آپ ان کو دے دیں۔ کیا کسی نے

ایسے لوگ دنیا میں دیکھے ہیں؟

فتح عراق کے بعد حضرت عمرؓ کا اضطراب:

آخر میں تو اللہ تعالیٰ نے اتنی کشائش فرمادی کہ زمینیں فتح ہوگئیں بلکہ ملکوں کے ملک فتح ہوگئے، اس وقت چونکہ دستور یہ تھا کہ پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کیا جاتا تھا اور چار حصے مجاہدین پر تقسیم کردیئے جاتے تھے، جب یہ عراق اور اس کی زمینیں فتح ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میرے پاس مہاجرین کو بلاؤ! جب مہاجرین آگئے تو حضرت عمرؓ مہاجرین سے کہنے لگے کہ: میں تم سے ایک اہم مسئلہ کے بارے میں مشورہ کرنا چاہتا ہوں، وہ مشورہ یہ ہے کہ اب زمینیں تو بہت فتح ہوگئیں، اور تقسیم کرکے اس کا چوتھا حصہ تمہیں دے دیا گیا، لیکن میں سوچتا ہوں کہ تم تو وہ زمینیں لے کر بیٹھ گئے مگر آئندہ قیامت تک آنے والی نسلیں وہ کیا کھائیں گی؟ تو یہ حضرات اس کا کوئی ٹھیک جواب نہیں دے سکے، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انصار کو بلاؤ! ان کو بلایا وہ بھی کوئی صحیح جواب نہ دے سکے، اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استخارہ شروع کردیا، مسلسل ایک ماہ تک استخارہ کیا، بعض روایتوں میں اس سے بھی زیادہ مدت ذکر کی گئی ہے، آپؓ برابر استخارہ کرتے رہے، ایک دن بہت ہی خوشی اور مسرت میں ان مہاجرین و انصار کو فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے میرے مسئلے کا حل کردیا ہے، آئندہ یہ زمینیں تقسیم نہیں کی جائیں گی بلکہ یہ جو کاشت کار ہیں، یہ زمینیں ان کے پاس رہیں گی اور یہ مسلمانوں کی زمینیں ہوں گی، اور اس میں آنے والے سارے شریک ہوں گے۔ حضرت نے ایسی تقریر فرمائی کہ تمام کے تمام صحابہؓ اس پر متفق ہوگئے۔

قرآن سے ایمان کی زیادتی:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"قَالَ: كَانَتِ السُّوْرَةُ اِذَا نَزَلَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوِ الْآيَةُ اَوْ اَكْثَرُ زَادَتِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا وَّخُشُوْعًا وَنَهَتْهُمْ فَانْتَهَوْا."

(کنز العمال ج:۱ ص:۲۳۲)

ترجمہ:...... "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک سورہ نازل ہوتی یا ایک آیت یا زیادہ تو مسلمانوں کے ایمان اور خشوع میں اضافہ ہوجاتا، جس آیت نے جس چیز سے روکا ہوتا اس سے وہ رُک جاتے اور جس چیز کا حکم فرمایا ہوتا اس پر وہ جم جاتے۔"

صحابہؓ کا قرآن پر عمل کرنا:

ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ قرآن مجید کے بہت بڑے قاری ہیں، لیکن تابعی ہیں، صحابہؓ کے شاگرد ہیں، وہ فرماتے ہیں:

"حَدَّثَنَا مَنْ كَانَ يُقْرِئُنَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَقْتَرِءُوْنَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشَرَ اٰيَاتٍ فَلَا يَأْخُذُوْنَ فِي الْعَشْرِ الْاُخْرٰى حَتّٰى يَعْلَمُوْا مَا فِيْ هٰذِهِ مِنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ، قَالَ: فَعَلَّمْنَا الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ!"

(مسند احمد ج:۵ ص:۴۱۰)

ترجمہ:...... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے جو حضرات ہمیں قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے، انہوں نے ہمیں بتایا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کی دس آیتیں سیکھا کرتے تھے، جب یہ دس آیتیں پک جاتیں، ان آیات پر ان کا علم اور عمل جب دل میں راسخ ہوجاتا، پھر عرض

کرتے کہ اب اگلا سبق بھی دیں، یعنی اس طرح انہوں نے قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا کہ دس آیتیں حفظ بھی کرتے اور ان کے علم اور عمل کو بھی ازبر کرتے اور اس کی تعمیل بھی کرتے، چنانچہ وہ صحابی فرماتے ہیں جن سے یہ ابوعبدالرحمٰن سلمی نقل کرتے ہیں کہ: ہم نے علم اور عمل دونوں اکٹھے سیکھے تھے، صرف علم نہیں سیکھا بلکہ عمل بھی سیکھا۔"

حضرت ابن مسعودؓ کا مقام:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دفعہ درخت سے مسواک کاٹنے لگے تو ان کی چادر ہوا سے اُڑگئی اور پنڈلیاں ننگی ہوگئیں، چونکہ ان کی پنڈلیاں بالکل پتلی تھیں، صحابہؓ دیکھ کر ہنسنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں ہنستے ہو؟ کہنے لگے: عبداللہ بن مسعود کی پنڈلیاں دیکھ کر ہنستے ہیں کہ اتنی پتلی پنڈلیاں ہیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن یہ میزان میں تو پہاڑ سے زیادہ بھاری ہوں گی! "صاحب النعلین والوسادۃ" ان کا لقب تھا، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تکیہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جوتا ان کے سپرد تھا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ:

"فَمَكَثْنَا حِيْنًا مَا نَرٰى اِلَّا اَنَّ عَبْدَاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا نَرٰى مِنْ دُخُوْلِهٖ وَدُخُوْلِ اُمِّهٖ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ."

(مشکوٰۃ ص:۵۷۴)

یعنی ہم مدینے میں آئے، ایک مدت تک ہمیں یہی پتہ نہیں چلا کہ یہ عبداللہ بن مسعودؓ اور ان کی والدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے لوگ ہیں یا باہر کے آدمی ہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ:

"اِسْتَقْرَؤُا الْقُرْاٰنَ مِنْ اَرْبَعَةٍ: مِنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ، وَسَالِمٍ مَوْلٰى اَبِیْ حُذَيْفَةَ، وَاُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ، وَمَعَاذَ بْنِ جَبَلٍ." (مشکوٰۃ ص:۵۷۴)

یعنی قرآن کریم چار آدمیوں سے پڑھو! سب سے پہلے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیا، دوسرے نمبر پر سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ، حضرت ابوحذیفہؓ کے غلام تھے اور غلام بھی ایسے تھے جب پردے کا حکم نازل ہوا تو ابوحذیفہؓ کی اہلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! پردے کا حکم نازل ہوا اور سالم کو تو ہم نے بچوں کی طرح پالا ہے، اب اس سے پردہ کیسے کریں، وہ داڑھی والا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی برتن میں اپنا دودھ نکال کر اس کو پلادو، تمہارے لئے محرم بن جائے گا، اور یہ صرف سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ کی خصوصیت ہے کہ داڑھی والا ہونے کے باوجود ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا۔ بہرکیف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دس دس آیتیں سیکھتے تھے اور جب تک کہ ان کے علم کو، عمل کو ہر طرح سے ان کے احکام کو معلوم نہیں کر لیتے تھے، اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے، اس طرح پورا قرآن مجید پڑھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سال سنایا بھی کرتے تھے، قرآن مجید کے حافظ تھے، اور جس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس رمضان کو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو مرتبہ سنایا، اسی لئے فرماتے تھے کہ اگر مجھے معلوم ہوجائے کہ کوئی قرآن مجید مجھ سے بھی زیادہ جانتا ہے تو میں اس کی بھی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے تیار ہوں، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ان دونوں بزرگوں سے یہ بات منقول ہے، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے کوئی ایسا آدمی معلوم ہو جو مجھ سے زیادہ قرآن مجید جانتا ہے، تو میں اس کے پاس

جا کر قرآن مجید سیکھتا ہوں، اور وہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قسم! قرآن کریم کی کوئی ایسی آیت نہیں مگر میں جانتا ہوں کہ رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں؟ سفر میں نازل ہوئی ہے یا حضر میں؟

ایک روایت میں ہے:

”عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: کُنَّا اِذَا تَعَلَّمْنَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَشَرَ اٰیَاتٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ لَمْ نَتَعَلَّمِ الْعَشَرَ الَّتِیْ بَعْدَهَا حَتّٰی نَعْلَمَ مَا فِیْهِ، فَقِیْلَ لِشَرِیْکٍ: مِنَ الْعَمَلِ؟ قَالَ: نَعَمْ!“

(کنز العمال ج:۱ ص:۲۳۲)

ترجمہ:...... ”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب تک ہم اس قرآن مجید کی دس آیات کے احکام کو نہیں سیکھ لیتے تھے، آگے نہیں پڑھتے تھے، شریک جو اس حدیث کے راوی ہیں، ان سے کسی نے پوچھا: عمل مراد ہے؟ یعنی احکام پر عمل کرنا؟ کہنے لگے: جی ہاں! یہی مراد ہے۔“

حضرت حذیفہؓ کا مقام:

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دوستی تھی، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راز کی باتیں بتائی تھیں اور منافقوں کے بارے میں بتایا تھا، جب کوئی جنازہ آتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے کہ: دیکھو حذیفہؓ ان میں یعنی جنازہ پڑھنے والوں میں موجود ہے یا نہیں؟ اگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ شریک ہوتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس جنازہ میں شرکت کرتے، اور اگر معلوم ہوتا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اس میں شریک نہیں ہیں، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ شریک نہیں ہوتے تھے۔

جنازہ میں احتیاط:

ہماری مسجد فلاح کے امام صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، انہوں نے میرا بوجھ ہلکا کردیا ہے، پہلے مجھے بہت ہی دقت ہوتی تھی، جب کوئی جنازہ آتا تھا میں پریشان ہوتا تھا کہ کیا کروں؟ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن کی داڑھی نہیں ہوتی تھی، ان کا جنازہ کیسے پڑھاؤں؟ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو حرام کھانے والے ہیں، ان کا جنازہ کیسے پڑھاؤں؟ غرضیکہ جب کوئی جنازہ آتا تھا تو مجھے پریشانی ہوتی تھی، اب اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، یہ آگئے ہیں، یہ آگے ہوجاتے ہیں، ہم پیچھے، اللہ اکبر! جو نیت امام کی وہ نیت مقتدی کی، اللہ اکبر!

علم کتنا سیکھا جائے؟

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے:

”یَا اَخَا بَنِیْ عَبَسٍ! اِنَّ الْعِلْمَ کَثِیْرٌ وَالْعُمُرَ قَلِیْلٌ! فَخُذْ مِنَ الْعِلْمِ مَا تَحْتَاجُ اِلَیْهِ فِیْ اَمْرِ دِیْنِکَ، وَدَعْ مَا سِوَاهُ فَلَا تُعَانِهٖ۔“ (حلیۃ الاولیأ ج:۱ ص:۱۸۹)

ترجمہ:......”میاں! عمر بہت تھوڑی ہے اور علم بہت زیادہ ہے، اگر تم سارے قصے کہانیاں پڑھنے لگو گے تو عمر ختم ہوجائے گی، بس ضرورت کی باتیں معلوم کرو اور اپنے عمل میں لگو!“

علم کی وسعت:

ایک اور روایت میں ہے:

”عَنْ اَبِی الْبَخْتَرِیْ قَالَ: صَحِبَ سَلْمَانَ رَجُلٌ

مِنْ بَنِیْ عَبَسٍ قَالَ: فَشَرِبَ مِنْ دَجْلَةَ شَرْبَةً فَقَالَ لَهُ سَلْمَانُ: عُدْ فَاشْرَبْ! قَالَ: قَدْ رَوِیْتُ! قَالَ: أَتَرٰی شَرِبَتَکَ هٰذِهٖ نَقَصَتْ مِنْهَا؟ قَالَ: وَمَا یَنْقُصُ مِنْهَا شَرِبَةٌ شَرِبْتُهَا! قَالَ: کَذٰلِکَ الْعِلْمُ لَا یَنْقُصُ فَخُذْ مِنَ الْعِلْمِ مَا یَنْفَعُکَ!" (حلیۃ الاولیأ ج:۱ ص:۱۸۸)

ترجمہ:...... "ابوالبختریؒ کہتے ہیں کہ: ایک آدمی بنی عبس میں سے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا ساتھی ہوا، چلتے چلتے راستے میں دریائے دجلہ آتا تھا، انہوں نے اس طرح چلّو لے کر پانی پی لیا، تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اور پی لو! وہ ساتھی کہنے لگے: حضرت اتنا ہی پینا تھا مجھے جتنا پینا تھا پی لیا! فرمایا کہ: تمہارے اس چلو پینے سے دریائے دجلہ میں کوئی کمی بھی واقع ہوئی ہے؟ (ظاہر بات ہے کہ کیا کمی واقع ہوگی، دریا بھرا ہوا چل رہا ہے، ایک آدمی ایک بالٹی بھی پی لے تو کیا کمی واقع ہوجائے گی؟ انہوں نے تو ایک چلّو پیا تھا، تو ارشاد فرمایا: یہی مثال ہے آدمی کی عمر کی اور یہاں کے علم کی، علم تو بہت ہیں، بے شمار ہیں، اور علوم کے دریا چل رہے ہیں، علم کم نہیں ہوتا، لیکن آدمی کس کس علم کو سیکھے؟) آدمی کو اتنا علم سیکھنا چاہئے جو اس کو آخرت میں کام دے سکے۔"

حضرت ابن عمرؓ کی سائل کو چار نصیحتیں:

محمد بن ابی قیلۃ ذکر کرتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں، اور تمام علمأ کا اتفاق ہے کہ

صحابہ کرامؓ کی جماعت میں ان سے بڑھ کر کوئی متبع سنت نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر کیا، ان کو معلوم تھا کہ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانی ضرورت کے لئے اُترے تھے، بعد میں جب سفر میں اس راستہ سے گزرتے، چاہے ان کو ضرورت ہوتی یا نہ ہوتی، وہاں اُترتے اور اس طرح بیٹھتے گویا پیشاب کر رہے ہیں اور اُٹھ کر آجاتے، یعنی ان کو وہ جگہ بھی معلوم ہوتی تھی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب کے لئے بیٹھے تھے، کسی نے کسی مسئلہ میں خط لکھا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

"اِنَّکَ کَتَبْتَ تَسْأَلُنِیْ عَنِ الْعِلْمِ، فَالْعِلْمُ اَکْبَرُ مِنْ اَنْ اَکْتُبَ بِهٖ اِلَیْکَ، وَلٰکِنْ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَلْقَی اللّٰہَ کَافَّ اللِّسَانِ عَنْ اَعْرَاضِ الْمُسْلِمِیْنَ، خَفِیْفَ الظَّهْرِ مِنْ دِمَائِهِمْ، خَمِیْصَ الْبَطْنِ مِنْ اَمْوَالِهِمْ، لَازِمًا لِجَمَاعَتِهِمْ فَافْعَلْ!" (کنز العمال ج:۵ ص:۲۳۰)

تو نے مجھے علم کے بارہ میں خط لکھا ہے، مگر علم اتنی بڑی چیز ہے کہ میں اس کی تشریح نہیں کرسکتا، لیکن چار باتوں کی میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں:

ا:......پہلی بات یہ کہ اگر تجھ سے ہوسکے تو یہ کر کہ تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے اس حال میں کہ مسلمانوں کی عزت اور آبرو سے تیری زبان محفوظ ہو، اور کسی مسلمان کا تمہارے ذمہ یہ مطالبہ نہ ہو کہ اس نے فلاں جگہ میری غیبت کی، اس نے برائی کے ساتھ میرا تذکرہ کیا۔

۲:......دوسری بات یہ کہ مسلمانوں کے جو خون ہو رہے ہیں، قیامت کے دن تیرے ذمہ ان میں سے کوئی چیز نہ ہو، تیری پشت مسلمانوں کے خون سے ہلکی پھلکی ہو۔

قرآن مجید میں ہے کہ جس نے ایک جان کو قتل کردیا: "فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ

جَمِيعًا۔" (المائدہ:۳۲) گویا اس نے سارے انسانوں کو قتل کر دیا، نعوذ باللہ! قیامت کے دن کسی آدمی کے ذمہ یہ مطالبہ نہ ہو کہ اس نے کسی مسلمان کو قتل کیا۔

۳:...... تیسری بات یہ کہ مسلمانوں کے مالوں سے تیرا پیٹ بھوکا ہو، یعنی کسی مسلمان کا مال تیرے پیٹ میں نہ جائے، یعنی ناجائز طور پر تیرے پیٹ میں نہ جائے۔

۴:...... چوتھی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعت سے الگ تھلگ نہ ہو، بلکہ ان کے ساتھ لازم رہو، یعنی ان کے ساتھ مل کر رہو۔ بس یہ چار نصیحتیں یاد رکھو!

بڑے چھوٹے ہونے کا معیار!

اب ہم نے دیکھا ہے کہ بعض جگہ بعض مسلمان بیچارے مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتے، مسلمانوں سے الگ تھلگ ہی رہتے ہیں، اور بعضے تو بیچارے ایسے ہیں کہ ان کو مسلمانوں کے ساتھ کھڑا ہونا، غریبوں کے ساتھ کھڑا ہونا معیوب معلوم ہوتا ہے، وہ اتنے بڑے آدمی ہیں کہ ہمارے جیسے غریب آدمیوں کے پاس بیٹھنا اور برابر کھڑا ہونا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، میرے بھائیو! یہاں ہم کچھ بڑے ہوگئے ہیں، کچھ چھوٹے ہوگئے ہیں، لیکن مرنے کے بعد سب برابر ہوجائیں گے، اور وہاں آخرت کے پیمانے سے بڑا اور چھوٹا ہونا ناپا جائے گا کہ کون بڑا ہے؟ کون چھوٹا ہے؟ ہم نے آخرت کو بھلا دیا، بڑا چھوٹا ہونا وہاں کا ہمیں معلوم ہی نہیں رہا، یہاں اگر کسی کے پاس دنیا زیادہ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ بڑا آدمی ہے! ایک حدیث شریف میں ہے کہ:

"...... يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ اَمْثَالَ الذَّرِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ صُوَرِ الرِّجَالِ يَغْشَاهُمُ الذُّلُّ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ ......" (مشکوٰۃ ص۴۳۳)

بہت سارے لوگ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں، لیکن قیامت کے دن یہ جو

چیونٹیاں ہوتی ہیں ناں! یعنی گندگی کے کیڑے ان جیسی ان کی حالت ہوگی، اور لوگ ان کو روندتے ہوئے چلیں گے، نعوذ باللہ! استغفر اللہ!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

حضراتِ صحابہؓ
کا
تعلیم کے لئے سفر!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

’’عَنْ عُرْوَةَ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَخْلَفَ مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلٰى اَهْلِ مَكَّةَ حِيْنَ خَرَجَ اِلٰى حُنَيْنٍ وَاَمَرَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّعَلِّمَ النَّاسَ الْقُرْاٰنَ وَاَنْ يُّفَقِّهَهُمْ فِى الدِّيْنِ، ثُمَّ صَدَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامِدًا اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَخَلَّفَ مَعَاذَ بْنَ جَبَلٍ عَلٰى اَهْلِ مَكَّةَ.‘‘

(مستدرک حاکم ج:۳ ص:۲۷۰)

ترجمہ:...... ’’حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد جب جنگِ حنین کے لئے نکلے تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو اہل مکہ پر امیر بنادیا، اور ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ ان لوگوں کو قرآن پڑھائیں اور دین کے معاملے میں ان کو فقیہ بنائیں۔ (جنگِ حنین اور جنگِ طائف سے فارغ ہوکر) آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم جب واپس تشریف لائے تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو کچھ عرصہ کے لئے وہیں مکہ میں چھوڑ دیا تھا (اور وہ اپنے کام میں مشغول رہے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں دوسرے آدمی کو مقرر کر دیا، اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو واپس مدینہ اپنے پاس بلالیا)۔"

حضرت معاذؓ کی تعلیمی خدمات:

مکہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پرانا شہر ہے، اور یہاں کے لوگ ابھی نومسلم تھے، اس لئے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے ایسے ایک آدمی کی ضرورت تھی جو واقعتاً اس کا اہل ہو، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر مقرر کر دیا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے وہاں رہنے سے دین اور دین کی باتوں کا خوب چرچا ہوا، اور اہل مکہ تھوڑی مدت میں دین کی سمجھ پیدا کرنے کے قابل ہوگئے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنے ہاں بلالیا اور دوسرے آدمی کو مکہ کا امیر مقرر کر دیا۔

حضرت زید بن ثابتؓ کا علمی مقام:

اور یہی معمول حضرت عمرؓ کا تھا، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ:

"عَنِ الْقَاسِمِ قَالَ: كَانَ عُمَرُ يَسْتَخْلِفُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فِيْ كُلِّ سَفَرٍ، وَكَانَ يُفَرِّقُ النَّاسَ فِي الْبُلْدَانِ وَيُوَجِّهُهُ فِي الْأُمُوْرِ الْمُهِمَّةِ وَيَطْلُبُ اِلَيْهِ الرِّجَالَ الْمُسَمُّوْنَ فَيُقَالُ لَهُ: زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ! فَيَقُوْلُ: لَمْ يَسْقُطْ عَلٰى مَكَانِ زَيْدٍ وَلٰكِنَّ اَهْلَ الْبَلَدِ يَحْتَاجُوْنَ اِلٰى زَيْدٍ فِيْمَا

يَجِدُوْنَ عِنْدَهٗ فِيْمَا يُحَدِّثُ لَهُمْ مَا لَا يَجِدُوْنَ عِنْدَ غَيْرِهٖ."

(طبقات ابن سعد ج:۴ ص:۱۷۴ بحوالہ حیاۃ الصحابہ ج:۳ ص:۱۹۷)

یعنی حضرت قاسمؒ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب کبھی مدینہ طیبہ چھوڑ کر باہر تشریف لے جاتے تھے تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ امیر مقرر کر جاتے تھے، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلیٰ کے نائب اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غیر حاضری میں مدینہ طیبہ کے امیر، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس وقت جتنی بھی اسلامی سلطنت تھی اس کے امیر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مختلف شہروں میں متعین کر دیا تھا، کسی صحابی کو کسی جگہ بھیج دیا، کسی کو کسی جگہ بھیج دیا، تمام صحابہ کو مدینے میں نہیں رہنے دیا تاکہ مختلف علاقوں میں رہنے والے لوگوں کو دینی فائدہ ہو، رہا حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا معاملہ تو اگر کوئی اہم کام ہوتا تو ان کو مدینہ سے باہر کسی علاقہ میں بھیجتے ورنہ نہیں بھیجتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول مبارک تھا کہ جب کسی جگہ کوئی آدمی بھیجنا ہوتا تو لوگوں سے مشورہ کرتے کہ ہاں بھائی! نام دو فلاں جگہ یا فلاں علاقہ میں کسی صحابی کو بھیجنا ہے، کس کو بھیجیں؟ صحابہ مختلف لوگوں کا نام لیتے اور ان ناموں میں ایک نام حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا بھی آتا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: میں زید بن ثابتؓ کے نام سے ناواقف نہیں ہوں، لیکن میں ان کو مدینے سے باہر بھیجنا نہیں چاہتا، اس لئے کہ اگر وہ مدینے سے باہر چلے جائیں تو پھر مدینے میں فتویٰ دینے والا کون ہوگا؟ مدینے کا سب سے بڑا عالم تو زید بن ثابتؓ ہے، مدینے میں لوگ اپنے مسائل اور ضرورتیں لے کر آتے ہیں، حضرت زید بن ثابتؓ ان کے مسائل کا جواب دیتے ہیں، اگر یہ بھی مدینہ سے باہر چلے جائیں تو ان لوگوں کو مسائل بتانے والا اور فتویٰ دینے والا کوئی نہیں رہے گا۔"

زید بن ثابتؓ ابن عمرؓ کی نظر میں:

ایک روایت میں ہے:

”عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ: كُنَّا مَعَ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا يَوْمَ مَاتَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَقُلْتُ: مَاتَ عَالِمُ النَّاسِ الْيَوْمَ! فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: يَرْحَمُهُ اللّٰهُ الْيَوْمَ فَقَدْ كَانَ عَالِمُ النَّاسِ فِيْ خِلَافَةِ عُمَرَ وَحِبْرُهَا، فَرَّقَهُمْ عُمَرُ فِي الْبُلْدَانِ وَنَهَاهُمْ اَنْ يُفْتُوْا بِرَأْيِهِمْ وَجَلَسَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ بِالْمَدِيْنَةِ يُفْتِيْ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ وَغَيْرَهُمْ مِنَ الطَّرَاءِ يَعْنِيْ الْقُدَامُ.“

(بحوالہ حیاۃ الصحابہ، طبقات ابن سعد ج:۴ ص:۱۷۶)

حضرت سالم رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے ہیں، وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب حضرت زید بن ثابتؓ کا انتقال ہوگیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بہت ہی رنج اور صدمہ ہوا، حاضرین میں سے کسی نے یہ بات کہہ دی کہ حضرت زید بن ثابت تو لوگوں کو فتویٰ دیتے تھے، اب فتویٰ کون دے گا؟ حضرت ابن عمرؓ فرمانے لگے کہ: وہ فتویٰ اب سے نہیں دیتے تھے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے فتویٰ دیتے آئے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسرے صحابہ کو باہر ممالک میں بھیجتے تھے لیکن حضرت زید بن ثابتؓ کو مدینہ طیبہ میں رکھتے تھے، کیونکہ مدینے والوں کو ان کی ضرورت تھی، اب ان کا انتقال ہوگیا ہے، اب مدینے میں فتویٰ کون آدمی دے گا؟

زید بن ثابتؓ، عثمان غنیؓ کی نظر میں:

ایک دوسری روایت میں ہے:

”عَنْ اَبِیْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ السُّلَمِی: اَنَّهُ قَرَأَ عَلٰی عُثْمَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فَقَالَ لِیْ: اِنَّکَ اِذَنْ تَشْغُلُنِیْ عَنِ النَّظَرِ فِیْ اُمُوْرِ النَّاسِ، اَمْضِ اِلٰی زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَاِنَّهُ اَفْرَغُ لِهٰذَا الْاَمْرِ فَاقْرَأْ عَلَیْهِ فَاِنَّ قِرَاءَتِیْ وَقِرَاءَتَهُ وَاحِدَةٌ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَهُ فِیْهَا خِلَافٌ.“

(کنزالعمال ج:۱۳ حدیث:۳۷۰۵۳)

حضرت ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ جو تابعی ہیں اور فن قرأت کے امام ہیں، انہوں نے اکابر صحابہؓ سے علم قرأت حاصل کیا تھا اور آگے پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے سلسلہ چلایا، ان سے نقل کیا ہے کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور قرأت سیکھتے تھے، ایک دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: بھائی! خلافت کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ہے، اب میں تمہارے ساتھ مشغول ہوں گا اور تمہیں قرأت سکھاؤں گا تو لوگوں کے کام سے تو پھر فارغ ہوجاؤں گا، امت کے کتنے کام میرے ذمہ ہیں، اس لئے میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ اب تم حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس جایا کرو اور جو کچھ سیکھنا ہے ان سے سیکھا کرو، اس لئے کہ میری قرأت کے درمیان اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قرأت کے درمیان کوئی فرق نہیں، دونوں کی قرأت ایک ہی ہے۔

چنانچہ ابوعبدالرحمٰن السلمی رحمہ اللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد سننے کے بعد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے اور ان سے قرأت سیکھتے رہے۔

اور سوچنے کی بات ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہیں، لوگوں کی شب و روز کی ضروریات ان سے متعلق ہیں، اور اس حالت میں وہ دوسروں کو قرآن کریم پڑھاتے بھی ہیں، صرف پڑھاتے ہی نہیں بلکہ پڑھتے بھی ہیں۔

ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھنا:

طحاوی شریف میں یہ واقعہ موجود ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تھے، تو ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں اپنی نماز پڑھ رہا تھا، میں نے دیکھا کہ ایک صاحب آئے، آکر نماز کی نیت باندھ لی اور قرآن مجید کی تلاوت شروع کردی، اول سے آخر تک پورا قرآن مجید ایک رکعت میں مکمل کیا (طحاوی ص:۲۴۰)، وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے پیچھے ہوکر دیکھا تو وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں، یہ چند حضرات تھے جنہوں نے پورا قرآن مجید ایک رکعت میں مکمل کیا: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ، جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امام بھی بنایا تھا۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، اور ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ، اس کے علاوہ اور بھی دو چار آدمیوں کا نام آتا ہے، جنہوں نے ایک رکعت میں پورا قرآن مجید پڑھا ہے۔ اور دوسری رکعت میں کوئی مختصر سی سورۃ پڑھ کر دوگانہ پورا کردیا۔

امام ابوحنیفہؒ کی نماز کے بعد دعا:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بارہ میں آتا ہے کہ قرآن مجید ختم کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر یوں دعا کرتے تھے:

"یَا اللہُ! مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ، وَمَا عَبَدْنَاکَ حَقَّ عِبَادَتِکَ!"

ترجمہ:......"یا اللہ! جیسا آپ کو پہچاننے کا حق ہے ایسا ہم پہچان نہیں سکے، اور جیسا آپ کی عبادت کرنے کا حق ہے ویسی ہم عبادت نہیں کرسکے!"

چالیس سال عشاء کے وضو سے صبح کی نماز:

چالیس سال حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے عشاء کے وضو کے ساتھ نمازِ فجر پڑھی ہے۔ غیر مقلدوں بیچاروں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ امام ابوحنیفہؒ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو کے ساتھ فجر کی نماز کیسے پڑھ لی؟

ایک رات میں دو ہزار رکعت نماز:

ہمارے شیخ نور اللہ مرقدہٗ نے ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ ایک ہزار رکعت ایک رات میں کھڑے ہوکر پڑھتے تھے اور ایک ہزار رکعت بیٹھ کر پڑھتے تھے، دو ہزار رکعتیں ایک رات میں پڑھتے تھے۔

ایک رات میں سات آسمانوں کی سیر ممکن ہے؟

ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا تھا کہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے! میں نے کہا کہ: جی ہاں! ممکن نہیں ہے، واقعی ممکن نہیں، ایک آدمی جاتا ہے مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک اور وہاں انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت کرتا ہے، اور وہاں سے آسمانوں پر جاتا ہے، پہلے آسمان پر، دوسرے آسمان پر، تیسرے آسمان پر، چوتھے آسمان پر، پانچویں، چھٹے، ساتویں آسمان پر، اور اس کے بعد لامکان پر پہنچ جاتا ہے، اور اوپر سے آواز آتی ہے: "قِفْ یَا مُحَمَّدُ! فِاِنَّ رَبَّکَ یُصَلِّیْ!" (اے محمدؐ! ٹھہر جاؤ، تمہارا رب نماز پڑھ رہا ہے!)۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر عنایت اور شفقت فرما رہا ہے، وہاں سے آئے تو جنت اور دوزخ کی سیر کی، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ:

"یَا بِلَالُ! حَدِّثْنِیْ بِاَرْجٰی عَمَلٍ عَمِلْتَهٗ فِی الْاِسْلَامِ، فَاِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَیْکَ بَیْنَ یَدَیَّ فِی الْجَنَّةِ.
قَالَ: مَا عَمِلْتُ عَمَلًا اَرْجٰی عِنْدِیْ اِنِّیْ لَمْ اَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا

فِیْ سَاعَۃِ لَیْلٍ اَوْ نَھَارٍ اِلَّا صَلَّیْتُ بِذَالِکَ الطُّھُوْرُ مَا کُتِبَ لِیْ اَنْ اُصَلِّیْ.“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۵۴)

بلال کیا بات ہے؟ جب میں معراج میں گیا ہوں تو تمہارے جوتے کی آہٹ میرے آگے آگے آرہی تھی؟ کیا عمل کیا کرتے ہو؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! میں یہ عمل کرتا ہوں کہ جب بھی میرا وضو ٹوٹتا ہے میں دوبارہ وضو کرتا ہوں اور دو رکعت نماز نفل پڑھتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور دوزخ کی سیر کی، برزخ کے بہت سے عجائبات کا مشاہدہ فرمایا اور واپس آئے تو ابھی تک کنڈہ ہل رہا تھا، یعنی جس دروازے کو کھول کر گئے تھے واپس آئے تو کنڈہ ہل رہا تھا۔

واقعہ معراج پر اِشکال کا جواب، ایک حکایت:

میرے والد ماجد، اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت فرمائے، انہوں نے یہ واقعہ سنایا تھا، ظاہر ہے انہوں نے یہ واقعہ کسی بزرگ سے سنا ہوگا کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا واقعہ سنا تو اس کو اشکال ہوا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ جس آدمی کو واقعہ معراج پر اشکال تھا وہ ایک نہر پر غسل کرنے کے لئے اترا، تنہائی تھی، کپڑے اتار کر نہر کے کنارے پر رکھ دیئے، جب غسل سے فارغ ہوکر واپس آیا تو باہر دیکھا کہ جہان ہی کوئی اور ہے، کپڑے غائب ہیں اور یہ مرد سے عورت بنا ہوا ہے، وہاں ایک مرد نظر آیا اس سے کپڑے مانگے اور اس سے نکاح کرلیا، اور اس مرد سے عورت بننے والے نے بچے جنے، معلوم نہیں یہ معاملہ اس کے ساتھ کتنے سال رہا، ایک دن گھڑا لئے نہر پر گئے، (وہ اس وقت تو گئی تھی) اور باہر نکل کر جو دیکھا تو وہیں اسی جگہ ان کے کپڑے پڑے ہوئے ہیں اور وہ دوبارہ مرد بنے ہوئے ہیں، اب جو اپنے گھر گئے تو وہی پرانا گھر تب اپنی زبان سے کہنے لگا کہ معراج کا واقعہ ہوسکتا ہے،

گویا جب اپنا معاملہ دیکھا تو مان گیا کہ یہ بات ہوسکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی مدت لگائی، آپ ایک آسمان سے دوسرے آسمان، دوسرے سے تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے، ساتویں اس کے بعد عرشِ معلیٰ اور عرشِ معلیٰ سے لامکان تک گئے، کتنا عرصہ لگایا؟ قرآن کریم میں ہے کہ: "لَیْـلًا" رات کا ایک قلیل حصہ لگا، جب سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو حضرت جبریل علیہ السلام رُک گئے:

بدو گفت سالار بیت الحرام
کہ اے حامل وحی برتر خرام

ترجمہ:......"کعبہ کے سردار نے اس سے کہا کہ اے
وحی کے حامل آگے بڑھو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبریل علیہ السلام تھے، وہ پیچھے ہٹ گئے، کہنے لگے: حضرت! آگے آپ جایئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ:

چو در دوستی مخلصم یافتی
عنانم زصحبت چرا یافتی

جب تو نے میری رفاقت کو سچ سمجھا ہے اور تم شروع سے میرے ساتھ آرہے ہو، اب یہاں سے منہ بدل لیا، حضرت جبریل امین علیہ السلام نے فرمایا: آگے میرا کام نہیں ہے! آپ کا کام ہے، اگر ایک بال کے برابر بھی اوپر جاتا ہوں:

اگر یکسر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

تو تجلیاتِ الٰہی میرے پروں کو جلادیں گی۔ ارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو زمین سے اوپر تک چلے گئے، اور یہاں لوگوں کو اشکال ہو رہا ہے کہ وہ بزرگ ایک ہزار رکعت کھڑے ہوکر اور ایک ہزار رکعت بیٹھ کر کیسے پڑھ سکتے ہیں؟

وقت میں برکت کی کرامت:

میں نے اس سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ بزرگوں کی کرامت تو مشہور ہے، اور تمام علماء اس پر متفق ہیں، ایک کرامت تو یہ ہے کہ تھوڑا کھانا زیادہ آدمیوں کو کافی ہوجائے، اور ایک یہ ہوتی ہے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ کام ہوجائے، جب اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں وقت کو ربڑ کی طرح کھینچ لیتے ہیں، ہمارے لئے وہ اتنا ہی وقت ہوتا ہے جو سو کر گزار دیتے ہیں، اور ان حضرات کے لئے وہی وقت اللہ تعالیٰ کی یاد کا ہوتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کا زید بن ثابتؓ پر اعتماد:

بہرحال عرض کر رہا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارہ میں کہ انہوں نے ابوعبدالرحمٰن السلمی سے فرمایا کہ: بھائی! مجھے اور بھی کام ہیں، بس آپ کو جتنا پڑھانا تھا پڑھا دیا، اب تم زید بن ثابتؓ کے پاس جایا کرو، کیونکہ میں تمہیں پڑھانے کے لئے مشغول رہوں گا تو امت کے کام کون کرے گا؟

حضرت عثمانؓ اور تدریس قرآن:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حافظِ قرآن تھے، مدونِ قرآن تھے، اور لطف یہ ہے کہ جب تک خلافت کی ذمہ داری آپؓ پر نہیں آئی، اس وقت تک لوگوں کو قرآن مجید پڑھاتے تھے۔

حضرت معاذؓ کا شوقِ جہاد اور حضرت عمرؓ کا فتویٰ کے لئے ان کو روکنا:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مجاہدین کی جماعتیں جب ملک شام اور عراق جانے لگیں تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: حضرت! مجھے بھی اجازت دیجئے میں بھی جہاد کے لئے جانا چاہتا ہوں! حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شوق سے جایئے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ رجال شناس تھے، وہ آدمیوں کو جانتے بھی تھے، اور "لَا یَخَافُوْنَ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ" بھی تھے، اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے، خود فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب حضرت معاذ بن جبلؓ نے ملک شام جانے کی اجازت مانگی تو میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: ان کو نہ جانے دیجئے! یہاں فتوے کون دیا کرے گا؟ میں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بارہ میں حدیث سنائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "وَاَعْلَمُهُمْ بِالْحَلَالِ وَالْحَرَامِ مَعَاذُ بْنُ جَبَلٍ!" (مشکوٰۃ ص:۵٦٦) (حلال اور حرام کو سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبلؓ ہیں)۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: ان کو نہ جانے دیجئے! مدینہ خالی ہوجائے گا اور لوگ مسائل پوچھیں گے، اگر آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو بھیج دیا تو ان کو مسائل بتانے والا کون ہوگا؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: ایک آدمی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جانا چاہتا ہے اور شہید ہونا چاہتا ہے، میں اس کو کیسے روک سکتا ہوں؟

حضرت معاذؓ کا شوق لقائے الٰہی:

ادھر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ایک دن کہنے لگے: یا اللہ! یہ سارے لوگ آپ کے پاس جارہے ہیں، معاذ کا وقت ابھی نہیں آیا، اللہ اکبر! اسی وقت حضرت معاذ بن جبلؓ کے گلٹی نکل آئی اور تین دن کے اندر رخصت ہوگئے۔

نور کے پتلے انسانی شکلوں میں:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عجیب شان تھی! بقول ہمارے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کہ اللہ تعالیٰ نے نور کے پتلوں کو انسانوں کی شکل میں زمین پر اُتار دیا

تھا، ان کو "صحابہ کرام" کہتے ہیں، رضوان اللہ علیہم اجمعین!

ایک روایت میں ہے:

"عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ نَاسًا مِنْ عَضَلَ وَالْقَارَةَ وَهُمَا حَيَّانَ مِنْ جُدَيْلَةَ اَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ اُحُدٍ فَقَالُوْا: اِنَّا بِاَرْضِنَا اِسْلَامًا فَابْعَثْ نَفَرًا مِنْ اَصْحَابِكَ يُقْرِءُوْنَنَا الْقُرْاٰنَ وَيُفَقِّهُوْنَنَا فِي الْاِسْلَامِ! فَبَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُمْ سِتَّةَ نَفَرٍ مِنْهُمْ مَرْثَدُ بْنُ مَرْثَدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ حَلِيْفُ حَمْزَةَ بْنَ عَبْدِالْمُطَّلِبِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُوَ اَمِيْرُهُمْ."

(مستدرک حاکم ج:۳ ص:۲۲۲)

ترجمہ:...... "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عضل اور قارہ کے کچھ لوگ آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کہ: ہمارے علاقے میں دین کا بہت چرچہ ہوگیا ہے، ہمارے ساتھ کچھ آدمیوں کو بھیج دیجئے تا کہ لوگوں کو دین سکھائیں اور تفقہ فی الدین ان کو نصیب ہوجائے، (یہ بات کہنا ان کی منافقت تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دے کر کچھ آدمیوں کو لے جانا اور شہید کرنا چاہتے تھے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ چھ حضرات کو بھیج دیا، جن میں حضرت مرثد بن ابی مرثد کو (جو حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کے حلیف تھے، یعنی ان کے رفیق تھے) امیر بنا کر بھیجا۔"

جب یہ حضرات مقام رجیع میں پہنچے تو وہاں ان صحابہ کو انہوں نے شہید کردیا، ایک آدمی بھی نہیں بچا، ایک صحابی نے کہا کہ: یا اللہ! اپنے رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کو اور اہل ایمان کو آپ اطلاع کر دیجئے کہ ہمارے ساتھ یہ گزری ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ جبریلؑ اس کی اطلاع کر دی گئی۔

دین کے لئے جب بھی دعوت دی گئی صحابہؓ نے لبیک کہا:

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے لئے دعوت دی انہوں نے کبھی انکار نہیں کیا۔

مجھے حضرت جی مولانا محمد یوسف دہلوی نور اللہ مرقدہٗ کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد ہے، وہ فرماتے تھے کہ: ہم لوگ نماز کے لئے جاتے ہیں تو بیوی سے کہتے ہیں کہ کھانا تیار رکھنا، میں واپس آکر کھاؤں گا! اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اپنی بیویوں کو یہ کہہ کر آیا کرتے تھے کہ میں مسجد میں جا رہا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہا ہوں، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لئے نہ بھیجا تو واپس آجاؤں گا، ورنہ میرا انتظار نہ کرنا، یہ صحابہ کرامؓ کا معمول تھا، یعنی ان کو دوبارہ گھر والوں کو بتانے کی ضرورت نہیں تھی، وہ گھر سے رخصت ہو کر جایا کرتے تھے۔

حضرت علیؓ کو تعلیم کے لئے یمن بھیجنا:

ایک روایت میں ہے:

"عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسٌ مِنَ الْيَمَنِ، فَقَالُوْا: اِبْعَثْ فِيْنَا مَنْ يُفَقِّهُنَا فِي الدِّيْنِ، وَيُعَلِّمُنَا السُّنَنَ، وَيَحْكُمُ فِيْنَا بِكِتَابِ اللهِ! فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنْطَلِقْ يَا عَلِيُّ اِلٰى اَهْلِ الْيَمَنِ! فَفَقِّهْهُمْ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُمُ السُّنَنَ وَاحْكُمْ فِيْهِمْ بِكِتَابِ اللهِ. فَقُلْتُ: اِنَّ اَهْلَ الْيَمَنِ قَوْمٌ طُغَامٌ يَأْتُوْنِيْ مِنَ الْقَضَاءِ بِمَا لَا عِلْمَ لِيْ بِهٖ! فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ عَلٰی صَدْرِیْ ثُمَّ قَالَ: اِذْهَبْ! فَاِنَّ اللّٰهَ سَیَهْدِیْ قَلْبَکَ وَیُثَبِّتُ لِسَانَکَ. فَمَا شَکَکْتُ فِیْ قَضَاءٍ بَیْنَ اثْنَیْنِ حَتَّی السَّاعَةُ.“ (کنز العمال ج:۱۳ حدیث:۳۶۳۶۹)

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ: یمن کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے: یا رسول اللہ! ہمارے ساتھ کسی آدمی کو بھیج دیجئے جو ہمیں فقہ فی الدین کا فہم عطا کرے اور ہمیں سنت کی تعلیم دے اور اللہ کی کتاب کے مطابق ہمارے جھگڑوں کا فیصلہ کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اور تو کوئی اس وقت تھا نہیں، مجھے فرمایا کہ: تم ان کے ساتھ چلے جاؤ، ان کو دین سکھاؤ اور سنت کی تعلیم دو اور ان میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے کرو! کہاں یمن اور کہاں مدینہ؟ معمولی بات نہیں! میں نے کہا: یا رسول اللہ! آپؐ کے ارشاد پر جہاں بھی آپ بھیج دیں میں حاضر ہوں، لیکن دو باتیں ہیں، ایک تو یہ کہ ان لوگوں کو کچھ دین کا فہم نہیں، بالکل اُجڈ ہیں، ان بیچاروں کو میں کیا کروں گا اور کیسے سمجھاؤں گا؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ مجھے فیصلہ کرنا نہیں آتا، یہ لوگ جھگڑے لائیں گے، اپنے مقدمے لایا کریں گے، لڑائی جھگڑا کریں گے، اور مجھے اتنی عقل نہیں کہ ان کے درمیان فیصلہ کیسے کروں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے یہ بات کہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ: جا! اللہ تعالیٰ تیرے دل کو ہدایت کریں گے اور تیری زبان کو ثابت قدم رکھیں گے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یمن کے ایک علاقے میں چلے گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس وقت سے لے کر مرتے وقت تک جب بھی کوئی مقدمہ میرے سامنے آیا مجھے کبھی شک نہیں ہوا، فوراً دل میں اللہ تعالیٰ ڈالتے تھے کہ اس کا فیصلہ یہ ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں گئے تو حضرت علی رضی اللہ

عنہ یمن میں تھے، وہاں سے تشریف لائے اور مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر ملے اور اپنے ساتھ ہدی کے جانور بھی لائے تھے، ستر جانور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، اور تیس اونٹ حضرت علی کرم اللہ وجہہ لائے تھے، یعنی کل ایک سو ہوگئے تھے۔ دنیا میں ایسا سیٹھ کون ہے جو ایک سو اونٹ کی قربانی کرے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ تیس اونٹ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کردیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ: تم نے احرام کیا باندھا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: میں نے احرام یہ باندھا ہے کہ جو احرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہی احرام میرا ہے! فرمایا: ٹھیک ہے! جاکر بیت اللہ شریف کا طواف کرو، یعنی عمرہ کرو اور پھر احرام کی حالت میں رہو، دس تاریخ کو احرام کھولیں گے۔ یہ ایک سو اونٹ تھے، ان میں سات اونٹ ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ایک آگے بڑھ کر کہنا چاہتا تھا کہ یا رسول اللہ! پہلے مجھے ذبح کردیجئے! یعنی وہ اونٹ چھری پھرتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، اونٹ کو لٹاکر ذبح نہیں کیا جاتا، اونٹ کو کھڑے کھڑے گردن میں بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر برچھی اس کے حلق میں مارتے ہیں، جس سے خون کا فوارہ جاری ہوجاتا ہے اور اونٹ گر جاتا ہے، یہی طریقہ ہے اونٹ کے ذبح کرنے کا، تو بخاری شریف کی روایت ہے کہ سات اونٹ ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ایک سبقت کرتا تھا کہ: "بایھن یبتدأ؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے کس کے ساتھ ابتدا کریں، تریسٹھ اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر فرمالئے اور آپؐ کی عمر مبارک بھی تریسٹھ سال ہی تھی، باقی جو اونٹ بچ گئے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا کہ تم لوگ ذبح کرلینا۔ بہرحال کہنا یہ ہے کہ یمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیجا تھا اور انہوں نے دین کا فہم عطا فرمایا اور لوگوں کے فیصلے بھی کئے، وہاں کے جھگڑے بھی نمٹائے، دین کی تعلیم دی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ: ایک دن بھی مجھے کسی مقدمہ میں کبھی شک نہیں ہوا کہ

اس کا فیصلہ کیا کیا جائے؟

حضرت ابوعبیدہؓ کا تعلیم کے لئے مبعوث فرمانا:

ایک روایت میں ہے:

"عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ اَھْلَ الْیَمَنِ قَدِمُوْا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا: اِبْعَثْ مَعَنَا رَجُلًا یُعَلِّمُنَا الْقُرْاٰنَ! فَاَخَذَ بِیَدِ اَبِیْ عُبَیْدَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فَاَرْسَلَہٗ مَعَھُمْ، وَقَالَ: ھٰذَا اَمِیْنُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ!"

(مستدرک حاکم ج:۳ ص:۲۶۷)

یعنی یمن کے ایک اور علاقے سے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے کہ: ہمارے ساتھ بھی کچھ آدمی بھیج دیجئے! جو ہمیں تعلیم دیں، ہماری تربیت کریں، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ موجود تھے، ان کو فرمایا کہ: ان کے ساتھ چلے جاؤ!

اس امت کے امین:

اور یہ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ وہی آدمی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ: "لِکُلِّ اُمَّۃٍ اَمِیْنٌ، وَاَمِیْنُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَبُوْعُبَیْدَۃَ بْنُ الْجَرَّاحِ!" (ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، اور اس امت کا امین ابوعبیدہ بن الجراح ہے!)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کو مختلف خطابات دیئے، اور اللہ تعالیٰ ان صحابہ سے راضی ہوجائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس صحابی کو جو خطاب دیا وہ بالکل حق تھا، اور واقعہ کے مطابق تھا، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ان کا لقب ہے: "امین ھٰذہ الامۃ!" اس امت کا امین۔ اور یہ عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، یعنی ان دس صحابہ میں سے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زندگی

میں ان کو جنت کی بشارت عطا فرمائی۔ تو ان یمنی حضرات نے کہا کہ: ہمارے ساتھ ایک آدمی کو بھیج دیجئے جو ہمیں قرآن مجید سکھائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور ان کے ساتھ بھیج دیا اور فرمایا کہ یہ اس امت کے امین ہیں۔

تعلیم کے لئے حضرت عمرو بن حزمؓ کی بعثت:

ایک روایت میں ہے:

"عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ: هٰذَا كِتَابُ رَسُوْلِ اللهِ عِنْدَنَا الَّذِیْ كَتَبَهُ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ حِیْنَ بَعَثَهُ اِلَی الْیَمَنِ یُفَقِّهُ اَهْلَهَا وَیُعَلِّمُهُمُ السُّنَّةَ وَیَأْخُذُ صَدَقَاتِهِمْ فَكَتَبَ لَهُ كِتَابًا وَعَهْدًا وَاَمَرَهُ، فَكَتَبَ:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، هٰذَا كِتَابٌ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ، یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ.

عَهْدٌ مِّنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللهِ لِعَمْرِو بْنِ حَزْمٍ حِیْنَ بَعَثَهُ اِلَی الْیَمَنِ اَمَرَهُ بِتَقْوَی اللهِ فِیْ اَمْرِهٖ كُلِّهٖ فَاِنَّ اللهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ."

(تفسیر بن کثیر ج:۲ ص:۴)

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو یمن کے علاقے میں وہاں کے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا، اور ان کے ساتھ ایک گرامی نامہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا تھا، حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم ہیں، فرماتے ہیں کہ یہ خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو دیا تھا کہ وہاں کے لوگوں کو فقہ بھی سکھائیں، علم بھی سکھائیں اور ان سے صدقات بھی وصول کریں۔ اس میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ خط تحریر کیا جارہا ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے۔ اور اس کے شروع میں لکھا تھا: اے ایمان والو! اپنے عہدوں کو پورا کرو۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں اور کوئی آیت نازل نہ ہوتی، صرف اتنا ہی ٹکڑا: ''یَـآ اَیُّهَـا الَّـذِیْـنَ اٰمَـنُـوْٓا اَوْفُـوْا بِـالْـعُقُوْدِ!'' نازل ہوجاتا تو کافی تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو معاہدہ اور جو وعدہ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یا کسی مسلمان سے کیا کرو تو اس کو پورا کیا کرو۔

اس کے بعد فرمایا: یہ عہد ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے عمرو بن حزم کے لئے جبکہ ان کو بھیجا یمن کی طرف ان کو حکم فرمایا تقویٰ کا اللہ تعالیٰ کے معاملے میں اور فرمایا: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو متقی ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو نیکوکار ہیں، اس کے بعد لمبا خط تھا، جس میں صدقات کے اور بھی مسائل تھے، اور اس کی تمہید یہی تھی۔

سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک!

علم، عمل

کی مقبولیت کی علامت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

”عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: اِنَّ النَّاسَ کُلَّھُمْ قَدْ اَحْسَنُوا الْقَوْلَ، فَمَنْ وَافَقَ قَوْلُہٗ فِعْلَہٗ فَذَالِکَ الَّذِیْ حَظَّہٗ، وَمَنْ خَالَفَ قَوْلُہٗ فِعْلَہٗ فَاِنَّمَا یُوَبِّخُ نَفْسَہٗ.“

(کنزالعمال ج:۱۰ حدیث:۲۹۵۴۰)

”عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: مَا اسْتَغْنٰی اَحَدٌ بِاللّٰہِ اِلَّا احْتَاجَ اِلَیْہِ النَّاسُ، وَمَا عَلِمَ اَحَدٌ بِمَا عَلَّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا احْتَاجَ النَّاسُ اِلٰی مَا عِنْدَہٗ.“

(حیاۃ الصحابۃ ج:۳ ص:۲۴۹)

ترجمہ:......”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: بے شک سب لوگ باتیں تو اچھی کرتے ہیں، پس جس کا قول اس کے فعل کے موافق ہو، یہ وہ ہے جس کو اس کا حصہ مل گیا، اور جس کا عمل اس کے قول کے خلاف ہو تو گویا وہ اپنے آپ کو ڈانٹتا ہے۔“

ترجمہ:...... ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص (مخلوق کو چھوڑ کر) صرف اللہ کا محتاج بنا، سب لوگ اس کے محتاج ہوتے ہیں، اور جس شخص نے وہ علم سیکھا جو اللہ تعالیٰ نے اس کو سکھایا تو سارے لوگ اس کے اس علم کے محتاج ہوں گے جو اس کے پاس ہے۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: لوگ باتیں تو سب اچھی کرتے ہیں، باتیں کرنے کے بعد مرحلہ آتا ہے عمل کا، جس کا فعل اس کے قول کے موافق ہو، یعنی جس طرح باتیں اچھی کرتا ہے، اگر کام بھی اچھا کرتا ہو تو اس کو اپنا حصہ مل گیا، اور جس شخص کا قول اس کے فعل کے موافق نہ ہو، بلکہ خلاف ہو، یعنی باتیں تو بہت اچھی کرتا ہے لیکن کام اس کے خلاف کرتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس کا قول وفعل ایک دوسرے کے مخالف ہیں، تو یوں کہو کہ گویا وہ شخص اچھی باتیں کر کے اپنے آپ کو ڈانٹتا ہے، یعنی اپنے نفس کی مخالفت کرتا ہے اور قیامت کے دن اس سے محاسبہ ہوگا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے دوسرے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ: جو شخص اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرتے ہوئے لوگوں سے مستغنی ہو جائے (ایک اللہ مل گیا تو اس کو کسی دوسرے کی ضرورت ہی نہیں رہی) تو اس کے نتیجے میں سارے لوگ اس کے محتاج ہو جاتے ہیں، اور جو شخص کہ اس علم پر عمل کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا فرمادیا ہے تو تمام لوگ اس کے علم کے محتاج ہو جائیں گے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے اپنے ان ارشادات میں بڑے پتے کی باتیں ارشاد فرمائی ہیں، کیونکہ آدمی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

''لَا یَزَالُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ مُقْبِلًا عَلَی الْعَبْدِ وَھُوَ

فِیْ صَلَاتِہٖ مَا لَمْ یَلْتَفِتْ .....الخ." (مشکوٰۃ ص:۹۱)

یعنی نماز میں آدمی اِدھر اُدھر نہ دیکھے، اس لئے کہ اس کی طرف اس کا رب متوجہ ہوتا ہے (اور اللہ تعالیٰ اس سے ہم کلام ہوتے ہیں)۔

اگر آدمی نماز کی نیت باندھے اور اس کا دھیان لالوکھیت چلا جائے، تو اس نے نماز کی نیت تو یہاں باندھی ہوئی ہے مگر وہ پھر رہا ہے بازار میں، تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو کہا جاتا ہے کہ بندے میں تیری طرف متوجہ ہوں تو کہاں پھر رہا ہے؟ تو تو یہاں میرے ساتھ باتیں کرنے کے لئے آیا تھا، مگر مجھے چھوڑ کر لوگوں کے ساتھ باتیں کرنے لگا، اگر بندہ واپس آجائے یعنی اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوجائے اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنے لگے تو ٹھیک ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے حوالے کردیتے ہیں۔

کشف نہ ہونا بھی نعمت:

جیسے ایک صاحبِ کشف بزرگ تھے، ان کو کشف ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ فضل فرمائے اور ہم پر رحم فرمائے، کسی کو کشف بھی نہیں ہونا چاہئے، یہاں آپ کی حالت مجھے معلوم نہیں کہ آپ کے اندر کیا ہے، اور میری خبر آپ کو نہیں کہ میرے اندر کیا ہے؟ یوں اللہ تعالیٰ نے سب کا پردہ رکھا ہوا ہے، ہمیں ایک دوسرے کی خبر نہیں۔

قیامت کے دن بھیدوں کا کھلنا:

لیکن قرآن مجید میں آتا ہے کہ قیامت کے دن سب بھید کھل جائیں گے، چنانچہ ارشاد ہے:

"یَوْمَ تُبْلَی السَّرَآئِرُ. فَمَا لَہٗ مِنْ قُوَّۃٍ وَّلَا نَاصِرٍ."

(الطارق:۸،۹)

ترجمہ:......"جس دن کہ دلوں کے بھید کھول دیئے

جائیں گے۔ تو بندے کو کوئی طاقت بھی نہیں ہوگی اور اس کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا۔"

یہاں تو اللہ تعالیٰ نے سب سے پردہ رکھا ہوا ہے، میرا حال آپ کو معلوم نہیں، آپ کا حال مجھے معلوم نہیں، لیکن قیامت کے دن پردے کھول دیئے جائیں گے، بندہ چھپانے لگے گا مگر چھپ نہیں سکے گا، یہ ایسے ہی ہے جس طرح ہمارے حکیم الامت قدس سرہٗ نے نقل کیا ہے کہ:

ایک عورت کسی کے گھر میں ملازمہ تھی، اس کی چوری کرنے کی عادت تھی، گھر کی صفائی کرتے کرتے گھر کا ہی صفایا کر جایا کرتی تھی۔ ایک دن اس نے ایک ٹائم پیس گھڑی اٹھا کر اپنے لباس میں کہیں چھپادی، صفائی کرتی رہی، گھڑی کا الارم لگا ہوا تھا وہ وقت پر بول پڑا، اب اس کو دباتی ہے، لیکن اس کے دبانے سے تو وہ بند نہیں ہوتا۔ تو ایسے ہی یہاں دنیا میں تو ہم لوگ اپنے اپنے عیبوں کو چھپائے ہوئے ہیں، آپ کو معلوم نہیں کہ میں گھر میں کیا کر رہا ہوں؟ مسجد میں نماز پڑھانے کے لئے آ گیا اور آپ کے بارے میں مجھے معلوم نہیں کہ آپ وہاں کیا کر رہے ہیں؟ لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام بھید کھول دیں گے بندے کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ کوئی مددگار ہوگا، بہت دبائے گا مگر دبے گا نہیں۔ یہاں ایک یہ کیفیت ہے اور ایک یہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

"اِنَّ اللّٰہَ یُدْنِی الْمُؤْمِنَ فَیَضَعُ عَلَیْہِ کَنَفَہٗ وَیَسْتُرُہٗ ..... الخ." (مشکوٰۃ ص:۴۸۵)

یعنی اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کے سامنے ایک بندے کو بلائیں گے، اب وہاں کوئی پردے کرنے والی چیز ہے نہیں، کوئی اوٹ ہو اور کوئی پردہ ہو جہاں چھپ جائیں، لیکن حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ اپنا پردہ اس پر ڈال دیں گے، لوگوں کی نظر میں نہیں آئیں گے، اس کے ساتھ کیا سوال و جواب ہو رہا ہے؟ کسی کو

کچھ معلوم نہیں۔

قیامت کے دن کچھ نہ چھپے گا:

عدالتِ الٰہی میں کوئی وکیل و ترجمان نہیں ہوگا، دنیا کے وکیل اور ترجمان یہاں رہ جائیں گے اور بارگاہِ الٰہی میں کوئی کچھ نہ چھپا سکے گا، جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

"مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا سَیُکَلِّمُهٗ رَبُّهٗ لَیْسَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَهٗ تُرْجُمَانٌ." (مشکوٰۃ ص:۴۸۵)

ترجمہ:......"تم میں سے ہر ایک آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے آئے گا جبکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمانی کرنے والا نہیں ہوگا۔"

انگریزی عدالتوں کے انگریز وکیلوں کے کارنامے:

یہ عدالتوں کے وکیل یہیں رہ جائیں گے، جو جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ بناتے ہیں، جو مجرم کو چھڑوانا جانتے ہیں اور بے گناہ کو پھنسانا جانتے ہیں۔

انگریز کی تعلیم ہی ایسی ہے، (اللہ تعالیٰ کے فضل سے) اور انگریز کے دور سے آج تک یہی تعلیم چل رہی ہے، وہی عدالتیں ہیں، وہی وکیل ہیں، وہی لباس ہے، حتیٰ کہ یہ بھی نہیں کرسکے کہ ان کا لباس ہی بدل دیں، عدالت میں جب وکیل جائے گا تو سیاہ کوٹ پہن کر جائے گا، یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جیسے اس کے اوپر کا لباس سیاہ ہے، ویسے ہی اس کا دل بھی کالا ہے، سو سو جھوٹ خود بولتے ہیں اور اپنے مؤکلوں سے بلواتے ہیں، پہلے سے پڑھا کر جاتے ہیں کہ تم نے ایسے کہنا ہے، ویسے کہنا ہے، تم سے کوئی بات پوچھے تو ایسے کہہ دینا، ورنہ چپ رہنا، اور وکیل اس کی طرف سے لڑتا رہتا ہے، وہاں آخرت میں یہ نہیں ہوگا۔ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں کوئی

ترجمانی کرنے والا نہیں ہوگا، ہر آدمی خود اپنی جواب دہی کرے گا۔

بارگاہِ الٰہی کی پیشی کا منظر:

حدنظر یعنی جہاں تک نظر پہنچے گی دائیں بھی، بائیں بھی اور سامنے بھی اس کے نامہ عمل کے دفاتر پھیلے ہوئے ہوں گے، قرآن کریم میں ہے کہ بندہ کہے گا:

"مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً
اِلَّا اَحْصَاهَا....." (الکہف:۴۹)

ترجمہ:......"اس کتاب کو کیا ہوا کہ اس نے کوئی چھوٹی اور بڑی بات کو چھوڑا نہیں جس کو گھیر نہ لیا ہو، شمار نہ کرلیا ہو۔"

میرے بھائیو! اول سے آخر تک کے تمام عمل لکھے ہوئے ہمارے سامنے ہوں گے، اور ہر ایک آدمی خود جواب دہی کرنے والا ہوگا، کوئی اس کا معاون و مددگار نہیں ہوگا، اور وہاں کوئی جھوٹ بھی نہیں بول سکے گا، ہاں! جھوٹ بولنے کی کوشش کریں گے اور لوگ جھوٹ بولیں گے بھی، مگر ان کی زبانیں بند کردی جائیں گی، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ:

"اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيْهِمْ
وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ." (یٰسٓ:۶۴)

ترجمہ:......"ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ کیا کرتے تھے؟"

جب زبان بند ہوجائے گی اور دوسرے اعضا ان کے خلاف گواہی دیں گے تو وہ اپنے ان اعضا کو کوستے ہوئے کہیں گے:

"وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا، قَالُوْا اَنْطَقَنَا

اللّٰہُ الَّذِیْ اَنْطَقَ کُلَّ شَیْءٍ۔" (حٰمٓ السجدہ:۲۱)

ترجمہ:......"وہ اپنی کھالوں اور چمڑوں کو کہیں گے کہ تم ہمارے خلاف گواہی کیوں دے رہے ہو؟ وہ کہیں گے کہ آج ہمیں اس ذات نے بلوالیا ہے جس نے ہر چیز کو بلوالیا ہے (ہم اپنے اختیار میں نہیں ہیں)۔"

آدمی سب سے بڑی ہوشیاری یہ کرے گا کہ پہلے مکر جائے گا، لیکن مکرنے کہاں دیتے ہیں؟ شاید آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ آدمی کے مستقل ریکارڈ الگ الگ محفوظ ہو رہے ہیں، سب سے پہلا ریکارڈ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، جو کبھی خطا نہیں ہوتا، "لَا یَشْغَلُہٗ حَالٌ عَنْ حَالٍ!" اس کو ایک حالت دوسری حالت سے مشغول نہیں کرتی، ایک سے بات کر رہے ہیں، یہ نہیں کہ دوسرے آدمی سے غافل ہوجائیں، ایک وقت میں ساری دنیا سے بات کر رہے ہوں گے، پھر لوحِ محفوظ میں ہماری مکمل ہسٹری اور ہمارا ریکارڈ جمع ہے، پھر زمین کے وہ ٹکڑے جن پر ہم چلے پھرے، اٹھے بیٹھے، لیٹے، اچھا عمل کیا، یا برا عمل کیا وہ سب کے سب قیامت کے دن گواہ ہوں گے، دیواریں بھی بولیں گی، زمین کے ٹکڑے بھی بولیں گے۔ جیسا کہ سورۂ زلزال میں فرمایا ہے: "یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَا. بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَھَا." یعنی اس دن زمین اپنی خبریں دے گی، کہ اس بندے نے میری پشت اور میرے اوپر یہ یہ کام کیا تھا، فلاں وقت میں فلاں کام کیا تھا، یہ اس لئے ہوگا کہ تیرے رب نے اس کو حکم دے دیا ہے۔ تو اس دن ہمارے سامنے ہمارے سارے ریکارڈ ہوں گے، ہم چھپنا بھی چاہیں گے تو چھپ نہیں سکیں گے، اللہ تعالیٰ ہی ہمیں معاف فرمادیں تو دوسری بات ہے، ورنہ نہ تو کسی کی سفارش کام آئے گی اور نہ کسی شخص کا عذر و معذرت کام آئے گی، یہاں تو ہم عذر و معذرت کرلیتے ہیں کہ جی اصل میں یہ ہوگیا تھا، وہ ہوگیا تھا، وہاں اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز نہیں چھپ سکے گی اور نہ کوئی عذر کیا جاسکے گا۔

اللہ تعالیٰ کے فضل کا قصہ:

میں نے کہا تھا کہ ایک بندے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا، اس بندے کے دائیں بائیں اور سامنے سب جگہ نامہ اعمال پھیلے ہوئے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اپنا پردہ اس پر ڈال دیں گے، کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوگا کہ کس کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ حالانکہ کوئی پردہ نہیں ہوگا، کوئی اوٹ نہیں ہوگی، قرآن کریم میں ہے: ”لَا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا.“ (طٰہٰ:۱۰۷) تو اس میں کوئی اوٹ نہیں دیکھو گے، کوئی ٹیلا نہیں دیکھو گے، بالکل صاف چٹیل میدان، بندہ اپنے رب کے سامنے پیش ہوگا، فرشتے اس کے نامہ عمل کو پڑھنا شروع کردیں گے، خدا جانے کتنا وقت اس میں لگے گا؟ اللہ تعالیٰ ہی معاف فرمائے، حق تعالیٰ شانہ سنتے رہیں گے، جب فرشتے نامہ عمل پڑھ کر فارغ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرمائیں گے کہ: تو کچھ کہنا چاہتا ہے؟ اس بیچارے کا سر نیچا ہوگا، بولنے کی طاقت اس میں کہاں ہوگی؟ خود ہی اپنے آپ میں شرمندہ ہوگا، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کیا میرے فرشتوں نے تیرے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے؟ وہ کہے گا کہ: نہیں! اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے فرمائیں گے: کوئی نیکی تو نے کی ہو اور وہ فرشتوں نے نہ لکھی ہو، یا کوئی گناہ تو نے نہ کیا ہو اور وہ فرشتوں نے لکھ دیا ہو؟ بندہ کہے گا: نہیں! بندے کے پاس کوئی بھی عذر نہیں ہوگا، کچھ عذر تو آدمی کرے، بندہ بالکل چپ، آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: میں نے دنیا میں تیرا پردہ رکھا تھا، آج تجھے معاف کرتا ہوں! یہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل کا معاملہ ہے۔

اللہ کی رحمت سے بخشش:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ:

”لَیْسَ اَحَدًا مِّنْکُمْ یُنْجِیْهِ عَمَلُهٗ! قَالُوْا: وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: وَلَا اَنَا! اِلَّا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللهُ مِنْهُ

بِمَغْفِرَةٍ وَّرَحْمَةٍ." (صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۷۷)

ترجمہ:...... "تم میں سے کسی آدمی کو اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا، (مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ!) صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی نے کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ کی بھی بخشش نہیں ہوگی بغیر اللہ کی رحمت کے؟ (سر جھکالیا اور سر کے اوپر ہاتھ رکھ لیا) اور فرمایا: میری بھی بخشش نہیں ہوگی اِلَّا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت و رحمت کے ساتھ مجھے ڈھانک دے!"

بارگاہِ الٰہی میں پیشی کا خوف نہیں:

ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ کبڈی کھیلتے ہوئے جنت میں چلے جائیں گے، نہیں بھائی! یہ بات نہیں ہے، وہ دن آنے والا ہے: "یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا." (المزمل:۱۷) جو بچوں کو بوڑھا کردے گا، اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت فرمائے، کم از کم آدمی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا تو رہے، ہم تو ڈرتے بھی نہیں ہیں، ہمارے دل میں کبھی خوف بھی پیدا نہیں ہوتا اور بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہونے کا کبھی تصور بھی نہیں آتا، قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے دن کافر کہیں گے: "اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ." (الجاثیہ:۳۲) (ہم تو معمولی سا خیال کرتے تھے، ہمیں یقین نہیں تھا)۔ وہی کیفیت ہماری ہوگئی ہے، قیامت کے حق ہونے کا خیال کچھ ہمیں بھی آتا ہے کہ مریں گے، قبروں میں جائیں گے، محشر میں اُٹھیں گے، اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی، لیکن یقین کے درجے میں نہیں، اللہ سبحانہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے اور ہمارے اس خیال کو یقین میں بدل دے، ہنسی مذاق کی تو ہمیں سوجھی، لیکن آخرت ہمیں یاد نہیں رہی، اب اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیشی کو بھی ہم مذاق ہی سمجھتے ہیں، نعوذ باللہ!

حضرت ابودرداءؓ کا قیامت کی پیشی سے خوف:

ایک روایت میں ہے:

"کَانَ اَبُوالدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ یَقُوْلُ: اِنَّمَا اَخْشٰی مِنْ رَّبِّیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَنْ یَّدْعُوْنِیْ عَلٰی رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ فَیَقُوْلُ: یَا عُوَیْمِرُ! فَاَقُوْلُ: لَبَّیْکَ رَبِّ! فَیَقُوْلُ: مَا عَمِلْتَ فِیْمَا عَلِمْتَ؟" (الترغیب والترہیب ج:۱ ص:۹۰)

یعنی حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے کسی چیز کا ڈر نہیں ہے، صرف ایک بات سے ڈر لگتا ہے، (حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم الامت کا لقب دیا تھا، سب سے پہلا شخص اس امت میں حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ ہیں جن کو حکیم الامت کا خطاب ملا تھا) کہ: اللہ تعالیٰ مجھے تمام دنیا کے سامنے، جہاں چھوٹے بڑے سب موجود ہوں گے، مجھے بلائیں گے اور بلاکر کہیں گے کہ: عویمر! (عویمر نام ہے ان کا)، میں کہوں گا کہ: اے رب میں حاضر ہوں! کیا فرماتے ہیں؟ مجھ سے کہا جائے گا کہ تجھے علم دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا؟ بس اس بات پر بڑا ڈر لگتا ہے، کیونکہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔

حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ سب دنیا کے سامنے فرمائیں گے کہ: عویمر! تجھے جو علم دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا؟ اور دوسری روایت میں یہی مضمون ذرا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے مجھے بلائیں گے اور سوال کریں گے۔ ایک تو تمام خلائق کے سامنے کھڑا کیا جانا بڑی سخت رسوائی ہے، پھر یہ سوال کہ تجھے جو علم دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا؟ ایک تو میں نے ابھی حدیث نقل کی ہے ناں کہ بندے پر اللہ تعالیٰ اپنا پردہ ڈال دیں گے، کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا

ہے، وہ تو الگ معاملہ ہے، لیکن ایک یہ کہ ساری مخلوق کو اس کی ندا ہو، خبر ہو، تو اس پر آدمی اتنا شرمندہ ہوگا کہ کہہ اٹھے گا: اے کاش! میں آج سے پہلے مرگیا ہوتا، تو میرے کرتوت مخلوق کے سامنے نہ آتے۔ تو حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کے سامنے مجھے بلائیں گے اور بلاکر کہیں گے: "عُوَیْمِرُ! اَعَلِمْتَ اَمْ جَهِلْتَ؟" تجھے علم ہے یا تو جاہل تھا؟ یعنی یہ وہ سوال ہے جس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ یہ حضرت حکیم الامت فرماتے ہیں، یعنی اس امت کے سب سے پہلے حکیم۔

آخر میں فرماتے تھے کہ: میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے، اور اس نفس سے جس کا پیٹ نہ بھرے۔

حریص نفس سے پناہ کی دعا:

ہمارے ساتھ نفس لگا ہوا ہے، ساری دنیا کے خزانے اس کو مل جائیں تو یہ نہیں بھرتا، حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ:

"لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِنْ مَّالٍ لَابْتَغٰى اِلَيْهِ ثَانِيًا، وَلَوْ كَانَ لَهٗ وَادِيَانِ لَابْتَغٰى لَهُمَا ثَالِثًا، وَلَا يَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ آدَمَ اِلَّا التُّرَابُ!" (کنز العمال ج:۳ حدیث:۷۴۳۲)

ترجمہ:......"اگر ابن آدم کو سونے کی ایک وادی مل جائے تو اس کی خواہش ہوگی کہ ایک دوسری بھی مل جائے، اور اگر دو وادیاں مل جائیں تو اس کی چاہت ہوگی کہ ایک تیسری بھی مل جائے، اور ابن آدم کے پیٹ کو تو مٹی ہی بھر سکے گی۔"

یعنی اگر بندے کو ایک وادی سونے کی مل جائے تو چاہے گا کہ دو وادیاں مل جائیں، اگر دو وادیاں مل جائیں تو تیسری تلاش کرے گا کہ ایک اور ہونی چاہئے،

انسان نے کارخانے بنائے، فیکٹریاں بنائیں، دیکھ لو نواز شریف نے کئی فیکٹریاں بنالی تھیں، لیکن ابھی بس نہیں ہوئی، کہا کہ دو کافی نہیں، تیسری ہونی چاہئے، تیسری مل جائے تو چوتھی ہونی چاہئے، آدمی کے پیٹ کو قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے، قبر میں جب جسم کو کیڑے کھا جائیں گے اور یہ خود مٹی ہو جائے گا، تب کہے گا کہ: ہاں! اب کافی ہوگیا۔ تو حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: میں ایسے علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے، آپ حضرات نے سن لیا حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ کیا فرماتے ہیں؟ یا اس کان سے سنا اور اس کان سے نکال دیا؟ چلو جیسے آئے تھے ویسے چلے گئے!

بھائی! بات یہ ہے کہ سنا تو ہم نے بہت، لیکن ہماری عقل میں نہیں آیا، حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے، اور اس نفس سے جو نہ بھرے۔

قبول نہ ہونے والی دعا:

اور ایک تیسری چیز ہے: ”وَمِنْ دُعَاءٍ لَّا يُسْتَجَابُ لَهَا.“ اور میں پناہ چاہتا ہوں ایسی دعا سے جو سنی نہ جائے۔ بندہ، اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ سنتے ہی نہیں۔

میں نے آپ حضرات کو سنایا تھا، یاد ہوگا کہ شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ اسکندری کی کتاب ہے، اس میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ ایک بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا کرتا ہے یا اللہ! یا اللہ! یا اللہ! بندہ، اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اس کی چیز کو پورا نہ کرنا، اس کو ایسے ہی مانگنے دو، تو بندہ مانگتا ہے یا اللہ! مجھے یہ چیز دے، یا اللہ! مجھے یہ چیز دے، مانگتا ہی رہتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ: اس کو دینا نہیں، اس لئے کہ اس کا مانگنا مجھے اچھا

لگتا ہے! سبحان اللہ! کیا بات ہے، ایک وہ بندہ ہے کہ جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت پوری نہیں کرنا، تم نے ضرورت پوری کردی تو اس نے مانگنا ہی چھوڑ دینا ہے، اور مجھے اس کا مانگنا بہت اچھا لگتا ہے، کیا ہی مبارک ہے وہ بندہ کہ یہ مانگے اور اللہ تعالیٰ کو اس کا مانگنا اچھا لگے۔

اور ایک دوسرا بندہ ہے اس کو کوئی ضرورت پیش آجاتی ہے، وہ مانگتا ہے، اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ فوراً اس بندہ کی ضرورت پوری کردو، اس لئے کہ اس کا ہاتھ اٹھانا مجھے اچھا نہیں لگتا۔

ہم یوں سمجھتے ہیں کہ جس کی حاجت جلدی پوری ہوجائے، جس کی ضرورت جلدی پوری ہوجائے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچا ہوا ہے، اِدھر مانگتا ہے اُدھر منظور ہوجاتی ہے، لیکن یہاں معاملہ کچھ اور نکلا، دعا مانگتا ہے لیکن دعا قبول نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کو اس کا مانگنا اچھا لگتا ہے۔ ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جب آدمی کو حاجت ہو جب بھی مانگے اور جب حاجت نہ ہو (اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، تمام چیزیں میسر ہیں، الحمدللہ!) تب بھی مانگے، کیونکہ اللہ سے مانگنا اللہ تعالیٰ کو بہت اچھا لگتا ہے، اور ایک وہ آدمی ہے کہ جب ضرورت ہوتی ہے تو مانگتا ہے، جب ضرورت نہیں ہوتی تو نہیں مانگتا، حالانکہ اسے یہ بھی پتہ نہیں کہ یہ موقع بھی مانگنے کا تھا، ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کو اچھا نہیں لگتا، تو حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ: میں پناہ لیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی اس علم سے جو کہ نفع نہ دے اور اس نفس سے جو کہ بھرے نہیں، اور اس دعا سے جو کہ سنی نہ جائے۔

عمل کے بغیر علم:

ایک اور روایت میں حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"لَا يَكُونُ تَقِيًّا حَتّٰى يَكُونَ عَالِمًا، وَلَنْ يَّكُونَ

بِالْعِلْمِ جَمِيْلًا حَتّٰی یَکُوْنَ بِهٖ عَامِلًا.‘‘

(حلیۃ الاولیأ ج:۱ ص:۲۱۳)

ترجمہ:......’’آدمی متقی نہیں بن سکتا جب تک کہ عالم نہ ہو، اور سچا عالم نہیں بن سکتا جب تک کہ عمل نہ ہو۔‘‘

یوں کہتے ہیں کہ علم اور عمل یہ دونوں بھائی ہیں، علم آتا ہے تو اپنے ساتھ عمل کو بھی بلاتا ہے کہ تم بھی آجاؤ، اگر علم کے ساتھ عمل بھی آجائے تو ٹھیک ہے، ورنہ علم بھی چلا جاتا ہے۔

علم پر عمل علم کی مقبولیت کی علامت:

ایک بزرگ غالباً حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تھے، فرمایا کرتے تھے: ’’تَعَلَّمْنَا الْعِلْمَ لِغَیْرِ اللهِ، فَاَبٰی اَنْ یَّکُوْنَ اِلَّا لِلّٰهِ!‘‘ ہم نے علم سیکھا تھا تو اللہ تعالیٰ کی رضا سامنے نہیں تھی، ایسے ہی سیکھتے رہے، غیر اللہ کے لئے سیکھتے رہے، اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں سیکھا تھا، مگر علم نے انکار کردیا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں گا کسی اور کے لئے نہیں ہوں گا، چنانچہ علم آیا تو ساتھ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یاد بھی آئی، اگر علم آئے اور ساتھ کے ساتھ اللہ کی یاد بھی آئے تو سمجھو کہ یہ علم مقبول ہے، اور اگر علم آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی یاد نہیں آتی تو جان لو کہ یہ علم مقبول نہیں ہے، مردود ہے۔ تو حکیم الامت حضرت ابودرداأ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: بندہ متقی نہیں ہوسکتا جب تک کہ عالم نہ ہو، اور سچا عالم نہیں بن سکتا جب تک کہ عمل نہ ہو، یعنی علم پر عمل نہ کرے۔

اللہ کے ہاں بدترین آدمی:

ایک روایت میں حضرت ابودرداأ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ:

’’اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ مَنْزِلَةً یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَالِمًا لَا یَنْتَفِعُ بِعِلْمِهٖ.‘‘ (حلیۃ الاولیأ ج:۱ ص:۲۲۳)

ترجمہ:...... ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن
سب سے بدترین مرتبے کا آدمی وہ ہوگا جو عالم ہو اور اپنے علم
سے نفع نہ اٹھائے۔''

اللہ تعالیٰ نے علم تو دیا ہے لیکن عالم صاحب گپ شپ میں مشغول ہیں، فضولیات اور لغویات میں مشغول ہے، اس سے نفع نہیں اٹھاسکا، یہ عالم اللہ کے نزدیک قیامت کے دن سب سے بدترین مرتبے کا آدمی ہوگا، نعوذ باللہ من ذالک! اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے علم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قیامت کے دن انسان سے چار سوال:

حضرت ابی برزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث ترمذی ج:۲ ص:۶۷ پر ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو حسن صحیح کہا ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: قیامت کے دن بندے کے دونوں قدم اپنی جگہ سے ہلنے نہیں پائیں گے (کھڑا رہے گا)۔ فرمایا جائے گا کہ: چار سوالوں کا جواب دے دو اور چلے جاؤ!

جسم کس چیز میں بوسیدہ کیا؟

پہلا سوال یہ ہے کہ اپنا جسم کس چیز میں بوسیدہ کیا؟ چھوٹا بچہ تھا، بڑا ہوگیا، بال سفید ہوگئے، اب چل بھی نہیں سکتا، کس چیز میں اس جسم کو بوسیدہ کیا ہے؟ پہلے اس سوال کا جواب دو۔

عمر کس میں ضائع کی؟

دوسرا سوال یہ کہ عمر کس چیز میں ضائع کی؟ کن کن مشغلوں میں ضائع کی؟ اللہ تعالیٰ نے عمر دی تھی، کسی کو تھوڑی دی تھی، کسی کو زیادہ دی تھی، یہ عمر کن کاموں میں خرچ کی؟ یہ ایک مستقل سوال ہے جس کا ہم میں سے ہر ایک نے جواب دینا ہے،

ہمیں اس کا احساس ہی نہیں، ہم نے یہ عمر ضائع کی اور خوب ضائع کی، بے پروائی سے ضائع کی، گویا اپنے باپ دادا کی میراث سمجھ بیٹھے ہیں، حالانکہ یہ عمر تو اللہ تعالیٰ کا عطیہ تھا، اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی۔

مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا؟

تیسرا سوال، اس سوال کی دو شقیں ہیں، مال کہاں سے لیا اور کہاں خرچ کیا، چھوٹا سا سوال ہے، پوری زندگی کا نقشہ ہمارے سامنے آجائے گا، مال کہاں کہاں سے کمایا اور کہاں کہاں خرچ کیا؟ باقی تمام چیزوں کے بارے میں صرف ایک سوال لیکن مال کے بارے میں دو سوال، مال کو آدمی بڑی کوشش سے حاصل کرتا ہے اور خرچ بھی کرتا ہے بڑی محبت کے ساتھ۔

علم پر کتنا عمل کیا؟

چوتھا سوال یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جتنا علم دیا تھا، ان میں سے کس بات پر عمل کیا؟ بس چار سوال، چار سوالات کا جواب دے دو اور جاؤ، امتحانی سوال بتادیتے ہیں حالانکہ ممتحن بتایا نہیں کرتے، لیکن یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ یہ چار سوال ہوں گے اور ان میں سے ایک سوال دو سوال کی جگہ ہے، گویا پانچ سوال ہوگئے، ان پانچ سوالوں کا جواب دے دو اور جاؤ، تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

"اِعْلَمُوْا مَا شِئْتُمْ اَنْ تَعَلَّمُوْا! فَلَنْ يَّأْجُرَكُمُ اللّٰهُ بِعِلْمِهٖ حَتّٰى تَعْمَلُوْا." (حیاۃ الصحابۃ ج:۳ ص:۲۵۰)

ترجمہ:...... "جان لو! جتنا چاہو علم سیکھ لو! مگر یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہیں علم پر اس وقت تک اجر نہیں دیں گے جب تک کہ تم اس پر عمل نہ کروگے!"

یعنی تم کتابیں اور رسالے پڑھ کر جتنا چاہو اپنی معلومات کا ذخیرہ جمع کرلو، بڑے زبردست علامہ بن جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر اجر نہیں دے گا، جب تک کہ اس پر عمل نہیں کرو گے۔ صرف کتابوں کے پڑھنے سے تمہیں اجر نہیں ملے گا، بلکہ اجر ملے گا علم پر عمل کرنے سے۔ اور اسی مضمون کی ایک روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، وہ فرمایا کرتے تھے:

"تَعَلَّمُوْا مَا شِئْتُمْ اَنْ تَعَلَّمُوْا! فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَأْجُرَکُمْ عَلَی الْعِلْمِ حَتّٰی تَعْمَلُوْا بِہٖ، اِنَّ الْعُلَمَاءَ هَمَّتُهُمُ الْوِعَایَةُ، وَاَنَّ السُّفَهَاءَ هَمَّتُهُمُ الرِّوَایَةُ." (حیاۃ الصحابۃ ج:۳ ص:۲۵۰)

ترجمہ:...... جتنا چاہو علم سیکھ لو تمہاری خوشی ہے، لیکن تمہیں اللہ تعالیٰ علم پر اجر نہیں دیں گے، بلکہ عمل پر اجر دیں گے، اپنے علم میں سے کتنی چیزوں پر عمل کیا؟ اور فرماتے تھے کہ علماً کا کام بات کو ذہن میں رکھ کر اس پر عمل کرنا ہے، اور احمق لوگوں کا کام روایتیں کرتے رہنا ہے۔"

یعنی جیسے لوگ کہتے ہیں کہ ایک روایت یہ ہے، ایک روایت یہ ہے، ایک روایت یہ ہے، عالم صاحب روایتوں پر لگے ہوئے ہیں، یہ بھی اچھی بات ہے، بہت اچھی بات ہے، لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ان روایتوں میں سے عمل کتنی روایتوں پر کیا؟

حضرت سہلؒ کی کرامت:

حضرت سہل بن عبداللہ طستری رحمہ اللہ کبھی کبھی مدرسے میں طالب علموں کے پاس چلے جایا کرتے تھے، یہ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے ماموں ہیں، حضرت جنیدؒ ابھی چھوٹے اور نابالغ تھے تو حضرت سہل بن عبداللہ طستریؒ کی بہن اپنے

اس بچے کو بھی اپنے بھائی کے پاس چھوڑ گئی، ان کی بہن اپنے بھائی سے کہنے لگی کہ: ان کو بھی کچھ اللہ اللہ سکھادو، ایک دن حضرت سہل بن عبداللہ کی بہن مدرسہ میں آئیں، اتفاق سے حضرت سہل بن عبداللہ کھانا کھارہے تھے، حضرت سہل بن عبداللہ طستریؒ کے سامنے اچھا کھانا تھا اور بھانجے یعنی حضرت جنیدؒ کے سامنے ایسا ہی معمولی سا کھانا تھا، تو ان کی بہن کہنے لگی کہ: بھائی جی! بھانجے کے سامنے آپ نے کھانا ایسا ہی رکھا ہوا ہے، اور آپ مرغ اُڑا رہے ہیں؟ حضرت سہل بن عبداللہؒ نے جب اپنی بہن کی یہ بات سنی تو وہ ہڈیاں جو جمع تھیں ان کو اِکٹھا کیا اور ان سے مخاطب ہوکر کہنے لگے: ''قُمْ بِاِذْنِ اللہِ!'' اللہ تعالیٰ کے حکم سے کھڑی ہوجاؤ! وہ مرغ بن کر اذان دینے لگا، حضرت سہل بن عبداللہؒ بہن سے کہنے لگے کہ: جب آپ کا بیٹا اس مرتبے کو پہنچے گا تو یہ بھی مرغ کھالیا کرے گا، ابھی تو اس کو یہی دال ہی کھانے دو! حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کی عمر سات سال تھی، اپنے ماموں کے ساتھ تہجد پڑھتے تھے۔

حضرت سہلؒ کی طلباؒ کو نصیحت:

میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت سہل بن عبداللہ طستریؒ کبھی کبھی مدرسوں میں چلے جاتے تھے اور ان پڑھنے والوں سے فرمایا کرتے تھے: ''یا اہل العلم! ادوا زکوٰۃ العلم!'' (مولوی صاحبان! اپنے علم کی زکوٰۃ دیا کرو!) وہ طالب علم کہتے کہ: حضرت! علم کی زکوٰۃ کیا ہے؟ فرماتے: ایک سو حدیثوں میں سے ایک حدیث پر عمل کرلو! اب ہمارا مدرسہ شروع ہوگا، صحاح ستہ اور صرف بخاری شریف کے گیارہ بارہ سو صفحات ہیں، مسلم شریف، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دوسری کتابیں علمائے کرام دھڑا دھڑ پڑھا رہے ہیں، کچھ طلبہ سمجھ لیں گے اور کچھ نہیں سمجھیں گے، لیکن ان طلبہ سے پوچھ لیجئے کہ اس پر کس نے عمل کیا ہے؟

علم کی زکوٰۃ اس پر عمل ہے:

حضرت سہل بن عبداللہ طستریؒ فرمایا کرتے تھے: اے اہل علم! اپنے علم کی زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ لوگ عرض کرتے کہ: حضرت! علم کی زکوٰۃ کیا ہے؟ فرمایا: ایک سو میں سے ایک حدیث پر عمل کرلو! چلو ایک سو میں سے نہیں ایک ہزار میں سے ایک پر عمل کرلو۔ تو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: علما کا اہم مقصد علم کو محفوظ کرنا ہے، اور محفوظ کر کے اس پر عمل کرنا ہے، اور احمق لوگوں کا مقصد روایت کر دینا ہے، ایک بات سنی اور آگے روایت کر دینا ہے اور بس!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ
کے
صحیفوں کے مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”کَیْفَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابَہُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ یَعِظُوْنَ وَیَتَّعِظُوْنَ فِی السَّفَرِ وَالْحَضَرِ، وَکَیْفَ کَانُوْا یَصْرِفُوْنَ النَّظْرَ عَنْ ظَوَاھِرِ الدُّنْیَا وَلَذَّاتِھَا اِلٰی نَعِیْمِ الْاٰخِرَۃِ وَاٰلَائِھَا وَیَحْذُرُوْنَ اللّٰہَ تَحْذِیْرًا تَذْرُفُ بِہِ الْعُیُوْنُ وَتوجل بِہِ الْقُلُوْبُ کَأَنَّ الْاٰخِرَۃَ تَجَلَّتْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَاَحْوَالَ الْمَحْشَرِ تَبَدَّتْ بِأَعْیُنِھِمْ، وَکَیْفَ کَانُوْا یَأْخُذُوْنَ بِاَیْدِی الْاُمَّۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ بِعِظَاتِھِمْ یُوَجِّھُوْنَ وُجُوْھَھَا اِلٰی فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ وَیَقْتَلِعُوْنَ بِھَا شَرَائِیْنَ الشِّرْکِ الْجَلِیِّ وَالْخَفِیِّ۔“

ترجمہ:...... ”سفر و حضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے کو کس طرح نصیحت کرتے اور نصیحت حاصل کرتے تھے؟ وہ ظاہر دنیا

اور اس کی لذات سے منہ موڑ کر آخرت اور اس کی نعمتوں کی طرف کس طرح متوجہ ہوتے اور کرتے تھے، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے اس طرح ڈراتے تھے کہ آنکھیں بہہ پڑتیں اور دل کانپ جاتے اور گویا ایسا محسوس ہوتا کہ وہ آخرت ان کے سامنے منکشف ہوکر آگئی ہے اور اَحوالِ محشر ان کے سامنے ظاہر ہوگئے ہیں، وہ ان مواعظ کے ذریعہ امتِ محمدیہ کی دستگیری فرماتے، اور ان کو آسمان و زمین کے خالق کی طرف متوجہ کر کے شرکِ جلی و خفی کی دلوں سے جڑیں کاٹ پھینکتے تھے۔''

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نصیحت آموز کلمات اور ارشادات یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمین کے پیدا کرنے والے کی طرف متوجہ کرتے تھے اور اپنے ان مواعظ کے ذریعہ دلوں سے شرک جلی اور شرکِ خفی کی رگیں اور جڑیں اُکھاڑ دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ سفر وحضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے کو نصیحت کرتے تھے اور نصیحت پاتے تھے، اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے عذاب سے ڈراتے تھے، آخرت کی نعمتوں کو ایسا محسوس کرتے تھے گویا وہ نعمتیں ان کے سامنے ہیں اور دنیا کی لذتوں اور نعمتوں سے بے رغبتی دلاتے تھے، محشر میں جو حالات ہمارے سامنے آنے والے ہیں ان کا ایسا نقشہ کھینچتے تھے گویا وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے، اور ان مواعظ کے ذریعہ سے امتِ محمدیہ کی دستگیری فرماتے تھے اور ان کو آسمان و زمین کے خالق کی طرف متوجہ کر کے شرکِ جلی اور شرکِ خفی کی جڑیں دلوں سے اُکھاڑتے تھے۔

علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے ''تنبیہ المغترین'' میں، جو اخلاقِ سلف کے نام سے اُردو میں چھپی ہوئی ہے، اس کا ایک باب مستقل اس پر قائم کیا ہے کہ سلف

صالحین کا یہ معمول تھا کہ جب وہ ایک دوسرے کے پاس جاتے تھے تو ایک دوسرے سے نصیحت طلب کرتے تھے کہ کوئی نصیحت فرمائیں اور پھر متعدد حضرات کی نصیحتیں وہاں ذکر فرمائی ہیں۔

یہاں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ ذکر کئے ہیں، یعنی آپ کی نصیحتیں، آپ کے ناصحانہ کلمات اور ارشادات، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان مواعظ شریفہ کو اپنے دل پر لکھیں، صرف ایک کان سے سن لینا اور دوسرے سے نکال دینا نہ ہو، اور ان سے وقتی طور پر گرمیٔ محفل کا کام نہ لیا جائے، بلکہ ان سے عبرت ونصیحت حاصل کرکے ان پر عمل کی سعی وکوشش کی جائے، کیونکہ یہ وہ کلماتِ طیبات ہیں جو زبانِ نبوت سے نکلے ہوئے ہیں، یہ وہ جواہر وموتی ہیں جس کو نبوت کے سمندر نے اُچھالا ہے۔

صحفِ ابراہیم کے مضامین:

آپ کے ان نصائح میں سے چند ایک یہ ہیں کہ:

”عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! مَا کَانَتْ صُحُفُ اِبْرَاھِیْمَ؟ قَالَ: کَانَتْ اَمْثَالًا کُلُّھَا اَیُّھَا الْمَلِکُ الْمُسَلَّطُ الْمُبْتَلَی الْمَغْرُوْرِ اِنِّیْ لَمْ اَبْعَثْکَ لِتَجْمَعَ الدُّنْیَا بَعْضَھَا عَلٰی بَعْضٍ وَلٰکِنِّیْ بَعَثْتُکَ لِتَرُدَّ عَنِّیْ دَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنِّیْ لَا اَرُدُّھَا وَاِنْ کَانَتْ مِنْ کَافِرٍ، وَعَلَی الْعَاقِلِ مَا لَمْ یَکُنْ مَغْلُوْبًا عَلٰی عَقْلِہٖ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ سَاعَاتٌ فَسَاعَۃٌ یُنَاجِیْ فِیْھَا رَبَّہٗ، وَسَاعَۃٌ یُحَاسِبُ فِیْھَا نَفْسَہٗ، وَسَاعَۃٌ یَتَفَکَّرُ فِیْھَا فِیْ صُنْعِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ، وَسَاعَۃٌ یَخْلُوْ فِیْھَا لِحَاجَتِہٖ مِنَ الْمَطْعَمِ وَالْمَشْرَبِ، وَعَلَی الْعَاقِلِ

اَنْ لَّا یَکُوْنَ ظَاعِنًا اِلَّا لِثَلَاثٍ: تَزَوُّدٌ لِمَعَادٍ اَوْ مِرَمَّةٌ لِمَعَاشٍ اَوْ لَذَّةٌ فِیْ غَیْرِ مُحَرَّمٍ، وَعَلَی الْعَاقِلِ اَنْ یَّکُوْنَ بَصِیْرًا بِزَمَانِهٖ، مُقْبِلًا عَلٰی شَاْنِهٖ، حَافِظًا لِلِسَانِهٖ، وَمَنْ حَسِبَ کَلَامَهٗ مِنْ عَمَلِهٖ قَلَّ کَلَامُهٗ اِلَّا فِیْمَا یَعْنِیْهِ."

(حیاۃ الصحابۃ ج:۳ ص:۴۹۷، ۴۹۸)

یعنی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! قرآن کریم میں صحف ابراہیم و موسیٰ کا ذکر آتا ہے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفے۔

بڑی کتابوں کو کتاب کہا جاتا تھا اور چھوٹی کتاب کو جس کو رسالہ کہنا چاہئے، صحیفہ کہا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چار مشہور کتابیں نازل فرمائی ہیں: تورات، انجیل، زبور اور قرآن کریم، اور مختلف اوقات میں ایک سو کے قریب صحیفے نازل کئے ہیں، اور کچھ صحیفے حضرت آدم علیہ السلام پر، کچھ حضرت شیث علیہ السلام پر، کچھ دوسرے انبیاؑ کرام علیہم السلام پر نازل ہوئے، ان میں سے صحف ابراہیم و موسیٰ کا قرآن کریم میں ذکر آیا ہے، یعنی وہ صحیفے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئے۔

تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے کہا: یا رسول اللہ! جن صحیفوں کا ذکر قرآن کریم میں آتا ہے، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفے، تو ان صحف میں کیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: سب کے سب ضرب الامثال تھے، یعنی ایسے فقرے جن کو ضرب المثل کے طور پر ہمیشہ استعمال کیا جاتا ہے، ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ کا ذکر فرمایا ہے۔

بادشاہوں کے لئے دستورالعمل:

ایک یہ کہ اے او بادشاہ! جو لوگوں کی گردنوں پر سوار ہے اور جو اس میں مبتلا کیا گیا ہے اور جو دھوکے میں پڑا ہوا ہے، میں نے تجھ کو لوگوں پر اس لئے مقرر نہیں کیا کہ تو دنیا سمیٹتا جائے، او مغرور! میں نے تجھے اس لئے حکومت نہیں دی کہ دنیا کو جمع کر کے تہہ پر تہہ لگاتا جائے، میں نے تجھے دنیا پر اس لئے مقرر کیا ہے تاکہ تو کسی مظلوم کی بددعا مجھ تک نہ پہنچنے دے، تیری سلطنت میں اور تیرے زیر نگیں علاقوں میں ایک بھی مظلوم ایسا نہیں ہونا چاہئے جو کسی کے لئے بددعا کرے اور اس کی بددعا مجھ تک پہنچے، اس لئے کہ جب کوئی مظلوم بددعا کرتا ہے تو میں اس کی بددعا کو رڈ نہیں کرتا، چاہے وہ بددعا کافر ہی کیوں نہ کرے! اس سے بحث نہیں کہ یہ مجھے ماننے والا ہے کہ نہیں؟ جب بھی کوئی مظلوم بددعا کرتا ہے تو میں اس کی بددعا کو رڈ نہیں کرتا، تو یہ پہلی بات تھی جو صحف ابراہیم علیہ السلام میں لکھی تھی، گویا بادشاہوں کے لئے دستور العمل تھا کہ عادل اور منصف بادشاہ وہ ہے جس کی رعایا میں کوئی کسی پر ظلم نہ کرے، کوئی کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرے اور کسی مظلوم کو ظالم کے خلاف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرنے کا موقع نہ ملے۔

حضرت عمرؓ کا احساسِ ذمہ داری:

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے ناں کہ رات کو پہرہ دیا کرتے تھے، ایک بڑھیا کے گھر سے بچوں کے رونے کی آواز آرہی تھی، حضرت امیر المؤمنین نے پوچھا کہ: اماں! یہ بچے کیوں روتے ہیں؟ کہنے لگی کہ: یہ بھوکے ہیں اور یہ ہنڈیا چولہے پر رکھی ہوئی ہے، میں نے پانی میں پتھر ڈال کر چولہے پر چڑھا دیا ہے تاکہ بچوں کو اطمینان رہے کہ ہنڈیا پک رہی ہے اور ان کو اس طرح بہلا کر سلا دوں گی کہ کھانا ابھی تیار ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ فرمانے لگے: بڑی بی! تو نے

عمر کو نہیں بتایا، خلیفہ کو نہیں بتایا، امیر المؤمنین تمہارے کھانے کا بندوبست کرتا؟ کہنے لگی: میرا فرض تھا کہ اس کو بتاتی یا اس کا فرض تھا کہ وہ رعایا کا پتہ کرتا؟ یہ کیا میرا فرض تھا؟ اس عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہچانا نہیں تھا، پھر کہنے لگی کہ: کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عمر کی شکایت کروں گی کہ مدینے میں رہتے ہوئے میرے بچے بھوکے تھے اور اس نے پتہ نہیں کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ چپکے سے وہاں سے چلے آئے، بیت المال سے غلہ اور دوسری ضرورت کی چیزوں کی بوری بھری اور اپنے غلام اسلم سے کہا کہ: اس کو میری کمر پر رکھ دو! اس نے کہا کہ: حضور! میں اُٹھالیتا ہوں، غلام میں ہوں، میں اُٹھالیتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ: اگر قیامت کے دن بھی میرا بوجھ اُٹھاسکتے ہو تو اُٹھالو! لیکن اگر قیامت کے دن یہ بوجھ عمر کو ہی اُٹھانا ہے تو ابھی بھی اس کو ہی اُٹھانے دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور ہنڈیا میں وہ چیزیں ڈال کر خود پکانے لگے اور چولہے میں پھونکے لگانے لگے، وہ غلام کہتا ہے کہ میں نے امیر المؤمنین کی داڑھی میں سے دھواں نکلتے دیکھا، جب کھانا تیار ہوگیا اور وہ بچوں کو کھلایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ دروازے پر ٹھہر گئے اور فرمایا: جس طرح میں نے ان کو روتے ہوئے دیکھا، چاہتا ہوں کہ ان کو ہنستے ہوئے بھی دیکھوں اور اس خاتون سے فرمایا کہ: تم کل آنا میں تمہارا مستقل بندوبست کردوں گا، لیکن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت نہ لگانا!

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فقرہ بہت مشہور ہے کہ: ”فرات کے پل پر اگر کوئی سوراخ ہوجائے اور اس میں کسی گزرنے والی بکری کا پاؤں پھنس جائے اور اس کو نقصان پہنچ جائے تو مجھے اندیشہ ہے کہ عمر سے قیامت کے دن اس کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔

جو حکومت عوام کو انصاف نہ دلائے...:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے تجھے لوگوں پر اس لئے مسلط نہیں کیا کہ تو دنیا کو سمیٹتا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر ٹیکس لگا لگا کر ان کی زندگی اجیرن کردے، میں نے تجھے لوگوں پر اس لئے مسلط کیا اور مقرر کیا ہے تاکہ کسی مظلوم کی بددعا مجھ تک نہ آنے دے، جس رعایا میں مظلوم بددعائیں کرتے ہوں، وہاں حاکم کے ہونے کا کیا فائدہ ہے؟ انصاف کا کیا فائدہ ہے؟ ''بھاڑ میں جائے سونا جس سے ٹوٹے کان!'' جو حکومت مظلوم عوام کو انصاف نہیں دلاسکتی، اور جو عدالت پسے ہوئے لوگوں کو انصاف نہیں دلاسکتی، ایسی حکومت اور ایسی عدالت کا کوئی فائدہ نہیں، ایسی عدالت لغو ہے، لایعنی ہے۔

عقل مند آدمی کے ہر کام کے لئے اوقات مقرر ہونے چاہئیں:

دوسرا فقرہ یہ تھا کہ ایک عقل مند آدمی جو مغلوب العقل نہ ہو، پاگل، بیہوش، مدہوش، دیوانہ نہ ہو، اس کے اوقات تقسیم ہونے چاہئیں، اس کے اوقات مقرر ہوں۔

عبادت، مناجات اور محاسبۂ نفس کے لئے بھی وقت مقرر ہو:

ایک وقت ہو جس میں وہ اپنے رب سے مناجات کرے، عبادت میں، ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو۔

اور ایک وقت اس بات کے لئے مقرر ہونا چاہئے جس میں اپنے نفس سے محاسبہ کرے کہ یہ نفس شترِ بے مہار تو نہیں چل رہا؟ ٹھیک ٹھیک چل رہا ہے کہ نہیں؟

مظاہرِ قدرت میں غور کا بھی وقت ہونا چاہئے:

اور ایک وقت ایسا ہونا چاہئے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مشاہدوں کا تماشا کرے، کسی کو نوازتے ہیں تو کیسا نوازتے ہیں، کسی کو پکڑتے ہیں تو کیسا

پکڑتے ہیں، آسمانوں کو کیسی بلندی عطا فرمائی، اور زمین کا بچھونا کیسا بچھایا، درختوں کو کیسے پیدا کیا، پانی کو اللہ تعالیٰ نے کیسی چیز بنایا اور پانی کا نظام اللہ تعالیٰ نے کیسا جاری فرمایا، وغیرہ، وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کے جو معاملات اپنے بندوں کے ساتھ ہیں، ان پر غور کرتا رہے اور نہیں تو اپنے ساتھ جو معاملات ہیں ان پر غور کرے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ”وفی انفسکم افلا تبصرون“ تمہاری ذات میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے دلائل موجود ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تمہیں نظر نہیں آتا، دیکھتے نہیں؟

بشری حاجتوں کے لئے بھی وقت مقرر ہو:

اور ایک وقت ایسا ہونا چاہئے کہ جس میں وہ اپنی بشری حاجتیں پوری کرے، کھانے کی، پینے کی، پہننے کی اور دوسری حوائج زندگی میں مشغول ہو۔

سفر تین مقاصد کے لئے ہو:

تیسرا فقرہ یہ تھا کہ عاقل پر لازم ہے کہ وہ جب سفر کرے تو اس کے تین مقاصد میں سے کوئی ایک مقصد ہونا چاہئے۔ سفر کو اپنی آخرت کے لئے توشہ بنانا مقصود ہے، سفرِ آخرت ہے جیسے حج کا سفر ہے، عمرہ کا سفر ہے، اللہ تعالیٰ کے کسی مقبول بندے کی خدمت میں جانے کے لئے سفر ہے، والدین کی زیارت کے لئے سفر ہے، علم کے لئے سفر ہے، دعوت الی اللہ کے راستے میں نکلنے کے لئے سفر ہے، جہاد فی سبیل اللہ کا سفر ہے، وہ سفر جو اس کے لئے توشۂ آخرت بنے اور یا اپنی معیشت کو درست کرنے کے لئے سفر ہونا چاہئے، یا کسی ایسی چیز کی لذت جو حرام اور ناجائز نہ ہو اس کے لئے سفر ہونا چاہئے۔

عاقل زمانہ کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے:

ایک فقرہ یہ تھا کہ عاقل کے ذمے لازم ہے کہ وہ اپنے زمانے کو عبرت کی نظر سے دیکھنے والا ہو، اپنے گرد و پیش کے حالات سے آنکھیں بند نہ کرے اور اپنی

حالت کی طرف متوجہ رہے، جیسے کہا جاتا ہے: ’’تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو!‘‘ اپنی طرف متوجہ رہے، اپنے کام میں لگا رہے کہ اس کے دین کو کوئی نقصان نہ پہنچے، اپنے عیوب کی اصلاح کرے، اپنی طاعتوں کو درست کرے اور حافظ اللسان یعنی اپنی زبان کا محافظ ہو، اس کی زبان قینچی کی طرح کاٹتی نہ چلی جائے، بلکہ بات جو بھی کرے، سوچ سمجھ کر کرے اور جو شخص اپنے کلام کو بھی اپنے عمل کے ساتھ سمجھتا ہے یعنی جو انسان اعمال کرتا ہے ان اعمال میں یہ باتیں کرنا بھی شامل ہے، ہمارا کلام کرنا بھی ہمارے اعمال میں شامل ہے، جو آدمی یہ سوچ لے گا وہ بہت کم باتیں کرے گا، سوائے ان چیزوں کے جو ان کے مقصود کی ہیں، ضرورت کی ہیں، وہ لایعنی باتوں میں مشغول نہیں ہوگا، جو شخص اپنے کلام کو بھی اپنا عمل سمجھتا ہے وہ لایعنی باتوں میں مشغول نہیں ہوگا، یہ پانچ فقرے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں تھے۔

صحفِ موسیٰ میں عبرتیں تھیں:

’’فَمَا كَانَتْ صُحُفُ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ؟ قَالَ: كَانَتْ عِبَرًا كُلُّهَا عَجِبْتُ لِمَنْ اَيْقَنَ بِالْمَوْتِ ثُمَّ هُوَ يَفْرَحُ، عَجِبْتُ لِمَنْ اَيْقَنَ بِالنَّارِ ثُمَّ هُوَ يَضْحَكُ، عَجِبْتُ لِمَنْ اَيْقَنَ بِالْقَدْرِ ثُمَّ هُوَ يَنْصِبُ، عَجِبْتُ لِمَنْ رَأَى الدُّنْيَا وَتُقَلِّبُهَا بِاَهْلِهَا ثُمَّ اطْمَأَنَّ اِلَيْهَا، عَجِبْتُ لِمَنْ اَيْقَنَ بِالْحِسَابِ غَدًا ثُمَّ لَا يَعْمَلُ.‘‘ (حیاۃ الصحابۃ ج:۳ ص:۴۹۸)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں نے کہا: یا رسول اللہ! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ساری کی ساری عبرت کی باتیں تھیں۔

صحفِ موسیٰ کے مضامین:

چنانچہ پانچ فقرے اس کے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمادیئے۔

مجھے تعجب ہے اس پر جس کو موت کا یقین ہو اور پھر بھی مسکراتا ہے؟

مجھے تعجب ہوتا ہے اس شخص پر جس کو موت کا یقین بھی ہے اور پھر وہ خوش بھی ہو رہا ہے، واقعی تعجب کی بات ہے:

دفن خود صدہا کئے زیرِ زمیں
پھر بھی مرنے کا نہیں تجھ کو یقیں!

خواجہ صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا کہ سینکڑوں آدمی اپنے ہاتھ سے دفن کئے ہیں، پھر بھی مرنے کا نہیں تجھ کو یقین، ایک گھر میں ایک موت واقع ہوجاتی ہے تو کیسا رنگ ہوتا ہے، آپ کے گھر میں خدانخواستہ ایسا حادثہ ہوجائے تو آپ رقص وسرود کی محفلیں سجائیں گے؟ ٹی وی پر ڈرامے دیکھیں گے؟ یہ تو تمہارے گھر پر موت ہونے پر تجھ کو ساری خوشیاں بھول جاتی ہیں، اور جس دن تمہیں موت آئے گی اس دن کیا حال ہوگا؟ اگر ہمیں اپنی موت کا یقین ہو اور موت پیش نظر رہے تو پھر یہ خوشی بے کار ہوجائے گی، یہ خوشی جاتی رہے گی، دنیا کی کسی چیز سے ہمیں خوشی نہ ہوگی۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحف کا پہلا فقرہ یہ ہے کہ مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو موت کا یقین بھی ہے اور پھر مسکراتا بھی ہے، کھل کھلا کر ہنستا ہے۔

تعجب ہے کہ دوزخ کا یقین ہو اور پھر بھی ہنسے:

اور دوسرا فقرہ ہے: مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو دوزخ کا یقین ہے پھر

اس کو ہنسی بھی آتی ہے۔

کوئی سانپ یا کوئی اژدہا منہ کھولے کھڑا ہو، ہڑپ کرنا چاہتا ہو، اس آدمی بیچارے کے پاس بچنے اور بھاگنے کی کوئی شکل نظر نہ آتی ہو، اس وقت کیا یہ اکیلا لڑے گا یا وہ اژدہا اور سانپ خود چھوڑ جائیں گے؟ جہنم منہ کھولے کھڑی ہے اور وہ قیامت کے دن کو آواز دے گی، گویا یوں کہو کہ اب اس کی آواز کان میں آتی ہے: "ھل من مزید؟" (کوئی ہے جو مجھے دیا جائے؟) جہنم اپنی شعلہ سامانیوں اور اپنے تمام عذابوں اور تمام دکھوں اور ماروں کے ساتھ اس وقت موجود ہے، اور وہ اپنے بیٹوں کی منتظر ہے، تو تعجب ہے اس شخص پر جس کو دوزخ کا یقین ہے اس کے باوجود وہ ہنستا بھی ہے۔

تعجب ہے کہ تقدیر کے یقین کے باوجود پریشان ہوتا ہے:

اور اس کا تیسرا فقرہ: مجھے تعجب ہے اس شخص پر جس کو تقدیر الٰہی کا یقین ہے اور پھر وہ پریشان ہوتا ہے، تھکتا ہے۔

تم جہاں چاہو، جو چاہو کرلو، جہاں چاہو چلے جاؤ، آسمان کے تارے توڑ لاؤ یا زمین کے خزانے کھود ڈالو، لیکن تمہیں ملے گا اتنا ہی جتنا تمہارے لئے لکھ دیا ہے، اتنا ہی ملے گا، ایک دانہ بھی نہ کم کر سکتے ہو، نہ زیادہ، جس شخص کو تقدیر پر ایمان نہ ہو وہ تو اپنے آپ کو مشقت میں ڈالے کہ میرے کرنے سے ہوگا، لیکن جس شخص کو ایمان بالقدر ہو، تقدیر پر ایمان ہو، وہ پریشان نہیں ہوگا، سب کام حکمِ الٰہی سمجھ کر کرے گا۔

تقدیر، گاڑی کی مانند ہے:

بزرگ فرماتے ہیں کہ ہماری مثال اور تقدیر کی مثال ایسی ہے جیسے گارڈ ریل کے ڈرائیور کو ہری جھنڈی دکھاتا ہے اور ریل چل پڑتی ہے، سرخ جھنڈی دکھاتا ہے تو ریل رک جاتی ہے، اب میرے جیسے ناواقف آدمی کو ایسا لگے گا کہ یہ جھنڈی بڑی

کرامت والی ہے، گارڈ کی جھنڈی کو باوجود اس کے کہ ریل کی آنکھیں نہیں ہیں، اس کو دیکھ لیتی ہے اور عجیب وغریب اس میں طاقت ہے کہ جھنڈی ہلاتے ہی گاڑی چل پڑتی ہے، سبز جھنڈی دیکھ کر گاڑی چل پڑتی ہے اور سرخ جھنڈی دیکھ کر گاڑی رُک جاتی ہے، ہمارے جیسے بچے تو یہی سمجھیں گے، لیکن جو حقیقت شناس ہوگا وہ یہ سمجھے گا کہ گاڑی کو چلانا یا اس کو روکنا یہ جھنڈی کا کرشمہ نہیں، بلکہ ڈرائیور اور گارڈ کے درمیان ایک اصطلاح مقرر ہے کہ جب ہری جھنڈی دی جائے گی تو ڈرائیور گاڑی چلادے گا اور سرخ جھنڈی دی جائے گی تو ڈرائیور گاڑی روک دے گا۔

انسان کی دعائیں اور التجائیں سبز جھنڈی کی مانند ہیں:

اکابرؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے کسب، ہماری محنت، ہماری کمائی اور ہماری دعائیں، ہماری التجائیں یہ سبز جھنڈی ہے، اس سے کچھ نہیں ہوتا، گاڑی نہیں چلتی، گاڑی چلانا تو اس ڈرائیور کا کام ہے، ہاں ایک اصطلاح مقرر کرلی کہ تم ایسے کروگے تو ہم ایسا کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ روح الامین نے میرے دل میں یہ بات القا فرمائی ہے کہ: "اِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰی تَسْتَکْمِلَ رِزْقَھَا۔" (مشکوٰۃ ص:۴۵۴) یعنی کوئی نفس مرے گا نہیں جب تک کہ اپنی روزی کو پورا نہیں کرلیتا، جتنی لکھوا کے لائے ہو ایک ایک تل کے برابر روزی تمہیں پوری دی جائے گی، ممکن نہیں کہ تم اس سے پہلے مرجاؤ، ہرگز نہیں مرے گا کوئی شخص جب تک کہ اپنی مقررہ روزی کو پورا نہیں کرلیتا، سوتم رزق کے تلاش کرنے میں ذرا خوب صورتی سے کام لو، غلط کام نہ کرو۔

ہماری معاش اور معاد کا انتظام:

ایک صاحب میرے پاس آئے، کہنے لگے کہ: ایک صاحب ہیں (ایسے ہی اس کے منہ سے نکل گیا)، جو یہ کہتے ہیں ابھی مغرب کی نماز پڑھ کے ہی آئے تھے کہ

عشا کا وقت ہوگیا، اذان ہوگئی، کہنے لگے کہ بس نمازیں ہی نمازیں رہ گئی ہیں، تو وہ شخص کہنے لگے کہ اس طرح کہنے سے کافر تو نہیں ہوا؟ میں نے اس کو یوں سمجھایا کہ بزرگ یوں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دن کے دو حصے کئے ہیں، ایک حصہ دوپہر سے پہلے پہلے کا ہے، یہ تمہاری معاش کے لئے رکھ دیا، اور ایک حصہ دوپہر کے بعد کا ہے یہ تمہاری معاد کے لئے رکھ دیا، عبادت کے لئے، اپنی آخرت کی تیاری کے لئے، دن ڈھل رہا ہے ناں! تو ہماری زندگی کا دن بھی ڈھل رہا ہے، تیاری کرلو، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فجر کی نماز کے بعد دوپہر تک کوئی عبادت مقرر نہیں فرمائی اور دوپہر کے بعد سے لے کر سونے تک چار نمازیں مقرر کردیں، حق تو یہ تھا کہ دوپہر سے لے کر سونے تک مسجد ہی میں رہتے، جیسا کہ فجر کے بعد سے لے کر دوپہر تک دکان پر تھے دنیا کمانے کے لئے، اب دوپہر کے بعد سونے تک مسجد میں رہو، اس دکان میں رہو، یہ آخرت کمانے کی دکان ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے ضعف کی رعایت کرتے ہوئے ہمیں اس وقت کی اجازت دے دی کہ یہ وقت بھی اپنی ضروریات کے لئے استعمال کرسکتے ہو، تو تمہیں نظر تو یہ آتا ہے کہ پے در پے پانچ نمازیں آگئیں، ٹکنے نہیں دیتے، تمہیں اس پر شکر کرنا چاہئے کہ تمہیں گھر جانے دیتے ہیں، ٹھیک بات ہے ناں! اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ ہماری آخرت بھی بنا رہے ہیں اور گھر جانے کی اجازت بھی دے رہے ہیں، کام کرنے کی اجازت بھی دے رہے ہیں۔

چوبیس گھنٹے نماز میں رہنے کا عجیب لطیفہ:

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب نور اللہ مرقدہٗ عجیب لطیفہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: مسلمان چوبیس گھنٹے نماز ہی میں رہتا ہے! اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"..... لَا یَزَالُ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلٰوۃٍ مَا دَامَتِ

الصَّلٰوةُ تَحْبِسُهُ لَا يَمْنَعُهُ اَنْ يَّنْقَلِبَ اِلٰى اَهْلِهٖ اِلَّا الصَّلٰوةُ.“

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۹۰)

یعنی بندہ نماز میں رہتا ہے جب تک کہ وہ نماز کا انتظار کرتا رہے، تو مسجد میں ظہر کی نماز یا جمعہ کی نماز کے لئے آکر بیٹھ گئے، گھنٹہ پہلے سے آئے ہوئے ہیں، یہ پورا وقت تمہارا نماز میں لکھا گیا، اس لئے کہ تم نماز کے انتظار میں بیٹھے ہو۔ حضرت فرماتے تھے کہ: مسلمان جب ظہر کی نماز پڑھ کر جاتا ہے تو اس انتظار میں لگ جاتا ہے کہ مجھے عصر کی نماز میں آنا ہے، عصر پڑھ کر جاتا ہے تو اس انتظار میں لگ جاتا ہے کہ میں نے مغرب کے لئے آنا ہے، مغرب کے بعد عشا کے انتظار میں اور عشا کے بعد سوجاتا ہے، لیکن اس انتظار میں کہ مجھے فجر میں اُٹھنا ہے اور فجر کے بعد اپنے کام کاج کے لئے چلا جاتا ہے، لیکن اس انتظار میں کہ مجھے ظہر کے لئے جانا ہے۔ فرماتے تھے کہ: مسلمان چوبیس گھنٹے نماز میں رہتا ہے۔ حضرتؒ نے بالکل ٹھیک فرمایا ہے، اگر نماز کا اہتمام اور نماز کی فکر ہمیں لگ جائے، ہم ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے منتظر رہا کریں تو اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی سے تمہارا پورا وقت نماز ہی میں صرف کیا جائے گا اور لکھا جائے گا، تو یہ مزید عنایت ہوگی کہ ہمیں گھر جانے کی بھی اجازت دے دی اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ تمہارے لئے نماز کی حاضری لگادیں گے، ہم یوں سمجھیں گے کہ ظہر سے لے کر سونے تک تم نماز ہی میں رہے، تم یہ تو کہتے ہو کہ نماز جلدی جلدی آرہی ہے، یعنی اس پر تم تعجب کرتے ہو، لیکن اس عنایت پر تم تعجب نہیں کرتے کہ تمہارا سارا وقت نماز میں لکھا جارہا ہے۔ تو رزق تلاش کرنے کے لئے بھی اپنا وقت مقرر کرو، بھائی! صبح سے لے کر سونے تک اگر رزق ہی رزق کے پیچھے لگے رہو گے تو آخرت کب بناؤ گے؟ اپنے اوقات تقسیم کرو۔

رزق تمہاری تلاش میں ہے:

رزق تو تمہیں ملے گا ہی ملے گا، کیونکہ رزق تمہاری تلاش میں ہے، وہ

تمہارے پیچھے آ رہا ہے، تمہیں اس کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا:

”اِنَّ الرِّزْقَ لَیَطْلُبُ الْعَبْدَ کَمَا یَطْلُبُہٗ اَجَلُہٗ!“

(مشکوٰۃ ص:۴۵۴)

ترجمہ:......”رزق بندے کو ایسے تلاش کرتا ہے جیسے اس کی موت اس کو تلاش کرتی ہے!“

تم کسی جگہ بھی چھپ جاؤ، موت ضرور پہنچے گی، قرآن کریم میں ہے:

”اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ.“ (النسآ:۷۸)

تم مضبوط قلعوں میں پناہ لے لو، شیشے کا مکان لے کر اس میں بند ہو جاؤ، موت وہاں بھی پہنچ جائے گی، جہاں ہوا کا گزر نہیں، وہاں بھی موت پہنچ جاتی ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہاں جہاں موت پہنچ سکتی ہے رزق بھی وہاں پہنچے گا۔

اللہ اپنے بندے کو نہیں بھولتے:

مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا تھا کہ: یا اللہ! آپ مجھے یاد بھی فرماتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: موسیٰ! اس چٹان پر عصا مارو۔ عصا مارا تو اس چٹان کے اندر سے ایک کیڑا نکلا، کیڑے کے منہ میں سبز پتا تھا، فرمایا: موسیٰ! جب چٹان میں رہنے والے کیڑے کو نہیں بھولا تو تجھے کیسے بھولوں گا؟ اللہ تعالیٰ تو کسی بندے کو نہیں بھولتے، تمہارا رزق پہنچائیں گے، کیوں پریشان ہوتے ہو؟

تو صحف موسیٰ علیہ السلام کا ایک فقرہ یہ تھا کہ: مجھے تعجب ہوتا ہے اس شخص پر جس کو تقدیر پر ایمان ہے، یقین ہے، اس کے باوجود خواہ مخواہ مشقت میں پڑتا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

خیر القرون میں مسجد کی تعمیر و آبادی کا ذوق!

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

عدی بن حاتمؓ اور نماز کا اہتمام:

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں اور جیسا کہ معلوم ہے کہ حاتم طائی عرب کے مشہور سخی تھے، ان کے صاحبزادے ہیں، یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ: جب بھی نماز کا وقت آیا میں نے اس کی تیاری اس کے وقت سے پہلے کرلی تھی اور جب بھی نماز کا وقت آتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں اس کا پہلے سے مشتاق تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہی حال تھا!

سعید بن مسیّبؒ کا مسجد سے تعلق:

حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں آتا ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اذان ہوئی ہو اور وہ مسجد میں موجود نہ ہوں، یعنی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کی غیر حاضری میں اذان ہوگئی ہو، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر فتنہ اتنا سخت تھا کہ تین دن تک مسجدِ نبوی بند رہی، مسجدِ نبوی میں کوئی نماز پڑھنے کے لئے نہیں آتا تھا، ایک حضرت سعید بن مسیّبؒ جو ہمیشہ مسجد میں ہی ہوتے تھے، تین

دن تک مسجد میں ہی بیٹھے رہے، نہ کسی جگہ آئے اور نہ کسی جگہ گئے، نہ وضو، نہ طہارت، ان کو ان چیزوں کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی، وہ لوگ جو فسادی تھے وہ مسجد میں آتے ان کو بیٹھے ہوئے دیکھ کر کہنے لگتے: تم کون ہو؟ اور یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟ انہوں نے، جیسے پاگل ہوتا ہے، ہاں ہوں کر کے بات ٹال دی، یعنی کسی کو پتہ بھی نہیں چلا کہ ان کو کچھ آتا بھی ہے، وہ سمجھتے تھے کہ بیچارہ کوئی گونگا ہے، حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: میں اکیلا مسجد میں ہوتا تھا، اب مسجد میں اذان کا اور وقت کا کیسے پتہ چلے۔ سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں جب نماز کا وقت ہوتا تھا: ”وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلٰوةِ اِلَّا بِهَمْهَمَةٍ يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ (مشکوٰۃ ص:۵۴۵) یعنی جب نماز کا وقت آتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار شریف سے جماعت ہونے کی آواز آتی تھی، اور وہ اس کے مطابق نماز پڑھتے تھے، کتنے پاکباز لوگ تھے اور کیسا ان کا سینہ پاک تھا؟

مسجدِ نبوی کی تعمیر میں حضورؐ کا حصہ لینا:

ایک روایت میں ہے:

”عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ: اَنَّهُمْ كَانُوْا يَحْمِلُوْنَ اللَّبِنَ اِلٰى بِنَاءِ الْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُمْ، قَالَ: فَاسْتَقْبَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَارِضٌ لَبِنَةً عَلٰى بَطْنِهٖ فَظَنَنْتُ اَنَّهَا شُقَّتْ عَلَيْهِ، فَقُلْتُ: نَاوِلْنِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: خُذْ غَيْرَهَا يَا اَبَا هُرَيْرَةَ! فَاِنَّهٗ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ!“

(مجمع الزوائد ج:۲ ص:۹)

ترجمہ:...... ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

نقل کی ہے کہ لوگ مسجد کی تعمیر کے لئے اینٹیں ڈھو رہے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اپنے پیٹ پر اینٹیں اُٹھائی ہوئی تھیں جیسے بوجھ اُٹھایا جاتا ہے، تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے دے دیجئے، میں لے جاتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: ابوہریرہ! اور لے لو، زندگی تو آخرت کی زندگی ہے، مجھے بھی ثواب چاہئے!''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر چھوٹے بڑے تمام صحابہؓ اس میں لگے ہوئے تھے، اور انہوں نے مسجد تعمیر فرمائی، اور ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے کپڑے خراب ہوجاتے ہیں، ہم چار پیسے دے کر مزدور تو رکھ لیں گے، لیکن ایسا نہیں ہوسکتا کہ اپنے ہاتھ سے کوئی کام کریں اور اپنے ہاتھ سے مسجد کی تعمیر کریں۔

مسجدِ نبوی کی زمین کی خریداری:

یہاں پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو دفعہ تعمیر ہوئی ہے، ایک دفعہ تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مہمان ٹھہرے، سب سے پہلا کام آپؐ نے یہ کیا کہ آپؐ نے فرمایا: بھائی! مسجد بناؤ۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے جو مسجد ہے، اس وقت یہ جگہ یتیموں کی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا حال یہ تھا کہ وہ کھنڈرات تھے، کچھ پرانی قبریں تھیں اور کچھ کھجور کے درخت تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اس جگہ کا میرے ساتھ سودا کرو! صحابہؓ کہنے لگے کہ: یا رسول اللہ! ہم خود ہی خرید کر وقف کردیتے ہیں، جتنا حصہ یتیموں کا ہے، جتنی قیمت اس کی بنتی ہے وہ ان کو دے دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! مجھے یہ جگہ

اپنی خریدنی ہے۔

اپنی زمین اور اپنے پیسوں سے مسجد کی تعمیر:

''اپنی خریدنی ہے'' پر مجھے ایک بات یاد آگئی۔ ہمارے ختم نبوت کے مولانا محمد شریف بہاول پوریؒ تھے، یہ بنوری ٹاؤن کے مولانا مفتی ابوبکر سعید الرحمٰن ان کے صاحبزادے ہیں، بہاول پور کے متصل ان کی زمین تھی، ایک دن اپنے لڑکوں کو بٹھا کر کہنے لگے کہ: مولوی جی! لوگوں سے چندہ کرکے تو لوگ مسجدیں بہت بناتے ہیں، لیکن کبھی اپنی جگہ میں، اپنے پیسے سے لوگ مسجد نہیں بناتے، اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی زمین کو وقف کروں اور خود ہی اپنے پیسوں سے بغیر کسی چندے کے مسجد بناؤں، اور اس کے کونے پر مسجد سے باہر میں اپنی قبر کی جگہ رکھوں۔ چنانچہ انہوں نے خود ہی مسجد کا نقشہ بنایا، کسی سے کوئی پیسہ نہیں لیا اور وہ مسجد تعمیر کی اور اردگرد اپنے لڑکے لڑکیوں کے مکان تعمیر کئے اور اپنی قبر کی جگہ ایک کونے پر رکھی، الحمدللہ! وہیں فوت ہوئے اور وہیں ان کو دفن کیا گیا، وہ مسجد میں خود دیکھ کر آیا ہوں، جتنے لڑکے ہیں، سب کا الگ الگ اپنا مکان ہے، اس وقت تو وہ جگہ اجاڑ تھی اب شہر کے اندر آگئی ہے۔

مسجدِ نبوی کا سنگِ بنیاد اور خلافت کی ترتیب:

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ نہیں! بلکہ اس کو خریدوں گا۔ فرمایا بہت اچھا اور اس کی قیمت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ادا کی، دو قول ہیں، انصار سے پیسے نہیں لئے، یہ تو پہلی دفعہ کی تعمیر تھی اور اس موقع پر سب سے پہلی اینٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی، دوسری اینٹ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے، تیسری حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور چوتھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے، یہ خلافت کی طرف بھی اشارہ ہوگیا۔

حضرت عمارؓ اور مسجدِ نبوی کی تعمیر:

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ پتھر ڈھو رہے تھے، ان کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوتے تھے، تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! ایک پتھر آپ کا اور ایک پتھر میرا، دو پتھر اُٹھا کر لاؤں گا، آپ پتھر نہ اُٹھائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

> "وَیْحَ عَمَّارٌ! تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِیَةُ، یَدْعُوْهُمْ اِلَی الْجَنَّةِ وَیَدْعُوْنَهٗ اِلَی النَّارِ!" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۶۴)
>
> ترجمہ:...... "افسوس اے عمار! تجھے باغی جماعت قتل کرے گی، وہ ان کو جنت کی طرف دعوت دے گا اور وہ ان کو دوزخ کی طرف دعوت دیں گے۔"

یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانے میں شہید ہوئے تھے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں اور "فئة الباغیة" حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قرار پائے، کیونکہ خلیفہ برحق حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ پہلی دفعہ تو یہ تعمیر ہوئی۔

مسجدِ نبوی کی تعمیرِ ثانی:

اور دوسری دفعہ تعمیر ہوئی ہے ۹ھ میں غالباً اس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے، جیسا کہ روایات میں آتا ہے:

> "عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَنَیْتُ الْمَسْجِدَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَکَانَ یَقُوْلُ: قَرِّبِ الْیَمَامِیَ اِلَی الطِّیْنِ فَاِنَّهٗ اَحْسَنُکُمْ لَهٗ مَسًّا وَاَشَدُّکُمْ مَنْکِبًا." (مجمع الزوائد ج:۲ ص:۹)
>
> ترجمہ:...... "حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجدِ نبوی کی تعمیر میں حصہ لیا، آپؐ میرے بارہ میں فرماتے تھے: یمامی کو مٹی کے قریب کرو، یہ تم سے اچھی مٹی بناتے ہیں۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ: گارا اچھا بناتے ہیں، تم لوگوں کو گارا بنانا نہیں آتا۔''

مسجدِ نبوی کی تعمیر کا نقشہ:

فرق اتنا تھا کہ اس دفعہ مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ توسیع کردی تھی، لیکن مسجد وہی ویسی کی ویسی رہی، کھجوروں کے درخت کے ستون کھڑے کیئے ہوئے تھے اور اوپر سے کاٹ کاٹ کے ان کو شہتیر بنادیا یا پتے وغیرہ ڈال دیئے، مٹی کے ساتھ لپائی نہیں کی تھی۔

انصار کی پیشکش:

ایک دفعہ انصار نے کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ کو بھی تکلیف ہوتی ہے، ہم کو بھی تکلیف ہوتی ہے، ہم نے پیسے جمع کیئے ہوئے ہیں اگر آپؐ اجازت عطا فرمائیں تو ہم اچھی مسجد بنادیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام کی مسجد جیسی تھی ویسی بنانی ہے، وہ ایک چھپر تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے ہاتھ اٹھاتے تھے تو ہاتھ ان کا چھت کو لگتا تھا، یہ وہی مسجد ہے جو آج کل مسجدِ نبوی بنی ہوئی ہے اور دنیا کی بہترین مساجد میں سے، بلکہ بہترین تعمیرات میں سے ہے، شاید اس سے بہتر کوئی تعمیر نہیں ہوگی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کی حیثیت یہی رہی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تعمیر نہیں ہوئی، آپ نے وہی رکھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں تعمیر ہوئی لیکن ذرا تھوڑی سی آگے پیچھے کردی، یعنی اس کی توسیع کردی لیکن مسجد ویسی ہی رہی۔

حضرت عثمانؓ کا مسجدِ نبوی کے بارہ میں ذوق:

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں آپ نے اس مسجد کو شہید کر کے نئے سرے سے پکی مسجد بنوائی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جو سب سے پہلا اعتراض کیا، وہ یہی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اچھی نہیں لگتی تھی، یہ نئی مسجد بناتے ہیں! حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور اس خطبے میں فرمایا کہ: لوگو! تم اپنے مکان تو بہت اچھے بناتے ہو، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد ایسی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بھی تو ایسے ہی تھے، ایک قطرہ پانی کا بارش ہوجائے تو باہر نہیں جاسکتا تھا، اندر ہی رہتا تھا، اب تمہیں اچھا لگتا ہے کہ تمہارے مکان تو بہت اچھے بنے ہوئے ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ کا گھر ایسے ہی رہے، ایک یہ بات فرمائی۔

مسجدِ نبوی کی توسیع بیت المال سے نہیں ہوئی:

دوسری بات یہ فرمائی کہ میں نہ تو بیت المال کا پیسہ لگاتا ہوں اور نہ مسلمانوں سے اس کا چندہ کرتا ہوں، میں اپنی جیب سے خرچ کرتا ہوں، جو کچھ بھی خرچ کرتا ہوں، تمہیں اس پر کیا اعتراض ہے؟ سارے چپ ہوگئے! حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام علاقوں کو لکھا کہ تمہارے علاقے میں سب سے بہترین جو لکڑی ہو وہ بھیجو! اور بہترین نقش و نگار والی اینٹیں بھیجو! چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شاندار مسجد بن گئی، اور اس کے بعد پھر اس کی اور تعمیر ہوتی رہی، ترکوں نے بھی تعمیر کی اور سعودیوں نے بھی بعد میں تعمیر کی۔

نماز کا اہتمام

فوائد و ثمرات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

”عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمَا قَالَ: مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَأْتِیْ زِیَارَةً مِنَ الْاَرْضِ اَوْ مَسْجِدًا بُنِیَ بِاَحْجَارِہٖ فَصَلّٰی فِیْہِ اِلَّا قَالَتِ الْاَرْضُ: صَلَّی اللّٰہُ فِیْ اَرْضِہٖ وَاَشْهَدُ لَکَ یَوْمَ تَلْقَاہُ.“ (کنز العمال ج:۸ حدیث:۲۱۶۳۸)

ترجمہ:...... ”حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان کسی زمین کی زیارت کے لئے جاتا ہے یا کسی مسجد میں جو کہ پتھروں کے ساتھ بنائی گئی ہو، اس میں نماز پڑھتا ہے، تو زمین اسے کہتی ہے کہ: اللہ تعالیٰ تیری اپنی زمین پر رحمت فرمائے اور میں تیرے لئے گواہی دوں گی جس دن کہ تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا۔“

”عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ قَالَ: مَا دُمْتَ فِیْ صَلَاۃٍ فَاَنْتَ تَقْرَعُ بَابَ الْمَلِکِ، وَمَنْ یَّقْرَعُ بَابَ الْمَلِکِ یُفْتَحُ لَهٗ.“ (حلیۃ الاولیاء ج:۱ ص:۱۳۰)

ترجمہ:......''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے
ہیں کہ: جب تک تم نماز میں ہو، تم بادشاہ کے دروازے کو
کھٹکھٹاتے ہو، اور جو شخص بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹائے، اس
کے لئے دروازہ کھل جاتا ہے۔''

زمین کی نمازی کے لئے گواہی:

پہلی روایت میں فرمایا کہ: کوئی آدمی کسی مکان کی زیارت کے لئے جائے، اپنے عزیز واقارب کو ملنے کے لئے جائے اور وہاں کی مسجد میں نماز پڑھے تو مسجد کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے گھر میں رحمت نازل فرمائے اور میں تیرے لئے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شہادت دوں گی۔

یہ بات تو پہلے بھی معلوم ہوچکی ہے کہ کسی جگہ میں کوئی اچھا کام کرتے ہو یا کوئی برا کام کرتے ہو، قیامت کے دن زمین کے وہ ٹکڑے تمہارے حق میں شہادت دیں گے کہ اس نے میری پشت پر نیک کام کیا تھا، یا برا کام کیا تھا؟ اس لئے بعض بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے اپنی جگہ بدل لیتے ہیں، تاکہ زمین کا وہ ٹکڑا بھی گواہی دے اور دوسرا ٹکڑا بھی گواہی دے۔

تبلیغ والوں کے لئے مسجدیں اور زمین کی گواہی:

بڑے ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے لئے مشرق ومغرب کی زمین کے ٹکڑے اچھی گواہی دیں گے، جو لوگ تبلیغ میں چلے جاتے ہیں، بیچارے سال لگاتے ہیں، وہاں دھکے کھاتے ہیں، اپنے گھر بار کو چھوڑتے ہیں، زمین پر لیٹتے ہیں، بعض اوقات رہنے کے لئے ان کو مسجدیں مل جاتی ہیں، اور بعض اوقات مسجدیں بھی نہیں ملتیں۔

تبلیغی محنت کے اثرات:

میرے ایک دوست مجھ سے ملنے کے لئے آئے، وہ آگے کسی اور جماعت

میں جارہے تھے، یہاں مسجد میں ان کو آنا ہی تھا، وہ میری گاڑی میں بیٹھ گئے، کہنے لگے کہ: ہمارا پہلا دورہ افریقہ میں ہوا تھا، وہاں نہ کوئی مسجد تھی اور نہ کوئی اور چیز، ایک درخت کے نیچے ہم بیٹھ گئے اور بیٹھ کر فضائل اعمال کی تعلیم کرنے لگے، کتاب پڑھنے لگے، ایک آدمی آیا اور کہنے لگا کہ: تم پہلے مجھے مسلمان کرلو، پھر میں تمہیں اپنا ایک قصہ سناؤں گا۔

حالانکہ جماعت والوں کا اصول ہے کہ وہ کسی غیر مسلم کو دعوت نہیں دیتے، جماعتیں جب باہر جاتی ہیں تو اپنے مسلمان بھائیوں کو دعوت دیتے ہیں، اس دعوت کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ غیر مسلموں کے دل میں بھی اسلام کی عظمت ڈال دیتے ہیں۔

ایک پادری کے اسلام لانے کا عجیب قصہ:

خیر جماعت والوں نے انہیں مسلمان کرلیا اور اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ تھی اس کو بھی مسلمان کیا، تو وہ آدمی کہنے لگا کہ: میرا قصہ یہ ہے کہ میں یہاں گرجے کا پادری ہوں، یہ عیسائیوں کا ملک ہے، چند دن ہوئے کہ میں نے تم لوگوں کو خواب میں اسی درخت کے نیچے دیکھا، تمہارا ڈیرا لگا ہوا ہے اور یہی کتاب پڑھ رہے ہو، اس وقت سے میرے دل میں اسلام گھر کرگیا تھا، میں نے کہا کہ: میں ان لوگوں سے کیسے مل سکوں گا؟ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے تم لوگوں کو بھیج دیا، میں بھی مسلمان ہوتا ہوں اور یہ میری بیوی بھی مسلمان ہوتی ہے، پکے سچے مسلمان ہوگئے۔ وہ ساتھی کہتا ہے کہ جماعت کا اصول یہ ہے کہ باہر غیر ملک جب جائیں اگر غیر مسلم مسلمان ہوجائے تو اس کو جماعت کے ساتھ چلانا پڑتا ہے، ان سے وقت لیا جاتا ہے، ورنہ تو مسلمان کرنے کا کوئی خاطرخواہ فائدہ نہیں ہوتا۔ تو میں نے کہا کہ: بھائی! تمہیں جماعت میں کچھ وقت دینا پڑے گا، وہ صاحب کہنے لگے کہ: بھائی! جتنا وقت کہو، اتنا ہی وقت دیں گے۔ پھر اس نے ہمارے ساتھ وقت لگایا اور دعوت کے کام کو اتنی جلدی

سیکھ گیا کہ اچھے اچھے مشاق، سمجھدار لوگ بھی ایسی دعوت نہیں دیتے تھے، جس طرح وہ دعوت دیتا تھا۔ تو یہ قصہ مجھے اس پر یاد آگیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے بھی ہیں جن کے لئے مشرق و مغرب کے ٹکڑے قیامت کے دن گواہی دیں گے، یہ لوگ قیامت کے دن اُٹھیں گے تو زمین کے یہ ٹکڑے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دیں گے۔

نمازی، بادشاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب آدمی نماز میں ہوتا ہے تو بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے، ہم تو گھنٹی بجاتے ہیں، بجلی کا دور ہے ناں! پرانے زمانے میں دروازہ کھٹکھٹاتے تھے، تو وہ نمازی بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے، جو شخص بادشاہ کے دروازے کو کھٹکھٹائے، یہ بادشاہ ایسا بے رحم نہیں ہے کہ اس کے لئے دروازہ نہ کھولے، اس کے لئے دروازہ کھل جاتا ہے، بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ اور محض اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے دروازہ کھٹکھٹائے۔

نمازوں کے بعد اپنی ضرورت کی دعا مانگو:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ:

"اِحْمِلُوْا حَوَائِجَکُمْ عَلَی الْمَکْتُوْبَةِ."

(کنز العمال ج:۸ حدیث:۲۱۶۴۳)

اپنی ضرورتوں کو اپنی نمازوں پر اُٹھا رکھو! جو ضرورت تمہیں پیش آئے فرض نماز پڑھنے کے بعد وہ ضرورت مانگو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول فرمائیں گے۔ جب کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنی ہو تو نمازِ حاجت پڑھ لو، نماز حاجت پڑھ کر خوب گڑگڑا کے مانگو، کسی کام کو کرنے کے لئے دوسرے اسباب کو اختیار کرنا ممنوع نہیں ہے، لیکن اصل چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنے والے بنو، اس سے مانگنا ہے، اور حق تعالیٰ شانہ

کی ذاتِ عالی کے سوا کوئی نبی یا ولی، کوئی آسمان والا یا زمین والا، دینے والا نہیں، وہی ایک دینے والا ہے، وہی ایک حاجت پوری کرنے والا ہے۔

مشکل کشا صرف اللہ ہے!

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب عارفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے: تمہیں کوئی تکلیف پہنچی، کوئی مصیبت پہنچی تو کہو: لا الٰہ الا اللہ، کیونکہ اس تکلیف کو پہنچانے والے صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور دوبارہ پھر کہو لا الٰہ الا اللہ، کیونکہ اس تکلیف کو ہٹانے والے بھی اللہ تعالیٰ ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہٹانے والا نہیں ہے۔

تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: اپنی حوائج، اپنی ضروریات کو نماز پر اُٹھا رکھو، نماز کا وقت آئے، نماز پڑھو اور نماز پڑھ کر جو مانگنا ہے اللہ تعالیٰ سے مانگو، اپنی چیزیں، اپنی حاجتیں، اپنی ضرورتیں سوچ کر رکھا کرو کہ آج نماز میں یہ چیز مانگنی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: ایک نماز دوسری نماز کے لئے کفارہ ہے، یعنی ایک نماز سے لے کر دوسری نماز کے درمیان میں جتنے گناہ ہوئے یہ نماز ان سب کا کفارہ ہو جاتی ہے۔

نماز سے گناہ جھڑتے ہیں:

مصنف عبدالرزاق میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ

"اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا قَامَ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَضَعَتْ خَطَایَاہُ
عَلٰی رَأْسِہٖ فَلَا یَفْرُغُ مِنْ صَلٰوتِہٖ حَتّٰی تَتَفَرَّقُ عَنْہُ کَمَا
تَتَفَرَّقُ عَذْوُقُ النَّخْلَۃِ تُسَاقِطُ یَمِیْنًا وَشِمَالًا."

(کنزالعمال ج:۸ حدیث:۲۱۶۳۴)

یعنی جب بندہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، اللہ اکبر کہہ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگیا تو اس کی تمام غلطیاں اور تمام گناہ سر کے اوپر آجاتے ہیں، اور جب

نماز میں سجدے کے لئے جاتا ہے تو تمام گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح کہ شاخ سے پھل گر جاتا ہے، یہ نماز توبہ ہے، کوئی گناہ ہوگیا ہو تو اللہ تعالیٰ کے سامنے نمازِ توبہ کی نیت کرو اور نماز کے لئے کھڑے ہوجاؤ اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے خوب معافی مانگو۔

مؤمن کو توبہ کئے بغیر سکون نہیں ملتا:

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"اِنَّ الْمُؤْمِنَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَاَنَّهٗ فِيْ اَصْلِ جَبَلٍ يَخَافُ اَنْ يَّقَعَ عَلَيْهِ، وَاِنَّ الْفَاجِرَ يَرٰى ذُنُوْبَهٗ كَذُبَابٍ وَقَعَ عَلٰى اَنْفِهٖ." (ترمذی ج:۲ ص:۷۳)

یعنی مؤمن بندے سے اگر غلطی یا گناہ ہوجائے تو اس پر اتنا بوجھ پڑتا ہے کہ گویا وہ پہاڑ کے نیچے آگیا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو راضی نہ کرلے اور اپنے قصور کی معافی نہ مانگ لے اور اس کو اطمینان نہ ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے معاف کردیا ہوگا، کسی طریقہ سے بھی اس کو چین نہیں آتا۔ اور فرمایا کہ: منافق کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ناک پر مکھی بیٹھی تھی وہ اُڑادی، فرق کیا پڑا؟

مؤمن کا گناہوں سے پریشان ہونا اور توبہ کرنا ایمان کی علامت ہے:

کسی مؤمن کا اپنے گناہوں کو یاد کرکے پریشان ہونا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا یہ علامت ہے ایمان کی۔ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو اس کی غلطیاں سر پر جمع ہوجاتی ہیں، جیسے کہ درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

رات کی تاریکی سے نفع ونقصان اُٹھانے والے:

ایک روایت میں ہے:

"عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ اَنَّهٗ بَاتَ عِنْدَ سَلْمَانَ يَنْظُرُ اجْتِهَادَهٗ، فَقَامَ يُصَلِّيْ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَكَأَنَّهٗ لَمْ يَرَ الَّذِيْ كَانَ يَظُنُّ، فَذَكَرَ لَهٗ ذَالِكَ، فَقَالَ سَلْمَانُ: حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ! فَاِنَّهُنَّ كَفَّارَاتٌ لِهٰذِهِ الْجِرَاحَاتِ مَا لَمْ يُصِبِ الْمَقْتَلَةَ فَاِذَا اَمْسَى النَّاسُ كَانُوْا عَلٰى ثَلَاثِ مَنَازِلَ: فَمِنْهُمْ مَنْ لَهٗ وَلَا عَلَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ عَلَيْهِ وَلَا لَهٗ، وَمِنْهُمْ مَنْ لَا لَهٗ وَلَا عَلَيْهِ، فَرَجُلٌ اِغْتَنَمَ ظُلْمَةَ اللَّيْلِ وَغَفْلَةَ النَّاسِ فَقَامَ يُصَلِّيْ حَتّٰى اَصْبَحَ فَذَالِكَ لَهٗ وَلَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ اِغْتَنَمَ غَفْلَةَ النَّاسِ وَظُلْمَةَ اللَّيْلِ فَرَكِبَ رَأْسَهٗ فِي الْمَعَاصِيْ فَذَالِكَ عَلَيْهِ وَلَا لَهٗ، وَرَجُلٌ صَلَّى الْعِشَاءَ وَنَامَ فَذَالِكَ لَا لَهٗ وَلَا عَلَيْهِ، فَاِيَّاكَ وَالْحَقْحَقَةَ! وَعَلَيْكَ بِالْقَصْدِ وَدَاوِمْ!" (کنز العمال ج:۸ حدیث:۲۱۶۳۶)

یعنی طارق بن شہاب رحمہ اللہ ایک بزرگ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: میں ایک دن قصداً حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا مہمان رہا، میرا مقصد یہ تھا کہ ان کی رات کی عبادت کو دیکھوں، عشا کی نماز پڑھی اور سوگئے اور ایسے سوئے کہ اُٹھے ہی نہیں، رات کا آخری حصہ جب باقی رہ گیا تو اُٹھے اور اُٹھ کر صبح صادق ہونے تک تہجد کی نماز پڑھی، میرا خیال تھا کہ یہ تو بہت عبادت کرنے والے بندے ہوں گے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس خطرے کو محسوس کرگئے اور فرمایا: پانچ نمازوں کی پابندی کرلو اور اس کے بعد یہ جو رات آتی ہے ناں! یہ تین قسم کے آدمیوں کے لئے

آتی ہے، بعض آدمی وہ ہیں کہ رات ان کے لئے ہے، ان پر وبال نہیں لوگوں کے سکون کو، لوگوں کے آرام کو رات کے اندھیرے کو اور رات کی تاریکی کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ یہ وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ہے، مالک کے دروازے کو کھٹکھٹانے کا وقت ہے، اور بعض ایسے ہیں کہ رات ان کے لئے وبال ہے، ان کے لئے نفع نہیں ہے، اس لئے کہ رات کا وقت ہوتا ہے لوگ اپنے ٹھکانے پر جاتے ہیں، سکون ہوجاتا ہے، رات چھاجاتی ہے تو ان کو کسی قسم کا خطرہ نہیں ہوتا، ڈاکے ڈالنے کے لئے بہت اچھا وقت ہے، چوری کرنے کے لئے، کسی کا گھر لوٹنے کے لئے، بہت اچھا وقت ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ رات ان کے لئے وبال ہے، رحمت نہیں ہے۔ اور تیسرے قسم کے آدمی وہ ہیں جن کے لئے رات نہ وبال ہے نہ رحمت، سوگئے صبح ہوگئی اللہ! اللہ! خیر صلہ! رات صرف سونے کے لئے ہے اور کسی چیز کے لئے ہے یا پھر آج کل ٹی وی دیکھنے کے لئے ہے، یا پھر ریڈیو پر خبریں وغیرہ سننے کے لئے ہے، یا پھر لوگوں کی باتیں کرنے کے لئے، رات آدھی گزرگئی ہم سوگئے اور پھر ایسے سوئے کہ صبح کو آنکھ نہیں کھلی۔

رات کمائی کا وقت ہے!

بہت سارے دوست شکایت کرتے ہیں کہ جی صبح فجر کی نماز کے لئے آنکھ نہیں کھلتی، سورج نکل آتا ہے، نماز قضا ہوجاتی ہے، کیوں نہ قضا ہو؟ اس لئے کہ ہمارے نزدیک رات کمائی کا وقت ہی نہیں ہے، کچھ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے ہیں جن کے لئے رات کمائی کا وقت ہے۔ مصنف عبدالرزاق نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ: جب نماز کا وقت ختم ہوجاتا ہے تو ہم اپنے آپ کو گناہوں کے ساتھ جلانا شروع کردیتے ہیں، یہاں تک کہ نماز کا وقت آجاتا ہے تو ہم نماز پڑھ کر اس آگ کو بجھادیتے ہیں، ٹھنڈا کردیتے ہیں، پھر اگلا معاملہ شروع ہوجاتا ہے۔

نماز ادائے شکر کا ذریعہ:

ایک حدیث میں ہے:

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا قَالَتْ: کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْمُ مِنَ اللَّیْلِ حَتّٰی تَفَطَّرَ قَدَمَاهُ، فَقُلْتُ لَهٗ: لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! وَقَدْ غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ؟ ..... قَالَ: اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا؟" (بخاری ومسلم)

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ: میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ اتنی محنت کیوں اٹھاتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کردیئے؟ آپؐ بخشے بخشائے ہیں، اس کے باوجود بھی اتنی محنت اُٹھاتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ کرم فرمایا، یہ احسان فرمایا کہ نہ صرف میرے اگلے پچھلے گناہ معاف کردیئے، بلکہ امت کے لئے بھی شفاعت قبول فرمالی، تو میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟

آنحضرتؐ کی نماز و روزہ کی کیفیت:

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ:

"سُئِلَ اَنَسُ بْنُ مَالِکٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّیْلِ، فَقَالَ: مَا کُنَّا نَشَاءُ مِنَ اللَّیْلِ اَنْ نَرَاهُ مُصَلِّیًا اِلَّا رَأَیْنَاهُ وَمَا کُنَّا نَشَاءُ اَنْ نَرَاهُ نَائِمًا اِلَّا رَأَیْنَاهُ، وَکَانَ یَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰی نَقُوْلَ: لَا یُفْطِرُ مِنْهُ شَیْئًا، وَیُفْطِرُ حَتّٰی نَقُوْلَ: لَا یَصُوْمُ مِنْهُ

شَیْئًا۔" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۲۶۴)

یہ عجیب بات تھی کہ جب ہم چاہتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ سکتے تھے اور جب ہم چاہتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لیٹا ہوا دیکھ سکتے تھے، جب چاہتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روزے کی حالت میں دیکھ سکتے تھے اور جب چاہتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو افطار کے وقت دیکھ سکتے تھے۔

ایک آیت کی تلاوت پر پوری رات قیام:

نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک آیت پر پوری رات گزار دی:

"عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: قَامَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃً حَتّٰی اَصْبَحَ بِآیَۃٍ وَالْآیَۃُ: اِنْ تُعَذِّبْھُمْ فَاِنَّھُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَھُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔" (مشکوٰۃ ص:۱۰۷)

ترجمہ:...... "حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری رات نماز میں کھڑے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی، اور صرف یہ آیت پڑھتے رہے کہ: اگر آپ ان کو بخش دیں تو آپ کے بندے ہیں، اور اگر آپ عذاب دینا چاہتے ہیں تو آپ عزیز وحکیم بھی ہیں۔"

پوری رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روتے رہے اور یہ آیت شریفہ پڑھتے رہے۔

تکلیف کے باوجود آپ کا تہجد میں لمبی سورتوں کا پڑھنا:

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرامؓ نے کہا کہ: یا رسول اللہ!

آپ کو تکلیف بہت زیادہ ہے، طبیعت بوجھل ہے، ارشاد فرمایا: اس کے باوجود میں نے تہجد میں سات لمبی سورتیں پڑھی ہیں، قرآن کریم کی ان سات طویل سورتوں میں سے صرف سورۃ البقرۃ ہی ڈھائی پارے کی ہے، اس کے باوجود میں نے سات لمبی سورتیں پڑھی ہیں، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

"عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَافْتَتَحَ الْبَقَرَةَ، فَقُلْتُ: يَرْكَعُ عِنْدَ الْمِائَةِ، قَالَ: ثُمَّ مَضٰى، فَقُلْتُ: يُصَلِّيْ بِهَا فِيْ رَكْعَةٍ، فَمَضٰى فَقُلْتُ: يَرْكَعُ بِهَا، ثُمَّ افْتَتَحَ النِّسَاءَ فَقَرَأَهَا ثُمَّ افْتَتَحَ آلَ عِمْرَانَ فَقَرَأَهَا، يَقْرَأُ مُتَرَسِّلًا، اِذَا مَرَّ بِآيَةٍ فِيْهَا تَسْبِيْحٌ سَبَّحَ، وَاِذَا مَرَّ بِسُؤَالٍ سَأَلَ، وَاِذَا مَرَّ بِتَعَوُّذٍ تَعَوَّذَ، ثُمَّ رَكَعَ فَجَعَلَ يَقُوْلُ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ، فَكَانَ رُكُوْعُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهٖ، ثُمَّ قَالَ: سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ، ثُمَّ قَامَ طَوِيْلًا قَرِيْبًا مِمَّا رَكَعَ، ثُمَّ سَجَدَ فَقَالَ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى، فَكَانَ سُجُوْدُهٗ قَرِيْبًا مِنْ قِيَامِهٖ."

(صحیح مسلم ج:۱ ص:۲۶۴)

یعنی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ مجھے کیا سوجھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، میں نے بھی آپؐ کے پیچھے نیت باندھ لی، نیت باندھ تو لی مگر پچھتایا بہت، سورۂ بقرہ شروع کردی، میں نے کہا کہ سو آیتیں پڑھ کر رکوع کردیں گے، لیکن آپ پڑھتے رہے، میں نے کہا کہ: سورۂ بقرہ ایک رکعت میں پڑھ لیں گے، (لیکن پھر آپ پڑھتے رہے، سورۂ آل عمران بھی پڑھی اور سورۂ نسا بھی پڑھی اور پڑھی بھی اس طرح نہیں جس طرح رمضانی حافظ پڑھتے ہیں، بلکہ) جہاں پناہ مانگنے کی آیت آتی، اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے، جہاں

کوئی رحمت کی آیت آتی، آپ اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعا کرتے، یعنی آرام آرام سے سوچ سوچ کر اور ہر آیت کا حق ادا کرتے ہوئے ایک ہی رکعت میں سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ نسا پڑھی، نماز پڑھنے کے بعد میں نے کہا: حضرت! آج تو میں بھی پھنس گیا، اب نہ نماز توڑ سکتا ہوں اور نہ چل سکتا ہوں، میری کمر اتنی دکھنے لگی کہ میں سیدھا نہیں ہوسکتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم پیچھے کھڑے ہو تو میں نماز کو مختصر کرلیتا۔ یہ وہ چیز ہے کہ جس کے بارہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

ایک روایت میں ہے:

”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا اَنَّهَا ذُكِرَ لَهَا اَنَّ نَاسًا يَقْرَؤُنَ الْقُرْاٰنَ فِي اللَّيْلَةِ مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ، فَقَالَتْ: اُولٰئِكَ قَرَؤُوْا وَلَمْ يَقْرَؤُوْا! كُنْتُ اَقُوْمُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ التَّمَامِ فَكَانَ يَقْرَأُ بِالْبَقَرَةِ وَآلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ، فَلَا يَمُرُّ بِآيَةٍ فِيْهَا تَخْوِيْفٌ اِلَّا دَعَا اللهَ وَاسْتَعَاذَ، وَلَا يَمُرُّ بِآيَةٍ فِيْهَا اسْتِبْشَارٌ اِلَّا دَعَا اللهَ وَرَغِبَ اِلَيْهِ.“ (مجمع الزوائد ج:۲ ص:۲۷۲)

ترجمہ:...... ”حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے کہا کہ: سنا ہے کچھ لوگ ایک رات میں قرآن کریم ختم کرلیتے ہیں، اور بعض دو دفعہ ختم کرلیتے ہیں! فرمایا: انہوں نے پڑھا بھی اور نہیں بھی پڑھا! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتی تھی، پوری رات قیام فرماتے تھے سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران اور سورۂ نسا اکٹھی پڑھتے تھے، جس آیت میں تخویف ہوتی وہاں اللہ تعالیٰ

سے دعا کرتے، جہاں کوئی ایسی بات ہوتی اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے، جہاں کوئی خوشخبری کی آیت ہوتی وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ سے رغبت کرتے۔“

مرض الوفات میں آپؐ کی نماز کا حال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کا یہ تو صحت میں حال تھا، مرض الوفات میں یہ ہوا کہ بار بار غشی آتی تھی، اس کے بعد ہوش آتا تو آپ سوال کرتے: لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ عرض کیا جاتا: نہیں یا رسول اللہ! لوگ آپ کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ پھر غشی ہوجاتی پھر ہوش آتا تو پوچھتے: لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے؟ کئی بار اس طرح ہوا تو ارشاد فرمایا کہ: ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میرے دل میں یہ خیال آیا کہ لوگ اس کو نحوست پر محمول کریں گے، نعوذ باللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں رہے تو یہ منحوس آگیا، مجھے یہ خیال ہوتا تھا، میں نے کہا: یا رسول اللہ! ابوبکر کمزور آدمی ہے، رونا بھی ان کو بہت آتا ہے، جب ان کو یہ خیال آئے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز نہیں پڑھانے آئے تو ان سے برداشت نہیں ہوسکے گا، آپ کسی اور کو فرمادیجئے وہ نماز پڑھائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اِنَّکُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبَ یُوْسُفَ!“ (بخاری ج:۱ ص:۹۹) تم یوسف کی سہیلیاں معلوم ہوتی ہو، وہ عورتیں زنانِ مصر زلیخا کے پاس سفارش کرتی تھیں، لیکن ہر ایک کے دل میں اپنا اپنا مطلب تھا، ابوبکر کو کہو کہ نماز پڑھائے! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام پہنچایا گیا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ دروازہ پاس تھا، لیکن تشریف نہیں لاسکتے تھے، ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ طبیعت میں ہلکاپن محسوس ہوا تو دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر آپ مسجد میں

تشریف لے گئے اور آپ کے پاؤں لکیریں کھینچتے ہوئے جا رہے تھے، زمین پر پاؤں نہیں رکھ سکتے تھے، ان دونوں صاحبوں کو فرمایا کہ: مجھے ابوبکر کے برابر میں بٹھادو!

امام کس طرف کھڑا ہوتا ہے؟ یعنی اگر دو آدمی نماز پڑھنے والے ہوں تو امام کس طرف کھڑا ہوتا ہے؟ امام بائیں طرف کھڑا ہوتا ہے ناں! اس لئے فرمایا بائیں طرف مجھے بٹھانا۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ:

"..... یَقْتَدِیْ اَبُوْبَکْرٍ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مُقْتَدُوْنَ بِصَلٰوةِ اَبُوْبَکْرٍ."

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۹۹)

ترجمہ:....."لوگ اقتدا کر رہے تھے ابوبکر کی، ابوبکر اقتدا کر رہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔"

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکبّر تھے اور جس جگہ ابوبکر کی قرأت کی آواز پہنچی تھی وہیں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے سے شروع کردی، یہیں سے فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ بھی حل ہوگیا، تو اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نماز پڑھائی۔

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ تبلیغی جماعت والوں کی ایک نماز بھی قضا نہیں ہوئی جماعت کے ساتھ، آپ کی چارپائی کو لاکر مسجد میں صف کے برابر میں رکھ دیا جاتا تھا اور اسی طرح لیٹے لیٹے آپ نماز پڑھتے تھے، بیٹھ نہیں سکتے تھے، ایک بھی نماز جماعت کے ساتھ قضا نہیں ہوئی، ہمیں تھوڑا سا سر کا درد ہوجائے، تھوڑی سی تکلیف ہوجائے نماز کا ناغہ! اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والا اہتمام نصیب فرمائے، آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

نمازوں کے اوقات
اور
اس کی حکمتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

”..... وَاِنَّ لِلصَّلاۃِ وَقْتًا اِشْتَرَطَهُ اللّٰهُ فَلَا تُصْلُحُ اِلَّا بِهٖ فَوَقْتُ صَلاۃِ الْفَجْرِ حِیْنَ یُزَایِلُ الْمَرْءَ لَیْلُهٗ وَیَحْرُمُ عَلَی الصَّائِمِ طَعَامُهٗ فَأْتُوْهَا حَظَّهَا مِنَ الْقُرْاٰنِ، وَوَقْتُ صَلاۃِ الظُّهْرِ اِذَا کَانَ الْقَیْظُ فَحِیْنَ تَزِیْغُ عَنِ الْفَلَکِ حَتّٰی یَکُوْنَ ظِلُّکَ مِثْلَکَ ..... مَعَ شُرُوْطِ اللّٰهِ فِی الْوُضُوْءِ وَالرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ ..... وَاِنَّ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ هَجَرُو السَّیِّئَاتِ، وَیَقُوْلُ اَقْوَامٌ جَاهَدْنَا، وَاِنَّ الْجِهَادَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مُجَاهَدَۃِ الْعَدُوِّ وَاجْتِنَابِ الْحَرَامِ. وَقَدْ یُقَاتِلُ اَقْوَامٌ یُحْسِنُوْنَ الْقِتَالَ، لَا یُرِیْدُوْنَ بِذٰلِکَ الْاَجْرَ وَلَا الذِّکْرَ وَاِنَّمَا الْقَتْلُ حَتْفٌ مِّنَ الْحُتُوْفِ وَکُلُّ امْرِئٍ عَلٰی مَا قَاتَلَ عَلَیْهِ۔“ (کنز العمال ج:۱۶ حدیث:۴۴۲۱۳)

ترجمہ:......”اور بے شک نماز کے لئے وقت ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے شرط قرار دیا ہے، لہٰذا نماز وقت کے بغیر ادا

نہیں ہوتی (بے وقت نماز ادا نہیں ہوتی)۔ فجر کی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے جب رات ختم ہوجاتی ہے اور جس وقت روزے دار پر کھانا پینا حرام ہوجاتا ہے، یعنی صبح صادق ہوجاتی ہے، اس عرصہ میں اس نماز کو اس کا حصہ قرآن سے دیا کرو، اور ظہر کی نماز کا وقت جب سورج ڈھل جائے، یہاں تک کہ تیرے دائیں طرف آجائے، وضو، رکوع اور سجود میں اللہ کی شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے۔ اور بے شک مہاجر وہ لوگ ہیں جنہوں نے گناہوں کو چھوڑ دیا۔ اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے جہاد کیا، حالانکہ جہاد فی سبیل اللہ نام ہے دشمن کے مقابلہ میں مجاہدہ کرنے کا اور حرام سے بچنے کا! اور کچھ لوگ بڑی بہادری سے لڑتے ہیں، لیکن ان کا مقصود کوئی اجر وغیرہ نہیں ہوتا، اور قتل بھی موت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، اور ہر آدمی کی جیسی نیت ہوگی ویسا بدلہ ملے گا۔“

فجر کے فرائض اور سنن کی تعداد:

یہ تو آپ حضرات کو معلوم ہے کہ نماز فجر کی سنت صرف دو ہی رکعتیں رکھی گئی ہیں، اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان دو رکعت سنت کے علاوہ سورج نکلنے تک فرضوں سے پہلے بھی اور فرضوں کے بعد بھی کسی دوسری نماز کا پڑھنا مکروہ ہے، گویا صبح صادق سے لے کر سورج کے طلوع ہونے تک دو رکعت فرض اور دو رکعت سنت کے علاوہ کوئی نفل نماز جائز نہیں۔ صبح صادق کے بعد فجر کی نماز تک دو رکعت فرض کے علاوہ صرف دو سنتیں پڑھنے کی اجازت ہے، نفل وغیرہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں۔ ہاں! نمازِ جنازہ اور سجدۂ تلاوت کی اجازت ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی قضا نمازیں

رہتی ہوں تو اس وقت ان کے پڑھنے کی بھی اجازت ہے، لیکن لوگوں کے سامنے نہ پڑھے، اپنے گھر میں جاکر پڑھے۔

فجر کے فرائض وسنن میں اختصار کیوں؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوسرے اوقات میں فرض نماز کی رکعتیں بھی زیادہ ہیں اور پھر اس کے ساتھ ساتھ نوافل کی بھی اجازت دی گئی ہے، سنتیں بھی ہیں، نفل پڑھنے کی بھی اجازت ہے، جتنے چاہے نفل پڑھو، جبکہ اس وقت صرف دو رکعتیں فرض اور اس سے پہلے صرف دو سنت پڑھنے کی اجازت ہے اور کچھ نہیں تو آخر ایسا کیوں؟

جواب: یہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ فجر کی نماز کو لمبا کیا جائے، جیسا کہ قرآن کریم نے فجر کی نماز کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

"وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْهُوْدًا."

(بنی اسرائیل:۷۸)

ترجمہ:......"(اور پابندی کرو) فجر کے قرآن کی، بے شک فجر کا قرآن پڑھنا ایسا ہے کہ اس وقت فرشتوں کی حاضری ہوتی ہے۔"

اس لئے فجر کی نماز لمبی پڑھنے کا حکم ہے۔

نماز میں کمزوروں کا لحاظ رکھا جائے:

لیکن اس بات کا لحاظ رہے کہ جماعت میں بعض کمزور ہوتے ہیں، بعض بیمار ہوتے ہیں، ان کی رعایت بھی ضروری ہے۔ اس لئے نماز لمبی بھی ذرا مناسب کی جائے، اتنی لمبی نہ کی جائے کہ لوگ بیچارے اُکتا جائیں یا بیمار وغیرہ تنگ آجائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"فَمَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْيُخَفِّفْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْكَبِيرَ وَإِنَّ فِيهِمُ الْمَرِيْضَ وَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَإِنَّ فِيهِمْ ذَا الْحَاجَةِ، فَإِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ وَحْدَهٗ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ."

(مشکوٰۃ ص:۱۰۱)

ترجمہ:...... "تم میں سے جو شخص امام بنے اس کو چاہئے کہ نماز ذرا ہلکی پڑھائے، اس لئے کہ جماعت میں بوڑھے بھی ہوں گے، بیمار بھی ہوں گے، کمزور بھی ہوں گے اور ضرورت مند بھی ہوں گے (ان کو اپنی نماز کے بعد کسی کام سے جانا ہے) اور جب تم اپنی نماز پڑھو تو جتنی چاہو لمبی کرو۔"

دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم، ایک صحابی کو نصیحت فرما رہے تھے، آپؐ نے فرمایا: "وَاقْتَدِ بِاَضْعَفِهِمْ!" (مشکوٰۃ ص:۶۵) "تم جب امام بنو تو جماعت میں جو سب سے زیادہ کمزور آدمی ہو اس کی اقتدا کرو۔" یعنی "اس کی اقتدا کرو" کا مطلب یہ ہے کہ گویا تم اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہو اور وہ نماز پڑھا رہا ہے، یعنی جماعت میں جو سب سے زیادہ کمزور آدمی ہو اس کی رعایت رکھتے ہوئے نماز پڑھاؤ۔

ظہر اور عصر کا وقت؟

اس کے بعد ظہر کا وقت ذکر فرمایا کہ سورج جب ڈھل جائے اس وقت ظہر کی نماز پڑھو، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھو جب سورج اوپر ہو، خوب روشن ہو، ابھی دھوپ کی گویا ایک درجے میں گرمی باقی ہو اور سورج غروب ہونے میں اتنا وقت باقی ہو کہ آدمی دو فرسخ کا فاصلہ چل سکے یا اونٹ پر سوار ہو کر چھ میل کی مسافت طے کر سکے۔ ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے، عصر کی نماز پڑھ کر تقریباً ایک گھنٹہ میں یہ سفر ہو جائے گا۔

مغرب وعشاءٗ کا وقت؟

مغرب کی نماز پڑھو جوں ہی کہ سورج غروب ہوجائے اور عشاءٗ کی نماز پڑھو جبکہ رات کی تاریکی چھاجائے اور افق کی سرخی جاتی رہے۔ اس وقت سے لے کر تہائی رات کے اندر اندر تک نماز پڑھو۔

عشاءٗ سے پہلے سونا:

عشاءٗ کی نماز سے پہلے سوؤ نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهٗ." (مشکوٰۃ ص:٦٠) (جو شخص اس (عشاءٗ کی نماز سے پہلے سو گیا، اللہ کرے) اس کی آنکھ نہ لگے، اللہ تعالیٰ اس کی آنکھوں کو نہ سلائے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی کہ اللہ کرے اس کو سونا نصیب نہ ہو جو عشاءٗ کی نماز پڑھے بغیر سو گیا۔

قبل از وقت اور بعد از وقت نماز:

یہ پانچ نمازوں کے اوقات ہیں اور یہ بات واضح ہے کہ نماز کا وقت ہونے سے پہلے اگر کوئی شخص نماز پڑھے گا تو نماز نہیں ہوگی، اور اگر نماز کا وقت گزر گیا تو نماز قضا سمجھی جائے گی اور قضا پڑھنی پڑے گی۔

مجبوراً نماز کا وقت گزر جانے کی صورتیں؟

یہ بات بھی یاد رہے کہ وقت کا گزر جانا کبھی عذر کی بنا پر ہوسکتا ہے کہ اس کو یاد ہی نہیں رہا کہ مجھے نماز پڑھنی ہے اور کبھی آدمی کو کسی کام میں ایسی مشغولیت ہوتی ہے کہ اس کام سے ہٹ نہیں سکتا۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر، مریض کا آپریشن کر رہا تھا، وہ آپریشن اتنا لمبا ہوگیا کہ ڈاکٹر اس کو نہ درمیان میں چھوڑ سکتا ہے اور نہ ہی نماز پڑھ سکتا ہے۔ یا مثال کے طور پر مسلمان حالتِ جنگ میں ہیں اور کوئی شکل ایسی بھی نہیں

ہوسکتی کہ دو جماعتیں بنا کر صلوٰۃ الخوف پڑھ لی جائے، جس کی بنا پر نماز کا وقت گزر گیا۔

آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوۂ احزاب میں چار نمازیں قضا ہوگئی تھیں، وہ نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں اکٹھی پڑھی تھیں، اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"حَبَسُوْنَا عَنْ صَلٰوةِ الْوُسْطٰى صَلٰوةَ الْعَصْرِ، مَلَأَ اللهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا." (مشکوٰۃ ص:۶۳)

ترجمہ:......"اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے بھرے، انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ یعنی عصر کی نماز سے مشغول کردیا، ہمیں نماز بھی نہیں پڑھنے دی۔"

تو اگر خدانخواستہ کوئی ایسا عذر پیش آجائے کہ آدمی نماز پڑھنے پر قادر ہی نہ ہو تو بعد میں قضا کرے اور اگر جان بوجھ کر وقت گزار دیا نماز نہیں پڑھی یا کوئی ایسی مجبوری نہیں تھی، بلکہ محض دکان پر گاہک تھے، جبکہ ان کو یہ بات کہہ سکتے تھے کہ بھائی نماز کا وقت ہوگیا، چلو نماز پڑھیں، فی الحال دکانداری ختم! تو یہ بات کہہ سکتے تھے لیکن اس کے باوجود نماز چھوڑ دی۔ تو دکان پر ہونے کی وجہ سے نماز باجماعت کا چھوڑ دینا کوئی مجبوری نہیں ہے۔

بلا عذر تارکِ نماز کا حکم؟

اگر کوئی آدمی بغیر عذر کے نماز چھوڑتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص جان بوجھ کر ایک نماز قضا کرنے سے مرتد ہوگیا، یہ حضرت پیرانِ پیر کے امام کا فتویٰ ہے، جن کی لوگ گیارہویں دیتے ہیں! لوگوں کا بھی عجیب حال ہے، نماز تو پڑھتے نہیں لیکن گیارہویں دیتے ہیں، یہ ان کے امام کا

فتویٰ ہے! وہ فرماتے ہیں کہ نہ یہ آدمی توبہ کرسکتا ہے اور نہ ہی قضا کرنے سے اس کا گناہ اتر سکتا ہے، اتنا سنگین فتویٰ ہے! وہ فرماتے ہیں کہ بغیر عذر کے نماز چھوڑنے والا مرتد ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے کہ: "مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ!" (طبرانی بحوالہ اتحاف ج:۳ ص:۱۰) (جس نے جان بوجھ کر نماز کو ترک کردیا، وہ کافر ہوگیا)۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے بے نمازی کو کافر تو نہیں کہیں گے لیکن وہ واجب القتل ہے، لہٰذا اس کو قتل کیا جائے گا۔

شرح مہذب میں امام نووی مالکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ: ہمارے اور امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب میں فرق یہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ بھی تارکِ صلوٰۃ کے قتل کا حکم دیتے ہیں اور ہم بھی، لیکن ہم اس کو مسلمان سمجھتے ہوئے بطورِ سزا قتل کا حکم دیتے ہیں، اور امام احمدؒ اس کو مرتد سمجھتے ہوئے واجب القتل قرار دیتے ہیں، اس لئے اس کو قتل کرنے کے بعد ہمارے نزدیک اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایسے شخص کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

ہمارے نزدیک اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائے گا۔

جان بوجھ کر نماز قضا کردینا شریعت کی نظر میں بہت سنگین جرم ہے، لیکن افسوس! کہ ہمارے نزدیک اس کی کوئی خاص اہمیت ہی نہیں، اچھے خاصے نمازیوں کو دیکھا ہے کہ اگر کوئی معمولی سا کام پیش آگیا تو نماز چھوڑ دی اور سفر کی حالت میں تو شاید ہم پر ویسے بھی نماز معاف ہوجاتی ہے، اور عذر یہ تراشتے ہیں کہ جی یہاں جگہ کہاں ہے؟ یہاں ریل گاڑی میں کیسے نماز پڑھیں؟ یا اگر بس میں سفر کر رہے ہیں تو ہمارے پاس یہ بہانہ ہوتا ہے کہ بس والا گاڑی کھڑی نہیں کرتا، ہم کیسے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ اپنا حال بتاتا ہوں۔

سفر کے دوران نمازوں کا اہتمام:

میں نے سالہا سال تک ریل کا اور بس کا سفر کیا، میرا ہمیشہ کا معمول تھا کہ ریل میں بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھتا تھا اور اگر بس کا سفر ہوتا تو بس والے سے کہہ دیتا تھا کہ تمہاری بس پر سفر کرنے کی میری یہ شرط ہوگی کہ بس کو فلاں جگہ پر جا کر روکو گے اور اگر نہیں روکتے تو ٹکٹ ہی نہیں لیتا، یا اگر بس پر سوار ہوتا اور نماز کا وقت ہوجاتا تو اس بس سے اتر جاتا اور بس والوں سے کہہ دیتا تھا کہ تم بس لے کر جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ!

ریل میں باجماعت نماز کے اہتمام کی برکت:

میرے بھائی تھے مولانا سلیمان طارق صاحبؒ، یہاں بھی انہوں نے ایک بار تقریر کی تھی، اب تو ان کا انتقال ہوگیا۔ ایک دفعہ انہوں نے میرے ساتھ ریل کا سفر کیا، میں نے ریل گاڑی میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، کئی سال کے بعد وہ مجھے کہنے لگے کہ: اس دن آپ کے ساتھ جو ریل گاڑی میں نماز باجماعت پڑھی، اس وقت سے لے کر آج تک کبھی میری نماز قضا نہیں ہوئی، ورنہ میں ریل گاڑی میں نماز باجماعت تو دور کی بات ہے، سرے سے ریل گاڑی کی وجہ سے نماز بھی چھوڑ دیتا تھا، اور بعد میں قضا کرلیتا تھا۔ مولانا صاحب واعظِ قوم تھے، بڑے اچھے مقرر تھے، لیکن سفر میں نماز کی اہمیت ہی نہیں ہے۔

سفر میں تمام ضرورتوں کا اہتمام ہے، نماز کا نہیں:

سفر میں کھانے کا اہتمام ہے، پینے کا اہتمام ہے، سردی گرمی سے بچنے کا اہتمام ہے اور انسانی حوائج وضروریات کا اہتمام ہے، بچے ساتھ ہوں تو ان کے لئے دودھ کا اہتمام ہے، اگر اہتمام نہیں ہے تو صرف نماز کا نہیں ہے، ہمارے ذہن میں نماز کی اتنی بھی قیمت نہیں جتنی روٹی اور پانی کی قیمت ہوتی ہے، اور عذر یہ کرتے ہیں

کہ صاحب نماز کیسے پڑھیں؟ اتنی تو بھیڑ ہے اور جگہ بھی گندی ہے۔ یہ تو مردوں کا حال ہے، اور عورتوں کا حال یہ ہے کہ -اللہ تعالیٰ معاف کرے- گھر میں بیٹھی ہوئی لوگوں کی غیبتیں کرتی کرتی نماز قضا کرلیتی ہیں، کوئی نیک بخت خاتون ہوگی جو وقت پر نماز پڑھتی ہوگی، ورنہ عموماً قضا کر کے نماز پڑھتی ہیں، اور بطورِ خاص عصر کی نماز اس وقت پڑھیں گی جبکہ سورج پیلا ہوجائے گا اور فجر کی نماز اس وقت پڑھیں گی جب سورج طلوع ہو رہا ہوگا، انا للہ وانا الیہ راجعون!

جماعت کی برکت کا قصہ:

میں آپ کو ایک قصہ سناتا ہوں، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ جامعہ اشرفیہ لاہور میں شیخ الحدیث اور شیخ التفسیر تھے، ان کی تفسیر ''معارف القرآن'' بھی ہے، بخاری شریف کی بھی شرح لکھ رہے تھے، بیضاوی شریف کی بھی شرح لکھی، بہت بڑے فاضل تھے، ان کی تقریر سن کر ایسے معلوم ہوتا تھا کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ دوبارہ پیدا ہوگئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا علم عطا فرمایا تھا۔ ہمارے شیخ حضرت مولانا خیر محمد صاحب قدس سرہٗ ان کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ یہ رجالِ آخرت میں سے ہیں، ان کو دنیا کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ مظاہر العلوم میں غالباً مقاماتِ حریری پڑھتے تھے، بعد میں انہوں نے اس کتاب کی شرح بھی لکھی تھی، تو ایک دن استاذ نے سبق کے وقت کسی کام سے بھیج دیا، آنے میں دیر ہوگئی، اب یہ بیٹھ کر رونے لگے، استاذ نے شفقت کے طور پر ان سے فرمایا کہ: بھئی! سبق میں نے پڑھایا ہے، میں پورا سبق دوبارہ پڑھادوں گا، آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں، استاذ سے کہنے لگے: حضرت! بات سبق کی نہیں، وہ تو میں خود بھی مطالعہ کر کے نکال لوں گا، مگر مجھے جس چیز کا غم ہے وہ یہ بات ہے کہ درس کے وقت جو جماعت بیٹھی ہوئی پڑھ رہی تھی اس پر جو برکت نازل ہو رہی تھی اس برکت کو میں دوبارہ کیسے حاصل کروں گا؟ درس کے وقت

جو جماعت پڑھ رہی تھی اور ان پر حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے جو ایک خاص سکینت نازل ہو رہی تھی وہ میں اب کیسے حاصل کروں گا؟ اس پر مجھے رونا آ رہا ہے۔ یہ تھے ہمارے اکابر جن کی برکت سے یہ دین ہمیں ملا ہے۔

ایک بزرگ کی نماز قضا ہونے کا قصہ:

ایک بزرگ کی نماز باجماعت قضا ہوگئی تھی، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

”صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً.“ (مشکوٰۃ ص:۹۵)

ترجمہ:......”جماعت کی نماز کا ثواب اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس گنا بڑھ جاتا ہے۔“

یعنی جماعت کی نماز کا ثواب ستائیس گنا ملتا ہے۔ تو اس بزرگ نے اپنے نفس سے کہا کہ اب تجھ سے ستائیس مرتبہ نماز پڑھواؤں گا۔ مثال کے طور پر اگر چار رکعت کی نماز تھی تو ستائیس مرتبہ چار رکعتیں پڑھواؤں گا، فرض تو ایک ہی ہوگا باقی تجھ پر نفل جرمانہ کروں گا۔ چنانچہ اس بزرگ نے ایسا ہی کیا، ستائیس مرتبہ نماز پڑھ چکے تو غیب سے آواز آئی کہ تم نے بڑی محنت کرلی، تمہیں جماعت کی نماز کا ثواب تو عطا فرمادیں گے لیکن جب امام نے کہا تھا: ”ولا الضالین“ اور پیچھے مقتدیوں نے کہا تھا: آمین! اور اس آمین کہنے میں فرشتے بھی شامل تھے، ان فرشتوں کی دعا کو کہاں سے لاؤ گے؟ نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا اور جماعت کے ساتھ پڑھنا یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے!

اوّل وقت میں نماز کی فضیلت:

حدیث شریف میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا:

"اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ؟ قَالَ: اَلصَّلٰوۃُ لِاَوَّلِ وَقْتِھَا!" (مشکوٰۃ ص:۶۱)

ترجمہ:...... "سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اوّل وقت پر نماز پڑھنا! اور ایک روایت میں ہے کہ: وقت پر نماز پڑھنا!"

باجماعت نماز پڑھنے کا راز:

اس حدیث کے پیشِ نظر امام شافعیؒ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز کو اول وقت پر پڑھنا چاہئے۔ ہم نے کہا کہ: حضرت! اول وقت سے مراد مستحب وقت ہے، مستحب وقت کے اول میں نماز پڑھنا افضل ہے، اس کا راز یہ ہے کہ یہ جو اوقاتِ پنجگانہ ہیں، ان اوقات میں حق تعالیٰ شانہ کی خاص تجلیات کا ظہور ہوتا ہے، حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے خاص عنایات ہوتی ہیں اور ان اوقاتِ پنجگانہ میں جو نمازیں فرض کی گئی ہیں وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آتا ہے کہ آؤ عنایت اور رحمتِ الٰہی کا لنگر تقسیم کیا جارہا ہے تم بھی اپنا حصہ لے لو، لیکن تم نماز باجماعت کے لئے نہیں گئے جس کی وجہ سے ان عنایات اور رحمتِ الٰہی سے محروم رہے، اللہ تعالیٰ کو تمہاری چار رکعت کی ضرورت نہیں تھی، وہ تو تمہیں کسی خاص مقصد کے لئے بلوا رہے تھے، تم نے وہ وقت ہی ٹال دیا۔ اس لئے نماز کو اول وقت میں پڑھنے کی اور جماعت کے ساتھ پڑھنے کی فکر کرنی چاہئے، اس کا اہتمام ہونا چاہئے، سفر میں بھی اس کو معمولی چیز نہ سمجھو۔

حضرت داؤدؑ کے ہاں عبادت کی اہمیت:

یوں تو ہر نبی اللہ کا مقدس و برگزیدہ بندہ ہوتا ہے، مگر حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ میں آتا ہے کہ وہ بہت نیک آدمی تھے، آہن گر تھے، یعنی لوہے کا کام

کرتے تھے اور لوہار تھے، ان کا دستور یہ تھا کہ لوہا گرم کیا ہوا ہے اور ہتھوڑا سر کے اوپر اُٹھایا ہوا ہے، ادھر اللہ اکبر کی آواز آئی وہیں ہتھوڑا چھوڑ دیا، یعنی ہتھوڑا سر پر اُٹھایا ہوا ہے، لیکن لوہے پر نہیں ماریں گے، نیچے رکھ دیں گے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کو ان چیزوں کی قیمت معلوم تھی، ان چیزوں کی عظمت ان کے دل میں تھی، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ عظمت نصیب فرمائے۔

تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانچ نمازوں کے اوقات ذکر فرمائے اور فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

"اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَابًا مَّوْقُوْتًا." (النسآ:۱۰۳)

ترجمہ:......"بے شک نماز اہل ایمان پر لکھی ہوئی ہے وقت پر۔"

یعنی ایک تو ان پر یہ بات لکھ دی گئی کہ یہ کام ان کو لازماً کرنا ہے اور دوسرے یہ نہیں کہ وقت بے وقت جیسے چاہیں پڑھ لیں، بلکہ خاص خاص اوقات میں یہ نماز ادا کرنی ہے۔

نمازوں کے اوقات کی حکمتیں:

اور اکابرِ امتؒ نے ان اوقات کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے کہ فلاں وقت میں حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ قبول ہوئی تھی، ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص عنایت ہوئی تھی، اس عنایت میں سے اپنے بندوں کو حصہ دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی نماز فرض کردی، فلاں وقت حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان ختم ہونے کے بعد جودی پہاڑ پر لگی تھی، چھ مہینے کشتی پانی پر تیرتی رہی اس وقت سوائے پانی کے روئے زمین پر کوئی چیز نظر نہیں آتی تھی، جودی پہاڑ پر کشتی جب رُکی تو

حضرت نوح علیہ السلام نے بطورِ شکرانہ نماز پڑھی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ ......“ (ہود:۴۴)

ترجمہ:...... ”اور حکم آیا اے زمین! نگل جا اپنا پانی، اور اے آسمان! تھم جا، اور سکھا دیا گیا پانی اور ہو چکا کام اور کشتی ٹھہری جودی پہاڑ پر۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اپنا پانی نگل جا، وہ پانی نگل گئی اور کشتی جودی پہاڑ پر جا کر لگ گئی تو حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے رفقا کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کی جو عنایت و رحمت ہوئی اس میں سے حصہ دینے کے لئے فلاں وقت کی نماز مقرر کی گئی، اسی طرح اور بھی اکابرؒ نے بہت سی حکمتیں ذکر کی ہیں، مگر ہم سے وہ اونچی چیزیں ہیں۔

مہاجر کے معنیٰ:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: آدمی کہتا ہے کہ میں نے ہجرت کی ہے، میں بھی ہجرت کر کے آیا ہوں، حالانکہ اس نے ہجرت نہیں کی، کیونکہ مہاجرین تو وہ ہیں جنھوں نے برائیوں کو چھوڑ دیا۔ **”فان المهاجرين الذين هجروا السيئات!“** جنھوں نے برائیوں کو چھوڑ دیا۔

ہجرت کی وجوہ اور ان کا حکم:

بھائی! مہاجر کے معنی ترکِ وطن کے ہیں، وطن کو چھوڑ دینا، اور وطن کو چھوڑنا کئی وجوہ سے ہوتا ہے، بعض لوگ امریکہ جا کر وہاں کی شہریت حاصل کر لیتے ہیں، کیوں جاتے ہیں؟ صرف اس لئے نا کہ وہاں کھانے پینے کو ملتا ہے! امریکہ کا گرین

کارڈ لوگوں کے نزدیک ایسا ہے گویا جنت کا ٹکٹ مل گیا ہو! یا شاید جنت کا ٹکٹ بھی ان کے نزدیک اتنا قیمتی نہ ہو، یہ لوگ ہجرت کرکے چلے گئے، امریکہ چلے گئے یا کسی اور ملک چلے گئے اور وہاں کی شہریت حاصل کرلی، پاسپورٹ بھی وہاں کا بن گیا، اور ترکِ وطن کبھی نوکری کے لئے ہوتا ہے، کبھی تجارت کے لئے ہوتا ہے اور کبھی دوسرے مقاصد کے لئے ہوتا ہے۔

شریعت کی اصطلاح میں ہجرت کا مفہوم:

پہلے زمانے میں کبھی کبھی ترکِ وطن عشق کے لئے ہوتا تھا، اب تو عشق کو لوگ جانتے ہی نہیں ہیں، بدمعاشی کا نام "عشق" کر رکھا ہے، اور کبھی کبھی ترکِ وطن ہوتا ہے دین کی خاطر! ہندوستان پر جب انگریزوں کا تسلط ہوا تو بہت سارے لوگ ترکِ وطن کرکے مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ چلے گئے، اور ویسے بھی یہ سلسلہ جاری رہتا ہے، لیکن اب حکومتوں کی پابندیاں ہیں، حالانکہ ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں موت آئے۔ تو شریعت کی اصطلاح میں ہجرت کہتے ہیں دین کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جانا، یہ مہاجر ہے۔

مکہ مکرمہ میں جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دین پر عمل نہیں کرنے دیا جارہا تھا، مسلمانوں کو حکم تھا کہ مکہ چھوڑ کر مدینہ آجائیں، صحابہ کرامؓ حبشہ کی طرف بھی دو مرتبہ گئے تھے۔

ہجرت کتنا بڑا عمل ہے؟

اور یہ ہجرت اتنا بڑا عمل تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِنَّ الْاِسْلَامَ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ! وَاِنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهَا! وَاِنَّ الْحَجَّ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ!"

(مشکوٰۃ ص:۱۴)

یعنی ایک آدمی غیر مسلم تھا، مسلمان ہوگیا، پہلے کے سارے گناہ معاف! اور ہجرت کرلی تو پہلے کے تمام گناہ معاف! اور حج کرلیا، بشرطیکہ حج، حجِ مبرور ہوتو پہلے کے تمام گناہ معاف! اور اگر حج میں داڑھی منڈواتے رہے تو پھر کیا؟ جیسے گئے تھے ویسے ہی واپس آگئے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا:

کعبہ بھی گئے پر نہ چھوٹا عشق بتوں کا!
اور زم زم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی!

ہمارا کیا حال ہے؟ ہماری کیفیت تو وہ ہے کہ جو عشقِ مجازی اور جو جو بیماریاں ہم ساتھ لے کر جاتے ہیں، وہی واپس لے کر آتے ہیں، تو ہجرت بہت بڑا عمل ہے، لیکن اب ہم کہنے کوتو مہاجر ہوگئے لیکن ہجرت کے تقاضے بھی پورے کررہے ہیں یا نہیں؟ اس کو سوچا جائے!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مہاجر وہ ہیں کہ جنہوں نے برائیوں کو چھوڑ دیا اور یہ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی ترجمانی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ!"
(مشکوٰۃ ص:۱۲)

ترجمہ:......"مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کے ہاتھ سے اور اس کی زبان سے محفوظ رہیں۔"

اور مہاجر وہ ہے جس نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا ہو جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مجاہد ہیں، ہم نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا، فرمایا کہ: جہاد فی سبیل اللہ نام ہے دشمن کے مقابلہ میں مجاہدہ کرنے کا اور حرام سے بچنے کا! حدیث شریف میں فرمایا: "اِنَّ اَعْدٰی عَدُوِّکَ

نَفْسُکَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْکَ" تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے پہلو میں ہے، اس سے تو کبھی لڑائی نہیں کی، دشمنوں سے جہاد کر رہے ہیں، یہ تمہارا سب سے بڑا دشمن ہے، سب سے بڑا کافر تمہارا نفس ہے، ذرا اس سے بھی مجاہدہ کر کے لڑائی کی ہوتی، اور اس نفس کے ساتھ کبھی مجاہدہ کیا ہے؟ نفس سے مجاہدہ کا مطلب ہے اس کی خواہشات کو پورا نہ کرنا۔

نفس کی مخالفت کا قصہ:

سلطان الہند خواجہ نظام الدین اولیأ قدس سرہٗ ایک دفعہ بیمار ہوئے، بیماری کچھ زیادہ سخت ہوگئی، خدام نے عرض کیا کہ: حضرت! یہاں ایک ہندو ہے، جو بیماری سلب کر لیتا ہے، توجہ ڈال کر بیماری چوس لیتا ہے، اس کو بلالیں؟ ارشاد فرمایا: بیماری اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، محبوب کی دی ہوئی چیز کو دور کرنے کے لئے محبوب کے دشمن کو بلانا غیرت کے خلاف ہے! یعنی یہ غیرت کی بات ہے کہ ایک ہندو کو بیماری کی وجہ سے بلائیں! اس بیماری کی وجہ سے آپ کو بیہوشی ہوگئی، دوستوں نے اپنے طور پر اس ہندو کو بلالیا، کیونکہ حضرت تو بیہوش تھے، وہ ہندو آیا، وہ چونکہ اپنے فن کا ماہر تھا، مراقبہ کر کے بیٹھ گیا اور بیماری سلب کرنا شروع کردی، حضرتؒ چارپائی پر اُٹھ کے بیٹھ گئے، اس نے اپنا عمل مکمل کرلیا، سلطان الہندؒ اپنے دوستوں پر غصہ ہوئے اور فرمایا: میں نے تمہیں منع کیا تھا، اگرچہ تم نے محبت کی وجہ سے کیا، لیکن میری منشا کے خلاف کیا ہے، اب اس ہندو کا مجھ پر احسان ہے اور اس احسان کا بدلہ دینا چاہئے۔ حضرت سلطان الہند قدس سرہٗ نے اس ہندو سے فرمایا کہ: میاں! تمہیں اتنا بڑا کمال کیسے حاصل ہوا؟ وہ کہنے لگا: جی! میرے گرو نے کہا تھا کہ جس چیز کو نفس چاہے اس کی مخالفت کرنا، اور جس چیز کو نفس نہ چاہے وہ کرنا! میں نے ساری زندگی کے لئے یہ اصول اپنالیا، آج اگر دل گوشت کھانے کو چاہتا ہے تو نہیں کھاؤں گا اور فلاں چیز کو چاہتا ہے نہیں کروں

گا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ: بھائی! تم ہو تو بڑے باکمال اور تمہارا اصول بھی بہت اچھا ہے، لیکن تمہارا اصول پکا نہیں کچا ہے۔ کہنے لگا: نہیں جی! میرا اصول بہت پکا ہے، ساری عمر کا اصول ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا: میں ابھی امتحان لے لیتا ہوں کہ تمہارا اصول پکا ہے یا کچا ہے؟

حضرتؒ نے اس ہندو سے فرمایا کہ: سچ سچ بتاؤ تمہارا دل مسلمان ہونے کو چاہتا ہے یا نہیں؟ ہندو کہنے لگا کہ: حضرت! مسلمان ہونے کو میرا دل نہیں چاہتا! حضرتؒ نے فرمایا: پھر نفس کے خلاف ہوا ناں؟ اب اگر تمہارا اصول پکا ہے تو مسلمان ہو جاؤ، اور اگر مسلمان نہیں ہوتے تو معلوم ہوا کہ یونہی بناوٹی سا اصول ہے پکا نہیں! تو وہ کسی قدر سوچنے کے بعد کہنے لگا: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ! حضرتؒ نے فرمایا: جا تم نے مجھ پر احسان کیا تھا، میں نے تم پر احسان کیا، احسان کا بدلہ احسان ہوتا ہے، اس لئے تجھے مسلمان کر دیا۔ اور فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے میرے پاس تجھے بھیجا ہی اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اسلام کی دولت عطا فرمائیں۔ اب وہ ہندو مسلمان ہو گیا اور ٹھیک ٹھاک مسلمان ہوا پھر تو حضرت کی خدمت میں رہ گیا اور حضرتؒ سے خلافت حاصل کی، مجاہدہ تو اس نے پہلے ہی بہت کیا ہوا تھا۔ میاں! نفس کی مخالفت کا نام مجاہدہ ہے۔

گھر بھی مجاہدہ کا میدان ہے:

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہٗ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: بھئی! پہلے زمانے میں بزرگ مجاہدے کرایا کرتے تھے، بزرگ چلّے کھنچواتے تھے، بڑی بڑی محنت کروایا کرتے تھے، لیکن اب لوگوں کے پاس فرصت بھی نہیں ہے، صحت بھی نہیں ہے، ہمت بھی نہیں ہے اور طلب بھی نہیں ہے، اب تو یہ چھوٹے چھوٹے مجاہدے ہیں ان پر ہی پکے ہو جاؤ! اور فرمایا کرتے تھے کہ: تمہارا گھر مجاہدے کا میدان ہے! بیوی

سے ناگواری پیش آرہی ہے اس پر صبر کرو، بچوں سے ناگواری پیش آرہی ہے اس پر صبر کرو، دوستوں سے ناگواری پیش آرہی ہے اس پر صبر کرو، نفس کی ناگواریوں پر صبر کرو اور نفس ایک کام کرنا نہیں چاہتا، اس سے وہ کام کرواؤ، اور نفس چاہتا ہے ایک غلط کام کرنے کو اس کو روکو، اس کی لگام تھامو! بیوی جب بک بک کرتی ہے تو جی چاہتا ہے کہ دو چار تھپڑ ہی لگادیں، لیکن نہیں! نفس کو روکو! یہ تمہارا مجاہدہ ہے، صبر کرو اور اپنے نفس کو تھپڑ لگاؤ۔

نفس سب سے بڑا دشمن:

غرضیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے، جو تمہارے پہلو میں ہے۔ اور سب سے بڑے دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنا سب سے بڑا جہاد ہے۔ ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد سے تشریف لا رہے تھے، ارشاد فرمایا:

"رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ!" (اتحاف ج:۶ ص:۳۷۹)

ترجمہ:......"ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹے ہیں!"

کافروں سے جو جہاد کر رہے تھے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے اور ہمارے بھی دشمن تھے، مگر نفس بھی تمہارا دشمن ہے، اس کی مخالفت کرنا اور اس سے لڑنا بھی جہاد ہے، تمہارا نفس چاہتا ہے شریعت کے خلاف یہ کریں، یہ کریں، یہ کریں، اس سے کہو کہ قطعاً نہیں کریں گے! لیجئے آج سے تمہیں ولی اللہ کی سند مل جائے گی، ایک آن میں ولی اللہ بن جاؤ گے۔

اللہ کا راستہ دو قدم سے زیادہ نہیں:

آج سے طے کرلو کہ خلافِ شریعت کام جو نفس چاہے گا نہیں کریں گے، اسی کو عارف فرماتے ہیں کہ: اللہ کا راستہ دو قدم سے زیادہ نہیں، لوگ کہتے ہیں: اللہ کا راستہ بہت لمبا ہے، جی ہاں! لمبا تو ہے، اس لئے کہ اللہ کی ذات بھی غیر فانی اس کا راستہ بھی غیر فانی، جس طرح اس ذات کی کوئی حد نہیں، اسی طرح اس کے راستے کی بھی کوئی حد نہیں، ساری عمر چلتے رہو تو ایسا لگے گا کہ ایک قدم بھی طے نہیں ہوا، لیکن ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ: ہمارا جو راستہ ہے، الحمدللہ! جو قدم اُٹھتا ہے وہی منزل ہے، ہر قدم ہماری منزل ہے، جس قدم پر موت آگئی انشاًاللہ! وہ قدم مقبول ہوگئے، پار ہوگئے۔

اللہ کے راستہ کے دو قدم سے کیا مراد ہے؟

تو بزرگ فرماتے ہیں کہ: اللہ کا راستہ دو قدم سے زیادہ نہیں، ایک قدم نفس کی گردن پر رکھو، دوسرا محبوب کی منزل میں رکھو! پہلا قدم نفس کی گردن پر رکھو اور دوسرا محبوب کے کوچے میں رکھو! پہنچ گئے، لیکن کہنے اور کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے، کہہ دینا آسان لیکن کرنا مشکل!

نفس کو رام کرنے کے لئے شیخ کی ضرورت:

اور یہ نفس کوئی رام ہونے والی چیز ہے؟ یہ تو سرکش گھوڑا ہے، اس کے لئے تو بڑا ماہر سائیس چاہئے، جس کے ہاتھ میں چھانٹا بھی ہو اور یہ گھوڑا جتنا اچھلے، کودے، وہ اس کی پشت سے چپک جائے، اور سنگلاخ زمین میں ڈال کر اس کے پاؤں توڑ دے، اس لئے فرماتے ہیں کہ:

نفس نتواں کشت اِلّا ظلِّ پیر!

کسی مرشد کے سائے میں پناہ لو تو یہ نفس مرے گا، ایسے نہیں مرتا، کہہ دینا

آسان، کرنا مشکل، تو غرضیکہ مجاہد وہ نہیں جو کافروں سے لڑا، مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے لڑا۔

جہاد کا مقصد؟

اس کے بعد فرمایا کہ: بعض لوگ اجر کے لئے، تنخواہ کے لئے لڑتے ہیں، بعض لوگ شہرت کے لئے لڑتے ہیں، اور یہ قتل ہونا بھی موت کی اقسام میں سے ایک قسم ہے، ہر آدمی کو جیسی اس کی نیت ہوگی ویسا بدلہ ملے گا، اور بعض دفعہ ایک آدمی بہادر ہوتا ہے، اس کے دل سے ہی جوش اُٹھتا ہے لڑنے کا، یہ نہیں کہ وہ شہرت چاہتا ہے، یہ نہیں کہ اس کو کسی نے پیسے دیئے ہیں، یہ تمام چیزیں اپنی جگہ، لیکن جہاد فی سبیل اللہ یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کی رضا کے لئے لڑے، محض اللہ کو راضی کرنا مقصود ہے، زمین، وطن، قوم، قبیلہ، عصبیت کوئی چیز مدِنظر نہیں، لڑائی میں محض رضائے الٰہی مدِنظر ہے، تو یہ شخص مجاہد فی سبیل اللہ ہے، اور جو شخص اس راستے میں مرے وہ اللہ کے راستے میں مرنے والا ہے، اس کو شہید فی سبیل اللہ کہتے ہیں۔

سبحانک اللّٰھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک

دنیا میں رہنے کا سلیقہ!

حضرت ابو درداءؓ کی نصیحتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

”عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: لَا تَزَالُ نَفْسُ اَحَدِکُمْ شَابَّۃً فِیْ حُبِّ الشَّیْءِ وَلَوِ الْتَقَتْ تَرْقُوَتَاہُ مِنَ الْکِبَرِ اِلَّا الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی وَقَلِیْلٌ مَّا ھُمْ۔“ (حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۲۳)

”عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: ثَلَاثٌ مِنْ مَلَاکِ اَمْرِ ابْنِ اٰدَمَ: لَا تَشْکُ مُصِیْبَتَکَ، وَلَا تُحَدِّثْ بِوَجْعِکَ، وَلَا تُزَکِّ نَفْسَکَ بِلِسَانِکَ۔“

(حلیۃ الاولیاً ج:۱ ص:۲۲۴)

”عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: اِیَّاکُمْ وَدَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ! وَدَعْوَۃَ الْیَتِیْمِ! فَاِنَّھُمَا تَسْرِیَانِ بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ!“

”عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: اِنَّ اَبْغَضَ

النَّاسِ اِلَیَّ اَنْ اَظْلِمَهٗ مَنْ لَّا یَسْتَعِیْنُ عَلَیَّ اِلَّا بِاللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ."
(حلیۃ الاولیاء ج:۱ ص:۲۲۱)

ترجمہ:...... "حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے ایک کا نفس جوان رہتا ہے کسی چیز کی محبت میں خواہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کے دونوں جبڑے مل گئے ہوں، سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔"

ترجمہ:...... "حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ: تین چیزیں بندے کے معاملے کا مدار ہیں:

۱:...... ایک یہ کہ اپنی مصیبت کی شکایت نہ کرو۔

۲:...... دوسری یہ کہ اپنی تکلیف لوگوں کو نہ بتاؤ۔

۳:...... اور تیسری یہ کہ اپنی زبان سے اپنے نفس کا تزکیہ نہ کیا کرو، اس کو پاک نہ بتاؤ۔"

ترجمہ:...... "حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے کہ: مظلوم اور یتیم کی بددعا سے بچا کرو! اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں رات کے وقت چلتی ہیں جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔"

ترجمہ:...... "حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ: میرے نزدیک لوگوں میں سب سے برا یہ ہے کہ میں کسی ایسے شخص پر ظلم کروں جو میرے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی مدد نہیں لے سکتا۔"

آدمی کے نفس کا جوان رہنا:

یہ حضرت ابودرداؓ رضی اللہ عنہ، حکیم الامت کے چند مواعظ ہیں:

ایک یہ کہ کسی چیز کی محبت میں آدمی کا نفس ہمیشہ جوان رہتا ہے، چاہے وہ اتنا بوڑھا ہوگیا ہو کہ اس کے جبڑے بھی مل گئے ہوں، یعنی منہ نہیں کھلتا، مگر نفس کی جوانی نہیں جاتی، وہ اب تک جوان ہے، سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہو، وہ تو مستثنیٰ ہیں، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں، بہت ہی کم ہیں، یہ مضمون حدیث شریف کا ہے، ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ:

"یَهْرَمُ ابْنُ آدَمَ وَیَشُبُّ مِنْهُ اثْنَانِ: اَلْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ، وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ!" (مشکوٰۃ ص:۴۴۹)

ترجمہ:......"آدمی بوڑھا ہوتا رہتا ہے، لیکن دو خصلتیں اس کے اندر جوان ہوتی رہتی ہیں، جوں جوں اس کی عمر ڈھلتی جاتی ہے یہ دو عادتیں اس کی جوان ہوتی رہتی ہیں، ایک مال کی محبت، اور دوسری طول العمر یعنی زیادہ جینے کی محبت۔"

یہ چیز انسان میں فطری طور پر رکھی گئی ہے، اور رکھی بھی ایسی گئی ہے کہ بوڑھا ہونے کے بعد آدمی کا دل تمام چیزوں سے سرد ہوجاتا ہے، بہت کھالیا، بہت کمالیا، اب چھوڑ دیں قصہ، اللہ تعالیٰ نے گھربار دیا ہے، آل و اولاد دی ہے، بہت وقت گزار دیا ہے، اب آگے کی تیاری کریں، لیکن نہیں، اس حالت میں بھی بڑے میاں کا دل نہیں بھرتا، جبکہ پاؤں قبر میں لٹکے ہوئے ہیں، چاہتا ہے کہ مال زیادہ سے زیادہ ہو اور شیخ چلّی کی طرح اپنی آرزوئیں پکاتا رہتا ہے، یہ فطری چیز ہے، سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے ساتھ مخصوص کردیا ہے، خوفِ خدا ان کے دل میں ہے، ان کا دل سرد ہوجاتا ہے۔

بادشاہ، بزرگ اور شاہی شیخ الاسلام کا قصہ:

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ ایک بزرگ کے پاس گیا، بادشاہ کا شیخ الاسلام بھی ساتھ تھا، وہ سرکاری ''شیخ الاسلام''، جیسے بے نظیر نے کوثر نیازی کو ''شیخ الاسلام'' بنایا تھا، اللہ تعالیٰ معاف کرے! تو بادشاہ بزرگ سے بہت ادب سے ملا، بادشاہوں میں یہ چیز ہوتی ہے کہ جب اللہ والوں کو دیکھتے ہیں تو اخلاص کے ساتھ ملتے ہیں، شیخ الاسلام صاحب جل گئے کہ اس بزرگ کی اتنی تعظیم بادشاہ کرتا ہے، ہمیں گھاس بھی نہیں ڈالتا، چلتے ہُوئے بادشاہ نے کچھ ہدیہ پیش کیا، نقدی کی تھیلی پیش کی، بزرگ فرمانے لگے کہ: بادشاہ سلامت! ہم اس کو کیا کریں گے؟ ہمارے کام کی چیز نہیں ہے، آپ لے جایئے ضرورت مندوں میں تقسیم کردیجئے، یہ میرے کام کی چیز نہیں ہے۔

جس کے دل میں دنیا کی عزت نہ ہو، مخلوق اس کی عزت کرتی ہے:

دنیا ایک ایسی چیز ہے، اس کا تجربہ کرو کہ جس شخص کے دل میں اس کی عزت نہ ہو، اس کی عزت ہمارے دل میں آجاتی ہے، اور جس کے دل میں اس کی حرص ہو، خواہ ہم اپنی جگہ کتنے بھی حریص ہوں دنیا کے لیکن دوسرے آدمی کے دل میں جب ہم دنیا کی محبت دیکھتے ہیں، روپے پیسے کی محبت دیکھتے ہیں تو اس کی قدر و قیمت ہمارے دل سے مٹ جاتی ہے، کم ہوجاتی ہے، تو اس بزرگ نے جب بادشاہ سے یہ بات کہی تو شیخ الاسلام صاحب نے یہ سمجھا کہ اس کی تو اور بھی وقعت بادشاہ کے دل میں پیدا ہوجائے گی، شیخ الاسلام نے وہی حدیث پڑھی جو میں نے ابھی پڑھی ہے کہ:

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدم کا بیٹا بوڑھا ہوتا رہتا ہے لیکن اس میں دو خصلتیں جوان ہوتی رہتی ہیں، یعنی پرورش پاتی رہتی ہیں، مال کی محبت اور دنیا میں زندہ

رہنے کی محبت۔“

شیخ الاسلام کا مقصد اس بزرگ پر چوٹ کرنا تھا کہ یہ چیزیں آپ میں بھی موجود ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان برحق ہے، لیکن نمائش کے طور پر آپ ترکِ دنیا ظاہر کرتے ہیں کہ مجھے دنیا کی ضرورت نہیں۔

وہ بزرگ فرمانے لگے کہ: حضرت! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”یہ دو خصلتیں جوان ہوتی رہتی ہیں“ جوان وہ ہوتا ہے جو پیدا ہوگیا ہو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ دو چیزیں یہاں پیدا ہی نہیں ہوئیں، پیدا ہوتیں تو جوان ہوتیں!

شیخ الاسلام صاحب اس بزرگ کا جواب سن کر اتنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

بادشاہوں کے حاشیہ نشین علمأ:

پھر وہ بزرگ فرمانے لگے کہ ایک حدیث میں بھی سنادوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اَلْعُلَمَاءُ اُمَنَاءُ الرُّسُلِ مَا لَمْ یُخَالِطُوا السُّلْطَانَ! فَاِذَا خَالَطُوا السُّلْطَانَ وَدَاخَلُوا الدُّنْیَا فَقَدْ خَانُوا الرُّسُلَ، فَاحْذَرُوْهُمْ!“ (کنز العمال ج:۱۰ حدیث:۲۸۹۵۳)

ترجمہ:......”علمأ رسولوں کے امین ہیں جب تک کہ حکومت کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں، بادشاہ کے قریب ہوکر نہ رہیں! اگر وہ بادشاہ کے قریب ہوکر رہیں، حکومت کے، اقتدار کے قریب ہوکر رہیں، تو ان سے بچو! (اس لئے کہ وہ دین کے ڈاکو ہیں)۔“

غلام احمد قادیانی کی طرح شیخ الاسلام صاحب مناظرہ ہار گئے!

محبتِ الٰہی اور حُبِّ دنیا یکجا نہیں ہوسکتیں:

اس کو حضرت ابودرداؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سوائے ان لوگوں کے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے، جس کو اپنا خوف، اپنی محبت اور اپنی رضا نصیب فرمادیتے ہیں ان کو دنیا کی محبت سے پاک فرمادیتے ہیں۔ ایک برتن میں دو چیزیں نہیں ڈالی جاسکتیں، پاک اور ناپاک، اور ایک ہی دسترخوان پر دونوں چیزوں کو یعنی گندگی کو اور پاک چیز کو جمع نہیں کیا جاسکتا، جن لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے لئے چن لیتے ہیں، ان کے دلوں کو دنیا کی محبت سے پاک کردیتے ہیں، اور جس شخص کے دل میں یہ محبت موجود ہے وہ سمجھے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں ہے، اور اگر اس کا نفس اس کو دھوکا دیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ہمیں بھی اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو وہ جھوٹ بولتا ہے، اس دل کے اندر اگر اللہ تعالیٰ کی محبت ہے تو ناپاک کی محبت نہیں ہوسکتی، اور ناپاک کی محبت جب تک ہے اور اس سے اس کا دل پاک نہیں ہوا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں ہے، ایسے لوگ بہت کم ہیں، بہت ہی کم ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ دنیا کی محبت سے پاک فرمادیتے ہیں، ان کے لئے آنا جانا برابر ہوتا ہے، دنیا آئے تو خوشی نہیں، جائے تو غم نہیں، ان کا ہارٹ فیل نہیں ہوتا، بہت سارے لوگوں کو اگر نقصان کی اطلاع مل جائے کہ مال کا نقصان ہوگیا ہے تو اسی وقت ان کو دل کا دورہ پڑجاتا ہے، معلوم ہوا کہ دنیا کی محبت دل کے اندر رچی بسی تھی۔

اللہ تعالیٰ اور دنیا کی محبت کے ثمرات واثرات:

دنیا کی محبت دل کو کمزور کرتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل کو قوی کرتی ہے، دنیا کی محبت تشویش لاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل کو سکون اور اطمینان کی دولت مہیا کرتی ہے، دنیا کی محبت کی مثال ایک خارش کی سی ہے، جیسے انسان کو کھجلی ہوتی

ہے، جتنی خارش کرتا رہے اتنا مزہ آتا رہتا ہے، اور جب خارش بند کردی تو جلن شروع ہوگئی، ہم لوگ بے حس ہوگئے ہیں، ہمارے دلوں میں احساس نہیں رہا، ورنہ ہمیں معلوم ہوتا کہ دنیا کی محبت سے دلوں پر کیا گزرتی ہے؟ قرآن کریم میں ہے:

"اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ." (الرعد:۲۸)

ترجمہ:......"سنو! اللہ تعالیٰ ہی کے ذکر سے اور اللہ تعالیٰ ہی کی یاد سے چین پڑتا ہے دلوں کو۔"

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر اطمینان ہے وہ بیچارے دھوکے میں ہیں، غرضیکہ یہ چیز لائق علاج ہے، قابل علاج ہے، جوانی آئی دنیا کی محبت بڑھتی گئی، ہم بھی بڑھ رہے تھے، یہ محبت بھی بڑھ رہی تھی، جوانی سے بڑھاپے میں قدم رکھا، ہم تو بوڑھے ہونا شروع ہوگئے مگر دنیا کی محبت ابھی تک جوان ہے، اور بڑھاپے سے قبروں تک قدم رکھا، لیکن اس کی جوانی ختم نہیں ہوئی، ہمارے تمام قویٰ جواب دے گئے، لیکن یہ جو دنیا کی محبت کی بلا ہمارے ساتھ لگی تھی یہ بوڑھی نہیں ہوئی، بلکہ جوان تر ہوتی گئی۔

دنیا کے لئے محنت کرنے والے کا انجام:

رضائے الٰہی کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے تو کوئی محنت نہیں کی تھی، محنت کی تھی صرف ان چیزوں کے لئے، تو جب مرگیا تو ان چیزوں کو دیکھ دیکھ کر حسرت کرے گا کہ ہائے کس چیز کو چھوڑ کر جارہا ہوں، بڑے شوق سے مکان بنایا تھا، بڑے شوق سے یہ کیا تھا، بڑے شوق سے وہ کیا تھا، یہ سب شوق دھرے کے دھرے رہ گئے تھے، اور جہاں جانا تھا یعنی قبر، اس کے لئے کوئی سامان ہی نہیں کیا، نہ کبھی وہاں کے لئے بجلی کی فٹنگ کی، نہ کبھی کوئی ٹارچ لے کر گئے، نہ کوئی وہاں بستر کا سامان کیا، نہ کوئی وہاں کی وحشت وتنہائی کے بارے میں سوچا، جیسے دنیا میں خالی ہاتھ

گئے تھے، یہاں سب کچھ کما کر یہیں چھوڑ کر چلے گئے۔

صرف دنیا کمانے والوں کی مثال:

کوئی غیر ملک کمانے کے لئے گیا ہوا ہو، اگر تو اس کو زرمبادلہ لانے کی اجازت مل جائے تو ٹھیک ہے، اور اگر سب کچھ وہیں کوئی چھین لیں تو اس نے دس بیس سال ضائع بھی کئے اور خالی ہاتھ آیا، اس کے دوست احباب، بیوی بچے پوچھیں گے کہ کیا لائے ہو؟ وہ کہے گا کہ: کچھ بھی نہیں لایا، سب کچھ چھین لیا گیا! اسی طرح ہم لوگ بھی یہاں محنتیں کر رہے ہیں، اور جب جائیں گے تو سب کچھ دنیا والے چھین لیں گے، جو اپنے اندر بھرلیا وہ تو ساتھ جائے گا، باہر کی تو سب چیزیں ہم سے چھین لی جائیں گی، کپڑے تک چھین لیتے ہیں اللہ کے بندے، یہ بھی نہیں کہتے کہ مولوی صاحب کے کپڑے ہی رہنے دو یار! ہم ان کو بہت اچھے اچھے کپڑے بنا کے دیا کرتے تھے، رہنے دو، لے کر جانے دو، کہنے لگے: نہیں صاحب! سلے ہوئے کپڑے بھی پہننے کا حکم نہیں ہے، چادر لپیٹ دیں گے، یعنی دو چادریں پہنادیں گے، بس! نہ عمامہ ہے، نہ کھستا ہے، دیکھتے ہو کس طرح چھینتے ہیں؟ تم خود ہی چھینتے ہو، اس غریب کو لحد میں دھکیل کر آجاتے ہو، کون سی چیز رہنے دی اس کے پاس؟ اے کاش! کہ مرنے سے پہلے ہمیں اس کی عقل آجاتی۔

دنیا کی محبت کا علاج چاہئے:

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ یہ چیزیں قابل علاج ہیں، اللہ والوں سے اس چیز کا علاج کروایا جاتا ہے، میرے دل کے اندر دنیا کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، یہ چیز قابل علاج ہے کہ دنیا کی محبت کس طرح نکل جائے؟ مال کی محبت کس طرح نکل جائے؟ مال کی محبت ہونے کا معیار کیا ہے؟ یہ چیزیں بزرگوں کے سامنے ذکر کرنے کی ہوتی ہیں، شیخ سے اصلاحی تعلق کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

ابن آدم کے معاملات کا مدار؟

دوسرا ارشاد حضرت ابودرداؑ رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ابن آدم کے تمام معاملے کا مدار تین چیزیں ہیں، جس کو تین چیزیں حاصل ہوگئیں سمجھو کہ اس کا بیڑا پار ہوگیا۔

۱:......ایک یہ کہ اپنی مصیبت کی کسی سے شکایت نہ کرو۔

۲:......دوسرا یہ کہ اپنے مرض کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرو۔

۳:......اور تیسری یہ کہ اپنی زبان سے اپنی صفائی اور پاکیزگی بیان نہ کرو، جی میں تو بے گناہ ہوں! اپنی بے گناہی کو تو زرداری اور بے نظیر بھی زبان سے بیان کریں گے:

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ! ذرا بندِ قبا دیکھ!

اپنی مصیبت کی شکایت مخلوق کے بجائے خالق سے کرو:

اپنی مصیبت کی شکایت اللہ تعالیٰ کے سامنے کرو، مخلوق کے سامنے نہ کرو، جب حضرت بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں روک لیا اور بھائی خالی ہاتھ گئے، انہوں نے جاکر اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا تھا: "اِنَّ ابۡنَکَ سَرَقَ" (تیرے بیٹے نے چوری کی ہے!)، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ: "بَلۡ سَوَّلَتۡ لَکُمۡ اَنۡفُسُکُمۡ اَمۡرًا فَصَبۡرٌ جَمِیۡلٌ" (نہیں! میرے بیٹے نے چوری نہیں کی ہے! بلکہ تمہارے نفسوں نے کچھ تدبیر بنائی ہے، پس صبر جمیل اختیار کرو)۔ حضرت یوسف علیہ السلام تو پہلے ہی سے گم تھے، ان کا بھائی بھی ہاتھ سے گیا، بے اختیار حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل سے آہ نکلی: "یٰۤاَسَفٰی عَلٰی یُوۡسُفَ وَابۡیَضَّتۡ عَیۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَهُوَ کَظِیۡمٌ." ہائے میری حسرت یوسف پر! (اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں) غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں، آنکھوں کا نور جاتا رہا، آنکھوں کی چمک ختم ہوگئی، اور اتنی شدت کا غم تھا گویا گلا گھٹا جاتا ہے۔ ”قَالَ اِنَّمَا اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ“ (میں اپنی پریشانی اور غم کا اظہار صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے کرتا ہوں)۔ کبھی کسی کے سامنے شکایت کی ہے میں نے؟ کبھی کسی بندے سے بھی تذکرہ کیا ہے اس کا؟ صرف ایک مالک سے شکایت کرتا ہوں اپنی پریشان کی بھی، اپنے غم کی بھی، اگر اس کے پاس بھی نہ کروں تو پھر کس کے پاس کروں؟

آفت و مصیبت کی شکایت عبدیت کے اظہار کے انداز میں کرو:

کوئی آفت، کوئی مصیبت آن پڑی، شکایت کرو، لیکن مولا کے سامنے کرو، شکایت بھی شکایت کے انداز میں نہیں، بلکہ اپنی حالتِ زار کو اس کے سامنے رکھو، اپنی عبدیت کا اظہار کرنے کے لئے، مخلوق کے سامنے اپنی شکایت نہ کرو، اس لئے کہ مخلوق خواہ چھوٹی ہو یا بڑی، آسمان والی ہو یا زمین والی، تمہاری شکایت رفع نہیں کرسکتی، ایک ہی ہے جو شکایتوں کو رفع کرسکتا ہے، اس لئے فرماتے ہیں: ”لَا تَشْکُ مُصِیْبَتَکَ“ اپنی مصیبت کی کسی کے سامنے شکایت نہ کرو سوائے اللہ تعالیٰ کے، اور اپنے درد کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرو، صرف اس کے سامنے کرو۔

حضرت ایوبؑ کا اظہارِ عجز:

حضرت ایوب صابر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سامنے کہہ رہے ہیں: ”اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ“ پروردگار! مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے، آپ ہٹاسکتے ہیں، لگانے والے بھی آپ ہیں، ہٹانے والے بھی آپ ہیں، وہاں کوئی دوا دارو کرنے کی ضرورت تھی، حکم دیا: ”اُرْکُضْ بِرِجْلِکَ“ اپنی ایڑی مارو زمین پر! ایڑی ماری چشمہ پھوٹ پڑا، ”هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ“ ٹھنڈا پانی پیو بھی اور نہاؤ بھی، حضرت ایوب علیہ السلام اس چشمہ میں غسل کر کے چودہویں رات کے چاند کی

طرح نکل آئے، تمام تکلیف دور ہوگئی، بتانا چاہتے تھے کہ اللہ پاک اگر بیماری لگانا چاہیں تو کوئی ہٹا نہیں سکتا، اور جب ہٹانا چاہیں تو اس کے لئے لمبی چوڑی تدبیروں کی ضرورت نہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے چشمے کے پانی سے غسل کیا، سب کچھ دور ہوگیا، تمام بیماریاں دور ہوگئیں۔

تکلیف دور کرنے کی دعا اور انداز:

اپنی تکلیف کا اظہار اللہ تعالیٰ کے سامنے کرو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے سامنے سجدے میں گر جاؤ اور یہی حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا پڑھو:

"اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ!"

ہمارے مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی رحمہ اللہ بیمار ہوگئے تھے، فرمانے لگے کہ: اب مجھے شفا ہوجائے گی! عرض کیا گیا: کس طرح شفا ہوجائے گی؟ فرمایا: میں نے سجدے میں یہ دعا کی: "اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ!" اور واقعی شفا ہوگئی۔

توفیق دعا قبولیت کی علامت:

اللہ پاک تم سے دعا منگواتے ہی اس لئے ہیں کہ ان کو منظور کرنا ہوتی ہے، اگر منظوری نہ دیں، تو تم سے دعا نہ کروائیں، تمہیں دعا کرنے کی توفیق نہ دیں، لیکن جیسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتے ہو ویسے اس کی رضا پر راضی رہو، دل میں تنگی کا مضمون نہیں آنا چاہئے:

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی رضائے تو

دل شدہ مبتلائے تو

زندہ کریں، آپ کی عطا ہے، مار ڈالیں آپ کی رضا ہے، آپ جو کچھ بھی کریں، جو بھی آپ کی رضا ہو، اس پر راضی ہوں۔

علاج مقصود ہے، شفا مقصود نہیں:

ہمارے حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے تھے: ''علاج مقصود ہے، شفا مقصود نہیں!'' تمہارا کام ہے، تمہیں علاج بتایا ہے، کرتے رہو!

چنانچہ ہمارے ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ: آخری دنوں میں مجھ سے حضرت حکیم الامتؒ نے اپنی بیماری کا تذکرہ کیا اور فرمایا: ''میاں! تمہارے ہاں اس کا علاج نہیں ہوتا؟'' میں نے کہا: حضرت ہوتا ہے! فرمایا کہ: ''پھر تم علاج کرو!'' عرض کیا: بہت اچھا! ساتھ ہی فرمایا: ''نتیجہ معلوم ہے!'' حضرت فرماتے ہیں: میں نے علاج شروع کیا (تو ذرا ہومیو پیتھک علاج نازک ہے، پرہیز بہت ہوتا ہے)، تو میں نے عرض کیا کہ: حضرت! اس میں تھوڑے پرہیز کی ضرورت ہوگی۔ ارشاد فرمایا: ''ہم نے تو کوئی پرہیز نہیں کروایا تھا! معمولی نوک پلک درست کرکے چلتا کردیا، یہ سارے دنیا بھر کے پرہیز ہمارے لئے رکھے تھے؟'' حضرتؒ فرماتے تھے کہ: یہ ارشاد سن کر مجھے سر سے پاؤں تک پسینہ آگیا۔ بھائی! بیماری کا آخری انجام کیا ہے؟ موت ہی ہے ناں! آخر مرنا نہیں ہے کیا؟ اس سے کیوں گھبرانا ہے؟ ہاں! علاج کرانا سنت ہے، علاج کراؤ! علاج اور تدبیر کرکے نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو، چاہیں گے تو شفا دے دیں گے، نہیں چاہیں گے تو ان کی رضا! ہمیں اپنے پاس لے جانا چاہیں گے بصد خوشی حاضر ہیں!

اپنی پاکیزگی بیان نہ کیا کرو:

اور تیسرا فقرہ یہ کہ اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرو، قرآن کریم میں آتا ہے:

''فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى.''

(النجم:۳۲)

اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کیا کرو کہ ہم بہت اچھے ہیں، یہ ہیں، وہ ہیں! اپنی صفائی دینے کی کوشش نہ کرو، اللہ تعالیٰ بہت بہتر جانتا ہے، تم میں سے جو بچنے والا ہے وہ متقی ہے، ارے مخلوق کے سامنے تو صفائی پیش کرتے ہو، کیا اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی صفائی پیش کرتے ہو؟ مخلوق کو تو تم کہہ سکتے ہو کہ تمہیں میرے بارہ میں بدگمانی ہوئی ہے، میں ایسا نہیں تھا، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، کیا اللہ تعالیٰ کو بھی کہو گے کہ تمہیں بدگمانی ہوئی ہے؟ نعوذ باللہ! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی پاکیزگی کا تصور کرتے ہو، اللہ پاک کے سامنے اپنی سراپا گندگی کا تصور کرو، اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ ہمیں چلتا پھرتا چھوڑ دیا، ورنہ یہ نجاست تو دفن کے لائق تھی، جس شخص کی نظر اس پر ہو وہ اپنے منہ سے تعریف نہیں کرے گا، اپنی صفائی پیش نہیں کرے گا، اور اگر کوئی کرتا ہے تو جھوٹا ہے!

مظلوم اور یتیم کی بددعا سے بچو!

تیسرے ارشاد میں فرمایا کہ: دو بددعاؤں سے بچو! ایک مظلوم کی بددعا سے اور ایک یتیم کی بددعا سے، یہ اس وقت آکر سر اٹھاتی ہیں جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں، مظلوموں کی بددعا سے بچو اور یتیموں کی آہ سے بچو!

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن تشریف لے جارہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"..... اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ!" (مشکوٰۃ ص:۱۵۵)

ترجمہ:..... "مظلوم کی بددعا سے بچتے رہنا، کیونکہ اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے (سیدھی عرش پر پہنچتی ہے)۔"

اسی کو فارسی شاعر کہتا ہے:

بترس از ہائے مظلوماں کہ ہنگامے دعا کردند

اجابت از درے حق بہرے استقبال می آیند!

مظلوم کی بددعا سے بچو! اس لئے کہ جب وہ دعا کرتے ہیں تو قبولیت کے استقبال کے لئے عرشِ الٰہی سے آتے ہیں، اور اسی طرح یتیم کی بددعا سے بچو، یتیم کا مال نہ کھاؤ، خواہ تیجہ، دسواں اور چالیسویں کے عنوان سے ہو، یتیم پر ظلم نہ کرو، اور یتیم کا مال نہ ہتھیاؤ، اس لئے کہ ان کی آہ لگتی ہے تو بیڑا غرق کردیتی ہے۔

مظلوم چاہے کافر بھی کیوں نہ ہو:

کراچی مین کتنے بچے یتیم کئے گئے؟ ان کی آہیں نہیں لگیں گی؟ کتنے بے گناہوں کو تختۂ ستم بنایا گیا، کیا ان کی آہیں رائیگاں جائیں گی؟ ایک نکتہ یاد رکھو! مظلوم کا ولی اللہ ہونا شرط نہیں ہے کہ مظلوم اگر ولی اللہ ہو تو اس کی بددعا قبول ہوتی ہے، مظلوم کوئی بھی ہو اس کی بددعا لگتی ہے، حتیٰ کہ فاجر و فاسق بلکہ کافر ہو تو اس کی بھی بددعا آدمی کو مار دیتی ہے، اس لئے کسی شخص پر ظلم و ستم کرنا، کسی کے ساتھ زیادتی کرنا، کسی کا حق اپنے ذمے لینا اس سے ڈرو! اور یہ قیامت تک ساتھ نہیں چھوڑتی، چاہے جتنی معافیاں اللہ تعالیٰ سے مانگو، پھر معافی بھی نہیں ملتی جب تک صاحبِ حق خود معاف نہ کردے۔

بے کس پر ظلم بدترین ظلم ہے:

اور ایک ارشاد میں فرمایا کہ: میرے نزدیک سب سے بری صورت حال یہ ہے کہ میں ایسے آدمی پر ظلم کروں جو میرے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مدد نہیں لے سکتا۔ لوگ تو یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا کوئی نہیں ہے، کوئی تھانے کچہری والا اس کا واقف نہیں، کوئی بڑا آدمی اس کی سفارش کرنے والا نہیں، اور کوئی اس کے ساتھ جتھا

نہیں جو پیروی کر سکے، اس کی کوئی حیثیت نہیں، کچل دو! مار دو! لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ سب سے بڑا اس کے ساتھ ہے!

ضعفاً کے ساتھ ربُّ الضعفاً ہے:

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے: "یا رب الضعفاء!" (اے کمزوروں کے رب!) مجھے یہ دعا بہت پیاری لگتی ہے، مجھے یہ لفظ بہت مزہ دیتا ہے۔

"یا رب الضعفاء!" اے کمزوروں کے رب! جن کا دنیا میں شنواں کوئی نہیں، جن کو سننے والا کوئی نہیں، تو ان کا بھی رب، اور تو ان کا بھی انتقام لیتا ہے، تو ان کی بھی فریاد رسی کرتا ہے، اور مدد کرتا ہے، تم یہ دیکھتے ہو کہ اس کا کوئی نہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ سب سے بڑا اس کے ساتھ ہے! اور جس کا کوئی نہیں ہوتا، اس کا خدا ساتھ ہوتا ہے، اور اللہ نہ کرے، اللہ نہ کرے اگر اللہ تعالیٰ کسی سے انتقام لیں تو پھر اس کا جو حشر ہونا چاہئے وہ ہوتا ہے!

ایک بزرگ کی توہین کا بدلہ:

میں نے آپ کو یہ قصہ سنایا تھا کہ ایک بزرگ تھے، ان کو کسی نے برا بھلا کہہ دیا، اب وہ بزرگ اپنے ساتھی سے کہنے لگے کہ: فوراً اس کے ایک تھپڑ لگادو! اس نے ذرا تھوڑی دیر اور تاخیر کردی اور وہ آدمی وہیں پھسلا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی، یہ بزرگ اپنے ساتھی سے کہنے لگے کہ: تو نے اس کی ٹانگ توڑ دی! اگر تو اس کے تھپڑ لگادیتا تو اس کی ٹانگ نہ ٹوٹتی! میں نے اس لئے کہا تھا کہ میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ ہے کہ اگر میں کسی کی زیادتی کا بدلہ خود لے لوں تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ: ٹھیک کردیا، مسئلہ حل ہوگیا! اور اگر میں انتقام نہ لوں تو وہ خود آکر انتقام لیتے ہیں۔

جو انتقام نہیں لیتا اس کا انتقام اللہ لیتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اسی بزرگ پر منحصر نہیں، اس معاملے میں تم سارے ہی بزرگ ہو، جو شخص انتقام نہیں لے سکتا، اللہ تعالیٰ اس کا انتقام خود لیتے ہیں، اِلّا یہ کہ تم معاف کردو، اللہ تعالیٰ سے کہہ دو کہ ہماری صلح ہوگئی ہے، مقدمہ داخل دفتر کردو تو دوسری بات ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ انتقام لیتے ہیں۔ تاہم جلد بازی نہیں کرتے، بندوں کو مہلت دیتے ہیں کہ یہ نادان ہیں، آپس میں معاملہ درست کرلیں، غرضیکہ ایسا کوئی شخص جس کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی انتقام لینے والا نہ ہو، اس پر ظلم کرتے ہوئے زیادہ ڈرو! مخلوق کے انتقام کی تو تم تاب لاسکتے ہو، اللہ تعالیٰ کے انتقام کی تم تاب نہیں لاسکتے!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

مخلوق کے ساتھ حسن سلوک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

حدیث شریف میں ہے:

"اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللهِ! فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ." (مشکوٰۃ ص:۴۲۵)

ترجمہ:...... "مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، (جیسے کوئی گھر کا بڑا ہوتا ہے، گھر کے تمام افراد اس کا کنبہ ہوتے ہیں) اللہ کے بندوں میں اللہ کو سب سے زیادہ وہ شخص محبوب ہے جو اس کے کنبہ میں سب سے زیادہ احسان کرنے والا ہو (ظلم و زیادتی کرنے والا نہ ہو، بلکہ احسان کرنے والا ہو، حسن سلوک کرنے والا ہو)۔"

کسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا یہ بھی رحمت کا شعبہ ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ، مَنْ لَّا یَغْفِرُ لَا یُغْفَرُ."

(کنز العمال ج:۳ حدیث:۵۹۶۶)

ترجمہ:......''جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا، اور جو بخشتا نہیں وہ بخشا نہیں جاتا۔''

بخشنے کا مطلب؟

بخشنے کا مطلب ہوتا ہے کہ کسی نے کسی کا قصور کیا ہو اور وہ اس کو معاف کردے اور انتقام نہ لے، اس کو بخشنا کہتے ہیں، جو صاحبِ معاملات ہیں، جن کے ساتھ میل ملاپ، برتاؤ رہتا ہے، تعلقات رہتے ہیں، کوئی نہ کوئی ناگواری پیش آہی جاتی ہے، کل یہاں کچھ مولویوں کی جماعت آئی ہوئی تھی، کوئی گفتگو تھی، مولوی بھی کبھی کبھی لڑ پڑتے ہیں، بلکہ مولوی زیادہ لڑتے ہیں، عوام کی لڑائی کم ہوتی ہے، مولویوں کی لڑائی زیادہ ہوتی ہے۔

کوئی اپنے کو قصوروار نہیں جانتا:

میں نے ان دوستوں سے کہا کہ انسان کی نفسیاتی کمزوری ہے کہ جب اس کا معاملہ دوسروں کے ساتھ ہوتا ہے، تو اپنے تصور میں وہ اپنے آپ کو فرشتہ سے زیادہ معصوم سمجھتا ہے اور اپنے بارہ میں یہ تصور کرتا ہے کہ مجھ سے تو غلطی ہو ہی نہیں سکتی، خدانخواستہ اگر کوئی کسی غلطی کو ان مولانا کی طرف منسوب کردے تو پھر وہ بیچارہ مارا گیا، اس کی دنیا بھی تباہ، آخرت بھی تباہ، اس کے معتقد کہتے ہیں کہ یہ بیوقوف ہمارے حضرت کی طرف غلطی منسوب کرتا ہے، توبہ کرو، کیا کسی فرشتہ سے بھی غلطی ہوسکتی ہے؟ گویا اپنے آپ کو آدمی فرشتہ سے زیادہ معصوم سمجھتا ہے، اس لئے کسی قیمت پر بھی اپنی طرف غلطی کا منسوب کیا جانا برداشت نہیں کرتا، اور اگر کوئی ہماری طرف کسی غلطی و زیادتی کو منسوب کرتا ہے کہ تم سے یہ زیادتی کوتاہی ہوئی ہے، تو ہمارا ضمیر بلکہ ضمیر میں چھپا ہوا چور اس کا فوراً انکار کرتا ہے اور پُرزور تردید کرتا ہے، اور اپنے مدمقابل کو شیطان سے بھی زیادہ پُرعیب سمجھتا ہے، کوئی ذرا سی معمولی بات اس کے بارے میں

کہہ دے تو کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ کہتا ہے یہ ہے ہی شیطان، شیطان کی طرف جو برائی بھی منسوب کی جائے بجا ہے، یہ انسانی کمزوری ہے۔

مخلوق کے ساتھ عدل کا معاملہ کریں تو...

واقعہ یہ ہے کہ اگر ترازو کے دونوں پلڑوں کو برابر رکھتے ہوئے (جس کو عدل کہتے ہیں) ہم اللہ کی مخلوق کے ساتھ معاملہ کریں تو ہماری یہ کیفیت نہ ہو، بلکہ اس کے برعکس کیفیت یہ ہوگی کہ اپنے کو غلطی پر سمجھیں، اور دوسرے کو بری سمجھیں گے، بلکہ اس کو غلط فہمی میں مبتلا سمجھیں گے، جس سے جھگڑا ہی ختم ہو جائے گا۔

جھکتا تولیں تو ہم ہی مجرم ہیں:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بازار میں تشریف لے جاتے تھے، تو دکانداروں سے فرماتے تھے کہ: ”زِنْ وَارْجِحْ“ (مشکوٰۃ ص:۲۵۳) تول کر دو اور جھکتا ہوا دو، تم لوگوں سے معاملہ کرتے ہوئے جھکتا ہوا کیوں نہیں دیتے کہ اپنے کو بہ نسبت دوسروں کے زیادہ خطاوار سمجھو، پھر جھگڑا کیا ہوگا؟

دوسرا خطاکار ہے تو فرشتہ آپ بھی نہیں:

یہ جو میں نے کہا کہ عدل یہ ہے کہ ترازو کے دونوں پلڑے برابر رکھو، دوسرا بھی بیچارا خطاکار انسان ہے، اس سے بھی غلطی ہو سکتی ہے، اس سے تمہاری شان میں بھی کوئی بے ادبی ہوگئی ہوگی، اور تم بھی بہرحال بشر ہی ہو، معصوم فرشتہ نہیں ہو، آخر کوئی نہ کوئی کوتاہی و بے رغبتی تمہاری جانب سے بھی ہو جاتی ہوگی اور ہوگئی ہوگی، دونوں کو برابر رکھ کر ہم معاملہ کریں اور اپنے بارے میں فیصلہ کرنے بیٹھیں، تو پھر ہمیں نظر آئے گا کہ ہمارا قصور زیادہ ہے، لوگوں کا کم ہے، اگر انصاف کیا جائے تب تو یہ ہے کہ ہم برابر ہیں، لیکن اگر جھکتا ہوا دو، تو ہمارا پلڑا بھاری ہے، یعنی ہماری غلطیاں اور ہماری بشریت بھاری ہے، کیونکہ ہم بات کہتے ہیں اور بھول جاتے ہیں، بات کہتے

ہوئے ہماری زبان محتاط نہیں رہتی، کبھی کسی سیاق و سباق میں، کبھی کسی پہلو سے، کبھی کسی انداز میں ہم دوسروں کے بارے میں بات کر لیتے ہیں اور پھر ہم اپنے آپ کو پاک صاف بھی سمجھ لیتے ہیں، تو میرے بھائی! سارا فساد ہمارے اس نفس سے پیدا ہوا، اگر سارے کے سارے لوگ اپنے بھائیوں کے ساتھ وہ معاملہ کرتے جو اپنے ساتھ کیا جانا چاہیئے، یا اپنے آپ کو اس سطح کی مخلوق سمجھتے جس سطح کی مخلوق دوسروں کو سمجھتے ہیں، تو تھوڑا سا جھکاؤ ہم میں بھی پیدا ہو جاتا۔

اپنی کوتاہیوں کے بارہ میں جو چاہت ہے وہی دوسروں کے لئے بھی ہو:

جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے قصوروں کو، ہماری غلطیوں کو، ہماری کوتاہیوں کو نظر انداز کر دیا جائے، اس کا تذکرہ نہ کیا جائے، میں بھی یہی چاہتا ہوں، آپ بھی شاید یہی چاہتے ہوں گے، ہیں تو ہم سب قصوروار لیکن یہ اچھا نہیں لگتا کہ لوگ میری غلطیوں کا تذکرہ کریں، اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہماری کوتاہیوں کا، ہماری غلطیوں کا، ہمارے قصوروں کا، ہمارے گناہوں کا لوگ چرچا نہ کریں، اس معاملہ میں اپنی زبان بند رکھیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم خود لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتے؟ دوسرے بھی آخر انسان ہیں، ان سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔

غیر کی آنکھ کا تنکا:

حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول نقل کیا گیا ہے کہ: اے شخص! تجھے دوسرے کی آنکھ کا تنکا نظر آتا ہے مگر اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔'' دوسروں کے قصور کو ہم خوردبین لگا کر دیکھتے ہیں، اور لاؤڈ اسپیکر کی طاقت کے ساتھ اس کا بیان و چرچا کرتے ہیں، دوسروں کی نظر آنے والی برائیوں کو ہم دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں، ہماری عقابی نظریں وہاں تک پہنچ جاتی ہیں، اور ہماری پروپیگنڈہ مشینری دوسروں کے عیوب

کو بیان کرنے کے لئے پوری قوت کے ساتھ حرکت میں آتی ہے، جب تک ہم اس کا چرچا نہ کرلیں، پیٹ میں نفخ ہوجاتا ہے۔

کیا لوگ ہمارے عیوب کو اچھالیں؟

کیا تم بھی اپنے ساتھ یہی چاہتے ہو کہ لوگ خوردبین لگا لگا کر تمہارے اندر کے چھپے ہوئے جراثیم دیکھا کریں؟ اور تم چاہتے ہو کہ لوگوں کی زبانیں قینچیوں کی طرح تمہاری عزت کو تار تار کردیں؟ کاٹیں؟ اگر نہیں چاہتے ہو تو پھر لوگوں کو معاف کردو، اگر کسی کی کوتاہی تمہاری نظر میں آئی اس پر پردہ ڈال دو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ." (کنز العمال ج:۳ حدیث:۶۳۸۱)

ترجمہ:......"جو اپنے مسلمان بھائی کے عیب پر پردہ ڈالے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیوب پر پردہ ڈالیں گے۔"

جو دوسروں کو نہ بخشے، اسے نہیں بخشا جائے گا:

اور خوب یاد رکھو: "مَنْ لَّا يَغْفِرُ لَا يُغْفَرُ!" اگر تم لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرو گے تو پھر یہ توقع مت رکھو کہ اللہ پاک تمہارے قصوروں کو بھی معاف کردیں، یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے۔

اپنی ذات پر تنقیدی نگاہ ڈالو:

تمہیں لوگوں کے چھاج کے سوراخ نظر آتے ہیں، کبھی اپنی چھلنی کو بھی دیکھ لیا کرو، جس میں بہتر چھید ہیں، ہماری کون سی کل سیدھی ہے؟ ہمارا کون سا معاملہ درست ہے؟ کبھی یہی تنقیدی نظر جو لوگوں پر ڈالتے ہو، اپنے اوپر بھی ڈال دیا کرو، ہم

اس کے تو روادار نہیں مگر بایں ہمہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اللہ پاک ہمارے عیوب پر پردہ ڈالے رکھے، حدیث شریف میں بھی ہمیں یہی دعائیں سکھلائی گئی ہیں، چنانچہ حدیث کی ایک دعا ہے:

''اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَّوْعَاتِنَا''

ترجمہ:......''یا اللہ! ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دے اور جتنی خوف کی چیزیں ہماری ہیں، ان کو امن سے بدل دے۔''

ہر آدمی یہ چاہتا ہے، ہر آدمی کو یہ دعا کرنی چاہئے:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ.''

ترجمہ:......''یا اللہ! میں آپ سے عفو و عافیت کی درخواست کرتا ہوں، دین میں بھی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

اور دوسری حدیث میں ہے:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَاَهْلِیْ وَمَالِیْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَّوْعَاتِیْ.'' (ابوداؤد ج:۲ ص:۳۳۶)

ترجمہ:......''یا اللہ! میں آپ سے عفو و عافیت چاہتا ہوں (عفو کا معنی ہے معافی) اپنے دین کے معاملہ میں، اپنی دنیا کے معاملہ میں، اپنے اہل کے معاملہ میں، اپنے مال کے معاملہ میں۔ یا اللہ! ڈھانپ دے میرے عیوب کو اور امن عطا فرما مجھے خوف کی چیزوں سے۔''

اور ایک دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی:

"اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِیْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَمِنْ خَلْفِیْ وَعَنْ یَّمِیْنِیْ وَعَنْ شِمَالِیْ وَمِنْ فَوْقِیْ وَاَعُوْذُ بِعَظْمَتِکَ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِیْ." (ابوداؤد ج:۲ ص:۳۳۶)

ترجمہ:...... "یا اللہ! میری حفاظت فرما آگے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے، اوپر سے اور میں آپ کی پناہ میں آتا ہوں آپ کی عظمت کے سبب اس بات سے کہ ہلاک کیا جاؤں پاؤں کے نیچے سے۔"

ستاری کا مطلب؟

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھلائی ہوئی دعائیں ہیں، یہاں پر میرا مقصد اتنا ہی بیان کرنا ہے کہ یہ جو ہم دعا کرتے ہیں: "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَاٰمِنْ رَّوْعَاتِیْ" یا اللہ! میرے عیوب کو ڈھانپ دے، جب تم اللہ سے درخواست کرتے ہو اور اس کے کرم کی توقع بھی رکھتے ہو کہ اللہ پاک تمہارے عیوب کو ڈھانپ دے اور ڈھانپنے کا پتہ ہے کیا مطلب ہوتا ہے؟ ڈھانپنے کا مطلب یہ ہے کہ جیسے ڈھکی ہوئی چیز نظر نہیں آتی، یعنی کسی چیز کو کپڑا ڈال کر ڈھانک دیا یا کوئی اور چیز اس پر دے دی، اور وہ نظر نہیں آتی، اسی طرح میرے ان عیوب کو ڈھانک دے، یا اللہ! میرے عیوب تو ایسے ہیں کہ ہر ایک کو نظر آئیں گے، آپ ان کو اپنے ستر جمیل کے ساتھ ایسے ڈھانک دیں کہ کسی کو نظر نہ آئیں۔ پھر ایک تو عیوب ہوتے ہیں اور ایک ان عیوب کی بدبو ہوتی ہے، جیسے کسی کے بدن پر پھوڑا نکلا ہوا ہے، وہ ڈھانک دیا، کپڑا اوپر رکھ دیا تو وہ ڈھک گیا، کسی کو کچھ پتہ نہیں کہ کپڑے کے نیچے کیا ہے؟ لیکن تھوڑی سی بدبو بھی آتی ہے، پیپ وغیرہ نکلتی ہے، تو اس کا ڈھانکنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس کی بدبو سے بھی محفوظ رکھے، اور سچی بات یہ ہے کہ ہمارے اندر کے جو عیوب ہیں اگر اللہ تعالیٰ

ستاری کا معاملہ نہ فرمائیں اور اپنی خاص عنایت اور اپنے لطف و کرم سے ان کو ڈھانک نہ دیں تو انسان کا ہمارے پاس بیٹھنا بھی مشکل ہوتا۔

گناہوں کی بدبو ہوتی تو...

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ: اگر گناہوں کی بدبو ہوتی تو کوئی آدمی میرے پاس بیٹھ نہ سکتا! اور بالکل صحیح فرماتے ہیں، میرا بھی ذوق یہی ہے، اگر اندر کے اخلاقِ رذیلہ جو ہمارے دل میں ہیں، چھپے ہوئے ہیں اور جن سے ہم واقف ہیں یا ہمارا اللہ واقف ہے، اگر ان کی بدبو ہوتی تو بیوی بچے ہمیں گھر میں نہ رہنے دیتے، باہر نکال دیتے، تمہارا مالک تو تمہارے ساتھ یہ ستاری کر رہا ہے، تمہارے عیوب کو ڈھانک رہا ہے، کسی کو پتہ نہیں چلنے دیتا، تمہارا ظاہر بھی حسین بنادیا، ظاہر میں تم پر خوشبو لگادی کہ لوگ تم سے لپٹیں، اور اندر کی بدبو تمہاری ڈھک دی ہے کہ کسی کو پتہ نہ چلے، تمہارے عیوب پر پردہ ڈال دیا۔

کیا تمہیں معاف نہ کیا جائے؟

مگر افسوس کہ اللہ کی ستاری سے مغرور ہوکر اب تم چاہتے ہو کہ جس نے ہم پر ظلم کیا ہے، ہم اس کو معاف نہ کریں گے، یہ تمہارا بہت اچھا دعویٰ ہے، معاف نہ کرو، ہرگز معاف نہ کرو، لیکن یہ بات سمجھ رکھو کہ جیسے تم کسی کو معاف کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہو، اللہ بھی تمہارے قصور کو معاف نہیں کرے گا، بتاؤ اس بات پر راضی ہو؟ سودا کرنا چاہتے ہو؟ ابھی آپ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک سنا کہ: جو معاف نہیں کرتا اس کو معاف نہیں کیا جاتا، جو آدمی لوگوں کے عیوب نہیں ڈھانکتا اس کو ڈرنا چاہئے کہ اللہ پاک کہیں میرے عیب سے بھی پردہ نہ اٹھادے، وہ کبیر ہے، وہ حلیم ہے، اپنے حلم کے ساتھ اس نے ہم پر پردہ ڈالا ہوا ہے، ایسا نہ ہو کہ اللہ کے بندوں کے درپے آزار ہونے کی وجہ سے کبھی تھوڑا سا پردہ تمہارے عیوب سے بھی ہٹا کر

لوگوں کو دکھلا دے، اور یہی رسوائی ہے، میں نے آپ کو حدیث شریف کی ایک دعا سنائی تھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بڑے اہتمام سے یہ دعا پڑھا کرتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ وَلَا تُعَذِّبْنِیْ فَاِنَّکَ عَلَیَّ قَادِرٌ." (کنز العمال ج:۲ حدیث:۵۱۲۶)

ترجمہ:......"اے پروردگار! مجھ کو رسوا نہ کیجو، آپ تو مجھے جانتے ہی ہو، (ہم بندوں کی نظروں سے چھپ سکتے ہیں لیکن اللہ کی نظروں سے نہیں چھپ سکتے) اور مجھے عذاب نہ دیجیو! آپ مجھ پر قدرت رکھتے ہو ناں!"

اللہ جب چاہے ہمیں پکڑ لے:

جب چاہے اللہ تعالیٰ پکڑ لے، جس چیز پر چاہے پکڑ لے، یہ جو تم بڑے مزے سے عبادت کرنے آئے تھے، جمعہ پڑھنے کے لئے آئے تھے، اگر اللہ چاہے تو تمہاری اس نماز پڑھنے پر تمہیں پکڑ لے کہ نالائق! کیسی نماز پڑھتے ہو؟ گناہوں پر نہیں، ہماری عبادتوں پر ہمیں پکڑ لے، یہ کریم آقا کا حلم ہے کہ تمہیں پکڑتے نہیں ہیں، اور تم ہو کہ لوگوں کے عیوب کو تلاش کرتے پھرتے ہو، اس کو لوگوں کے سامنے گاتے پھرتے ہو۔

جو توبہ نہیں کرتا...

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"وَمَنْ لَّا یَتُبْ لَا یَتُوْبُ اللّٰہُ عَلَیْہِ!"

(کنز العمال ج:۳ حدیث:۵۹۲۶)

ترجمہ:......"جو توبہ نہیں کرتا اس کی طرف حق تعالیٰ شانہ کی عنایت و رحمت متوجہ نہیں ہوتی۔"

بندے کو چاہئے کہ ہمہ وقت اپنے عیوب پر نظر رکھتے ہوئے اللہ کی بارگاہِ عالی میں توبہ کرتا رہے، یہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہے، اور اگر یہ توبہ نہ کرے تو یہ اللہ کی خصوصی عنایت و توجہ کا مستحق نہیں ہے، ویسے تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہر وقت شامل حال رہتی ہے، شیخ سعدی رحمہ اللہ کے بقول کہ:

ادیم زمین سفرائے عام اوست
کہ دشمن بریں خانہ یغما چہ دوست

یہ روئے زمین اس مالک کا دسترخوان بچھا ہوا ہے، سب دوست و دشمن یہاں پر کھا کھا کر جا رہے ہیں، کسی کو روک ٹوک نہیں، دوست آئے، دشمن آئے جو آئے کھائے۔

فرعونیت چھوڑ دو:

لیکن ایک عوام کے ساتھ عنایت ہوتی ہے، اور ایک اپنے خاص بندوں کے ساتھ ہوتی ہے، خاص بندوں کے ساتھ اللہ رب العزت کی عنایت اسی وقت ہوتی ہے جبکہ وہ عبدیت بجالائیں، بندے بن کر آئیں، نافرمان نہیں، فرمانبردار بن کر آئیں، سرکش نہیں بلکہ مطیع بن کر آئیں، فرعون نہیں بلکہ متوازن بن کر آئیں، اور خدا نہیں بلکہ بندے بن کر آئیں، اپنی خدائی کا تاج باہر پھینک کر آئیں، یہ دماغ میں جو سودا سمایا ہوا ہے اپنی خدائی کا، اس کو پھینک کر آئیں، ذہن میں سمائی ہوئی اس خدائی کو گھر کی کنڈی پر لٹکا کر آیا کرو۔

مسجد میں کوئی صاحب بہادر نہیں:

مسجد میں آتے ہو تو اپنی خدائی کا تاج وہیں چھوڑ آیا کرو، مسجد میں نہیں، مسجد میں صرف تم بندے ہو، یہاں نہ کوئی صاحب بہادر ہے، نہ کوئی سیٹھ جی ہے اور نہ کوئی

فلاں افسر ہے، یہاں کچھ بھی نہیں ہو، یہ اپنے القاب وآداب کی تمام کی تمام پگڑیاں اور تاج وہیں ہی چھوڑ کر آیا کرو، یہاں جب آؤ تو بندے بن کر آؤ، یہاں سب برابر ہیں، یہ اس سرکارِ عالی کا دربار ہے، یہاں سب بندے ہیں، ہاں! یہ الگ ہے کہ کچھ زیادہ گناہگار ہوں گے، کوئی کم گناہگار ہوں گے، کوئی زیادہ قصوروار ہوں گے، کوئی کم قصوروار ہوں گے، کسی میں عیوب زیادہ پائے جاتے ہوں گے، کسی میں عیوب کم پائے جاتے ہوں گے، لیکن یہاں آکر دوسروں کے عیوب کو نہ دیکھو، اپنے گریبان میں جھانکو، تم اگر غور کرو گے تو تمہارے اندر کا آدمی تمہیں خود کہے گا کہ اللہ کی مخلوق میں مجھ سے زیادہ پاپی اور گناہگار کوئی دوسرا نہیں ہے، یہ خان صاحبی کیوں ساتھ ملاتے ہو؟ یہ صاحب بہادری کیوں ساتھ لگاتے ہو؟ یہ تمام اپنے القابات باہر رکھ کر آیا کرو، اللہ کی بارگاہ میں آؤ تو بندے بن کر آؤ، جو بندہ بن کر آئے، اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے آئے اور اللہ سے معافی مانگتے ہوئے آئے، اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہوئے آئے، اس کی طرف تو عنایت خاص متوجہ ہوتی ہے، پھر جس درجہ کی توبہ ہے اسی درجہ کی عنایت بھی ہوگی، لیکن جو توبہ نہیں کرتا ہے اس پر عنایت نہیں ہوتی، اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جاتی، توبہ کیسے قبول کی جاتی، جبکہ اس نے توبہ ہی نہیں کی۔

جو تقویٰ نہ اپنائے اُسے نہیں بچایا جاتا:

اور اب اس خطبہ کا آخری فقرہ ہے: جو شخص تقویٰ اختیار نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کو بچاتا نہیں ہے۔

قرآن کریم میں ہے کہ:

"وَمَنْ يَّتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَّهُ مَخْرَجًا. وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ." (الطّلاق:۲،۳)

اور جو ڈرے اللہ سے، اللہ تعالیٰ پیدا کردیتے ہیں اس کے لئے نکلنے کی

صورت، یعنی مشکل جگہ سے نکلنے کی صورت پیدا کردیتے ہیں، اور اس کو رزق دیتے ہیں ایسی جگہ سے کہ اس کو وہم وگماں بھی نہیں ہوتا۔ اور دوسری آیت میں فرمایا کہ:

"وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا."

(الطلاق:۴)

جو شخص تقویٰ اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ میں آسانی پیدا فرمادیتے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

مال،
اہل وعیال
اور اعمال،
زیادہ مفید کون؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمًا لِاَصْحَابِهٖ: أَتَدْرُوْنَ مَا مَثَلُ اَحَدِكُمْ وَمَثَلُ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ وَعَمَلِهٖ؟ فَقَالُوْا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ! فَقَالَ: اِنَّمَا مَثَلُ اَحَدِكُمْ وَمَثَلُ مَالِهٖ وَاَهْلِهٖ وَوَلَدِهٖ وَعَمَلِهٖ كَمَثَلِ رَجُلٍ لَهٗ ثَلَاثَةُ اِخْوَةٍ فَلَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَعَا بَعْضَ اِخْوَتِهٖ فَقَالَ: اِنَّهٗ قَدْ نَزَلَ بِیْ مِنَ الْاَمْرِ مَا تَرٰی، فَمَا لِیْ عِنْدَكَ وَمَا لِیْ لَدَیْكَ؟ فَقَالَ: لَكَ عِنْدِیْ اَنْ اُمَرِّضَكَ وَلَا اَنْ اُمَلِّكَ وَاَنْ اَقُوْمَ بِشَأْنِكَ، فَاِذَا مِتَّ غَسَّلْتُكَ وَكَفَّنْتُكَ وَحَمَلْتُكَ مَعَ الْحَامِلِیْنَ، اَحْمِلُكَ طَوْرًا وَاَمِیْطُ عَنْكَ طَوْرًا، فَاِذَا رَجَعْتُ اَثْنَیْتُ عَلَیْكَ بِخَیْرٍ عِنْدَ مَنْ یَّسْأَلُنِیْ عَنْكَ. هٰذَا اَخُوْهُ الَّذِیْ هُوَ اَهْلُهٗ فَمَا تَرَوْنَهٗ؟ قَالُوْا: لَا نَسْمَعُ طَائِلًا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ثُمَّ یَقُوْلُ لِاَخِیْهِ الْاٰخَرِ: اَتَرٰی مَا قَدْ نَزَلَ بِیْ فَمَا لَدَیْكَ

وَمَا لِیْ عِنْدَکَ؟ فَیَقُوْلُ: لَیْسَ لَکَ عِنْدِیْ غِنَاءٌ اِلَّا وَاَنْتَ فِی الْاَحْیَاءِ، فَاِذَا مِتَّ ذُهِبَ بِکَ فِیْ مَذْهَبٍ وَذُهِبَ بِیْ فِیْ مَذْهَبٍ! هٰذَا اَخُوْهُ الَّذِیْ هُوَ مَالُهٗ کَیْفَ تَرَوْنَهٗ؟ قَالُوْا: لَا نَسْمَعُ طَائِلًا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ثُمَّ یَقُوْلُ لِاَخِیْهِ الْآخَرِ: اَتَرٰی مَا قَدْ نَزَلَ بِیْ وَمَا رَدَّ عَلَیَّ اَهْلِیْ وَمَالِیْ فَمَا لِیْ عِنْدَکَ وَمَا لِیْ لَدَیْکَ؟ فَیَقُوْلُ: اَنَا صَاحِبُکَ فِیْ لَحْدِکَ وَاَنِیْسُکَ فِیْ وَحْشَتِکَ وَاَقْعُدُ یَوْمَ الْوَزْنِ فِیْ مِیْزَانِکَ فَاُثْقِلُ مِیْزَانَکَ! هٰذَا اَخُوْهُ الَّذِیْ هُوَ عَمَلُهٗ کَیْفَ تَرَوْنَهٗ؟ قَالُوْا: خَیْرُ اَخٍ وَخَیْرُ صَاحِبٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: فَاِنَّ الْاَمْرَ هٰکَذَا! قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا: فَقَامَ اِلَیْهِ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ کُرْزٍ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَتَأْذَنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ عَلٰی هٰذَا اَبْیَاتًا؟ فَقَالَ: نَعَمْ! فَذَهَبَ فَمَا بَاتَ اِلَّا لَیْلَةً حَتّٰی عَادَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَوَقَفَ بَیْنَ یَدَیْهِ وَاجْتَمَعَ النَّاسُ وَاَنْشَأَ یَقُوْلُ:

فَاِنِّیْ وَاَهْلِیْ وَالَّذِیْ قَدَّمَتْ یَدِیْ
کَدَاعٍ اِلَیْهِ صَحْبَهٗ ثُمَّ قَائِلٍ
لِاِخْوَتِهٖ اِذْ هُمْ ثَلَاثَةُ اِخْوَةٍ
اَعِیْنُوْا عَلٰی اَمْرٍ بِیَ الْیَوْمَ نَازِلٍ
فِرَاقٌ طَوِیْلٌ غَیْرَ مُتَّشِقٍ بِهٖ
فَمَاذَا لَدَیْکُمْ فِی الَّذِیْ هُوَ غَائِلٍ
فَقَالَ امْرُؤٌ مِنْهُمْ اَنَا الصَّاحِبُ الَّذِیْ
اُطِیْعُکَ فِیْمَا شِئْتَ قَبْلَ التَّزَائُلِ

فَأَمَّا اِذَا جَدَّ الْفِرَاقُ فَاِنَّنِیْ
لَمَا بَیْنَنَا مِنْ خُلَّةٍ غَیْرُ وَاصِلِ
فَخُذْ مَا اَرَدْتَّ الْآنَ مِنِّیْ فَاِنَّنِیْ
سَیُسْلَکُ بِیْ فِیْ مَهْیَلٍ مِنْ مَهَائِلِ
فَاِنْ تُبْقِنِیْ لَا تُبْقِ فَاسْتَنْفِدَنَّنِیْ
وَعَجِّلْ صَلَاحًا قَبْلَ حَتْفٍ مُعَاجِلِ
وَقَالَ اِمْرُؤٌ قَدْ کُنْتُ جِدًّا اُحِبُّهٗ
وَاُوْثِرُهٗ مِنْ بَیْنِهِمْ فِی التَّفَاضُلِ
غِنَائِیْ اَنِّیْ جَاهِدٌ لَکَ نَاصِحٌ
اِذَا جَدَّ جِدُّ الْکَرْبِ غَیْرُ مُقَاتِلِ
وَلٰکِنَّنِیْ بَاکٍ عَلَیْکَ وَمُعْوِلٌ
وَمُثْنٍ بِخَیْرٍ عِنْدَ مَنْ هُوَ سَائِلِ
وَمُتَّبِعُ الْمَاشِیْنَ اَمْشِیْ مُشَیِّعًا
اَعِیْنُ بِرِفْقٍ عُقْبَةً کُلَّ حَامِلِ
اِلٰی بَیْتِ مَثْوَاکَ الَّذِیْ اَنْتَ مُدْخَلٌ
اُرَجِّعُ مَقْرُوْنًا بِمَا هُوَ شَاغِلِیْ
کَأَنْ لَمْ یَکُنْ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ خُلَّةٌ
وَلَا حُسْنَ ود مَرَّةً فِی التَّبَاذُلِ
فَذٰلِکَ اَهْلُ الْمَرْءِ ذَاکَ غَنَاؤُهُمْ
وَلَیْسَ وَاِنْ کَانُوْا حِرَاصًا بِطَائِلِ
وَقَالَ اِمْرُؤٌ مِنْهُمْ اَنَا الْاَخُ لَا تَرٰی
اَخًا لَکَ مِثْلِیْ عِنْدَ کَرْبِ الزَّلَازِلِ

لَدَى الْقَبْرِ تَلْقَانِیْ هُنَالِکَ قَاعِدًا
اُجَادِلُ عَنْکَ الْقَوْلَ رَجْعَ التَّجَادُلِ
وَاَقْعُدُ یَوْمَ الْوَزْنِ فِی الْکَفَّةِ الَّتِیْ
تَکُوْنُ عَلَیْهَا جَاهِدًا فِی التَّثَاقُلِ
فَلَا تَنْسَنِیْ وَاعْلَمْ مَکَانِیْ فَاِنَّنِیْ
عَلَیْکَ شَفِیْقٌ نَاصِحٌ غَیْرُ خَاذِلِ
فَذٰلِکَ مَا قَدَّمْتَ مِنْ کُلِّ صَالِحٍ
تُلَاقِیْهِ اِنْ اَحْسَنْتَ یَوْمَ التَّوَاصُلِ

فَبَکٰی رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَبَکٰی الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ قَوْلِهٖ، وَکَانَ عَبْدُاللهِ بْنُ کُرْزٍ لَا یَمُرُّ بِطَائِفَةٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِلَّا دَعَوْهُ وَاسْتَنْشَدُوْهُ، فَاِذَا اَنْشَدَهُمْ بَکَوْا!'' (کنز العمال ج:۱۵ حدیث:۴۲۹۸۱)

ترجمہ:...... ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ سے فرمایا: جانتے ہو تمہاری مثال اور تمہارے اہل و مال اور عمل کی مثال کیا ہے؟ عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں! فرمایا: تم میں سے ایک کی مثال اور اس کے مال اور آل و اولاد اور عمل کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی کے تین بھائی تھے، جب اس کی وفات کا وقت آیا تو اس نے ایک بھائی کو بلایا اور کہا کہ: مجھ پر جو حالت طاری ہے، وہ تم دیکھ رہے ہو، بتاؤ! تم میرے لئے کیا کرسکتے ہو؟ اس نے کہا کہ: میں یہ کرسکتا ہوں کہ تیری تیمارداری کروں اور تیری جو حالت ہے اس پر دن

رات کھڑا رہوں، جب تو مرجائے تو تجھے غسل دوں، کفن پہناؤں اور اٹھانے والوں کے ساتھ تجھے اٹھاؤں، کبھی اٹھاؤں اور کبھی کندھا ہٹادوں، اور جب میں تجھے دفن کرکے واپس آجاؤں تو لوگوں کے سامنے تیری تعریف کروں، جو بھی مجھ سے تیرے بارے میں پوچھے (یہ بھائی اس کے گھر کے لوگ یعنی بیوی اور بچے ہیں)۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے سوال کیا کہ:) تم اس بھائی کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم نہیں سنتے کوئی ایسی چیز جس میں کوئی منفعت ہو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پھر وہ اپنے دوسرے بھائی کے بارے میں کہتا ہے کہ: مجھ پر جو حالت آئی ہے، تم دیکھ ہی رہے ہو، بتاؤ! تم میرے لئے کیا کرسکتے ہو؟ وہ کہتا ہے کہ: تمہارے لئے میرے پاس کوئی کام کی چیز نہیں، مگر جب تک تم زندوں میں شمار ہوتے ہو، جب تم مرجاؤ گے تو تمہارا راستہ دوسرا ہوگا، میرا راستہ دوسرا۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:) یہ اس کا دوسرا بھائی ہے، جس کو مال کہتے ہیں، بتاؤ! تم اس کو کیسا دیکھتے ہو؟ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کچھ کام کا نہیں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ تیسرے بھائی سے کہتا ہے کہ مجھ پر جو حادثہ نازل ہوا ہے، اور میرے اہل خانہ نے اور میرے مال نے جو جواب دیا ہے، وہ تم نے سن لیا ہے، تم بتاؤ کہ تم میرے لئے کیا کرسکتے ہو؟ وہ کہتا ہے کہ: میں تیرا رفیق رہوں گا تیری لحد میں، تیرا مونس اور تیرا غمخوار رہوں گا تیری وحشت میں، اور میں بیٹھ جاؤں گا وزن

کے دن تیرے ترازو میں (اور تیرے ترازو کو بھاری کردوں گا)۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:) یہ اس کا وہ بھائی ہے جس کو عمل کہتے ہیں، اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! بہت ہی اچھا بھائی ہے اور بہت ہی اچھا رفیق ہے! فرمایا کہ: پھر معاملہ یوں ہی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر حضرت عبداللہ بن کرز رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے، کہنے لگے: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے اجازت دیں گے کہ میں اس پر کچھ اشعار بنا کر پیش کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ضرور! وہ چلے گئے، ایک رات رہے، دوبارہ واپس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے، لوگ بھی جمع ہوگئے، انہوں نے یہ نظم پڑھی کہ:

بے شک میں اور میرے اہل خانہ اور وہ عمل جو میں نے آگے بھیجا اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص اپنے رفقا کو بلائے پھر وہ کہے اپنے تین بھائیوں سے کہ آج جو حال مجھ پر پیش آیا ہے، اس میں میری مدد کرو! طویل جدائی ہے اور آئندہ کا کچھ معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا؟ اب جو حوادث میرے سامنے پیش آنے والے ہیں، بتاؤ! کہ تمہارے پاس اس کا کیا علاج ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا کہ: میں تیرا رفیق ہوں، تیری اطاعت کروں گا، اور تو جو بھی کہے تیرا کہنا مانوں گا، لیکن موت آنے سے پہلے پہلے، جب جدائی واقع ہوجائے تو ہمارے درمیان جو دوستی ہے وہ ختم، جو کچھ لینا چاہتا ہے مجھ سے اس

وقت لے سکتا ہے، کیونکہ تیرا جب انتقال ہوجائے گا تو مجھے کسی دوسرے راستے میں لے جائیں گے، اگر تو مجھے باقی رکھنا چاہتا ہے تو باقی نہ رکھ، بلکہ مجھے خرچ کردے، اور جلدی کر، موت کے آنے سے پہلے پہلے مجھے خرچ کردے۔ ایک نے کہا کہ: میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں، اور لوگوں کے درمیان جب مقابلہ ہوتا ہے میں تمہیں ترجیح دیتا ہوں، میری خدمت یہ ہے کہ میں تیرے لئے دن رات خیرخواہی اور محنت کروں گا، جو بیماری اور پریشانی ہو، لیکن جب تو مرجائے گا تو تیرے اوپر رووں گا اور بین کروں گا، کوئی تیرا نام لے گا تو اس کے سامنے تیری تعریف کروں گا، جو تجھے رخصت کرنے جائیں گے میں ان کے ساتھ جاؤں گا، اور کندھا دینے والوں میں کندھا دینے کی مدد کروں گا، اور میری یہ خدمت قبر تک رہے گی جس میں تو داخل کیا جائے گا، جب تو اپنی قبر میں چلا جائے گا تو میں واپس آجاؤں گا، کیونکہ میرے اور بہت سارے مشاغل ہیں، اور میں تجھے ایسا چھوڑ کر آجاؤں گا کہ گویا میرے درمیان اور تیرے درمیان دوستی نہیں تھی اور نہ کوئی حسنِ معاملہ تھا، بس! یہ آدمی کے گھر کے لوگ ہیں، بیوی بچے اور یہ ان کی خدمت ہے، اور یہ چیز اگرچہ وہ کتنے ہی حریص ہوں لیکن مفید نہیں ہے۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا کہ: میں تیرا ایسا بھائی ہوں کہ مجھ جیسا بھائی مصائب کے نازل ہونے کے وقت نہیں دیکھا ہوگا، تو قبر میں جائے گا تو تو وہاں مجھے بیٹھا ہوا پائے گا، تجھ سے منکر نکیر جھگڑا کریں گے تو میں جواب دوں گا، اور وزن کے دن میں اس پلڑے میں بیٹھ جاؤں گا جس میں

تو ہوگا، اور اس پلڑے کو بوجھل کرنے کی کوشش کروں گا، سو تو مجھے بھول نہیں اور میرے مرتبے کو پہچان لے، اس لئے کہ میں تجھ پر شفیق ہوں، تیرا خیر خواہ ہوں، کسی وقت تیری مدد چھوڑنے والا نہیں ہوں، بس یہ بھائی ہر وہ نیک عمل ہے جو تو نے آگے بھیجا تو اس کو پائے گا، اگر تو نے نیکی کی، ملاقات کے دن کے لئے۔

یہ ارشاد سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور مسلمان بھی روئے۔ حضرت عبداللہ بن کرز رضی اللہ عنہ جب بھی مسلمانوں کے کسی مجمع کے پاس سے گزرتے تھے، وہ حضرات ان کو بلواتے اور ان سے یہ اشعار پڑھواتے، جب یہ شعر پڑھتے تو سب کے سب رو پڑتے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کہیں مختصر اور کہیں لمبی، بہت ساری کتابوں میں موجود ہے، اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کے مال اور اس کے اہل وعیال اور اس کے اعمالِ صالحہ کی مثال بیان فرمائی ہے۔

بے وفا دوست:

اس مثال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سمجھائی ہے کہ سب سے زیادہ بے وفا دوست مال ہے کہ تمہاری زندگی میں تو تمہارے کام کا ہے، لیکن جب روح تن سے الگ ہوجائے تو دوسرے کے پاس چلا جاتا ہے، تمہارے پاس رہتا ہی نہیں۔

ابن آدم کا مال؟

ایک حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

”یَقُوْلُ الْعَبْدُ: مَالِیْ! مَالِیْ! وَإِنَّ مَالَهٗ مِنْ مَّالِهٖ

ثَـلاثٌ: مَـا اَكَـلَ فَـاَفْنٰى، اَوْ لَبِسَ فَاَبْلٰى، اَوْ اَعْطٰى فَاَقْنٰى وَمَا سِوٰى ذَالِکَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهٗ لِلنَّاسِ!"

(مشکوٰۃ ص:۴۴۰)

ترجمہ:...... "آدم کا بیٹا کہتا ہے کہ: میرا مال! میرا مال! آدم کے بچے! تیرے مال میں سے صرف تیرا مال وہی ہے جو تو نے کھالیا اور کھا کر ختم کردیا، یا تو نے پہن لیا اور پہن کر بوسیدہ کردیا، یا تو نے آگے بھیج کر اپنے لئے جمع کرلیا، اور ان تینوں چیزوں کے علاوہ باقی جتنا تیرا مال ہے تو اس کو دوسروں کے لئے چھوڑ کر چلا جائے گا، وہ تیرا نہیں!"

اہل وعیال قبر میں کام نہ دیں گے:

اور اہل وعیال کے بارے میں یوں فرمایا کہ: قبر کے کنارے تک ساتھ دیتے ہیں۔

آدمی مرنے والا ہو، موت وحیات کی کشمکش میں ہو تو یہ اپنی حد تک اس کی جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں، جو خدمت یہ کرسکتے ہیں اس کے کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بھی کسی کو نصیب ہے اور کسی کو نہیں، مرگیا تو غسل اور کفن کا انتظام کردیا، اور کندھے بدل بدل کر قبر تک پہنچادیا، قبر میں لٹا کر اوپر ہزاروں من وزن ڈال دیا، تاکہ یہ بھاگ نہ آئے، چند روز رودھو لئے، کچھ اپنی رسم و رواج کے مطابق تقریبات کرلیں اور کوئی تعزیت کے لئے آیا تو اس کے سامنے تعریفیں کردیں اور بس! اللہ! اللہ! خیر صلا! قصہ ختم، لیکن قبر میں اس پر کیا گزر رہی ہے؟ اس کا کسی کو کچھ معلوم نہیں! اکبر الٰہ آبادیؒ کے بقول:

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے!
تہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے!

پختہ قبر بنانا:

بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں کہ قبر پکی بنادیتے ہیں، اوپر مقبرہ بنادیتے ہیں۔ میں ماموں کانجن میں ہوتا تھا، وہاں ایک صاحب کے لڑکے کا انتقال ہوگیا، جواں سال لڑکا تھا، ظاہر ہے کہ اس کے والدین کو صدمہ تو ہونا ہی تھا، اس کے باپ نے قبرستان میں اس کی پکی قبر بنائی اور اس کے اوپر سائبان کی چھت بنادی۔ بھلا مردے کو اس کا کیا فائدہ؟ کیا اس سے اس کی مغفرت ہوجائے گی یا اس کو ٹھنڈک پہنچے گی؟ اُلٹا خلافِ شریعت کرنے سے اندیشۂ تکلیف ہے۔

قبر پر ڈیرہ لگانا:

ایک روایت میں ہے کہ:

”قَالَ لَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيّ ضَرَبَتْ اِمْرَأَتُهُ الْقُبَّةَ عَلٰى قَبْرِهٖ سَنَةً ثُمَّ رَفَعَتْ فَسَمِعَتْ صَائِحًا يَقُوْلُ: اَلَا هَلْ وَجَدُوْا مَا فَقَدُوْا؟ فَاَجَابَهُ آخَرُ: بَلْ يَئِسُوْا فَانْقَلَبُوْا۔“ (مشکوٰۃ ص:۱۵۲)

ترجمہ:...... ”کہتے ہیں کہ حضرت حسن بن حسن بن علی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو ان کی اہلیہ کو بہت صدمہ ہوا، اور جاکر ان کی قبر پر ڈیرا لگادیا، لوگوں نے بہت منع کیا، مگر وہ مانی نہیں، کہنے لگی کہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا، ایک سال تک قبر پر پڑی رہی پھر اُٹھ کر چلی گئی، اور اس نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ: کیا جس کو انہوں نے گم پایا تھا کیا وہ ان کو مل گیا،

دوسرے نے جواب دیا: نہیں! بلکہ مایوس ہوکر لوٹ گئے۔"

یہ تمہاری آہ وزاری میت کے کچھ کام نہیں آئے گی، اس لئے کہ یہ تم اپنے لئے کرتے ہو، اس کے لئے کچھ نہیں، یہ تیجہ اور دسواں کرو، چہلم کرو یا برسیاں مناؤ یہ سب کچھ تم اپنے لئے کر رہے ہو، مرنے والے کے لئے کچھ بھی نہیں کرتے۔

ہمارے یہاں ملتانیوں میں رواج ہے کہ اگر کوئی بوڑھا مرجائے تو باقاعدہ شادی کی طرح دعوت کرتے ہیں، تمام عزیز و اقارب کو بلاتے ہیں، بکرے اور اسی طرح دوسرے جانور وغیرہ کاٹتے ہیں، بڑی ٹھاٹ کی دعوت کرتے ہیں، غرضیکہ اہل و عیال دفن کرکے واپس آگئے، میت کس حال میں ہے؟ اس پر کیا گزر رہی ہے؟ ان کی وہاں تک نہ رسائی ہے اور نہ کوئی ان کی خدمت کرسکتا ہے، اس کے لئے تو اب مشکلات شروع ہوئی ہیں، اب پتہ نہیں ختم کب ہوں گی؟

قبر کی پکار:

حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ قبر آدمی کو روزانہ پکارتی ہے، ترمذی شریف کی یہ حدیث ہے، قبر کہتی ہے:

"اَنَا بَیْتُ الْغُرْبَةِ! اَنَا بَیْتُ الْوَحْدَةِ! اَنَا بَیْتُ التُّرَابِ! وَاَنَا بَیْتُ الدُّوْدِ!" (ترمذی ج:۲ ص:۶۹)

ترجمہ:......"میں تنہائی کا گھر ہوں، میں وحشت کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں!"

کہا جاتا ہے کہ قبر روزانہ پانچ مرتبہ پکارتی ہے، اور تمہارے لئے روزانہ پانچ ہی نمازیں مقرر کی گئی ہیں، تاکہ تم آخری التحیات میں یہ دعا پڑھو:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْکَسَلِ وَالْهَرَمِ وَالْمَاْثَمِ وَالْمَغْرَمِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ

النَّـارِ وَمِـنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْغِنٰى وَاَعُوْذُ بِكَ مِـنْ فِتْـنَةِ الْـفَقْـرِ وَاَعُـوْذُ بِكَ مِـنْ فِتْـنَةِ الْـمَسِيْحِ الدَّجَّالِ....'' (بخاری ج:۲ ص:۹۴۳)

ترجمہ:......''اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں سستی سے، بڑھاپے سے، گناہوں سے، قرض سے، قبر کے فتنہ سے، قبر کے عذاب سے، آگ کے فتنہ سے، دوزخ کے عذاب سے، مالداری کے فتنہ کے شر سے، اور میں پناہ مانگتا ہوں تنگدستی کے فتنہ سے، اور میں پناہ مانگتا ہوں کانے دجال کے فتنہ سے۔''

عذابِ قبر؟

ایک روایت میں ہے:

''عَـنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: اَنَّ يَهُوْدِيَّةً دَخَلَتْ عَـلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَتْ لَهَا: اَعَاذَكِ اللهُ مِنْ عَـذَابِ الْـقَبْـرِ! فَسَـأَلَتْ عَائِشَةُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّـمَ عَـنْ عَـذَابِ الْقَبْرِ، فَقَالَ: نَعَمْ! عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ. قَـالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: فَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَـلَيْـهِ وَسَلَّمَ بَعْدُ صَلّٰى صَلٰوةً اِلَّا تَعَوَّذَ بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ.'' (مشکوٰۃ ص:۲۵)

ترجمہ:......''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک دفعہ ایک یہودی عورت میرے پاس آئی، اس نے قبر کا ذکر چھیڑ دیا، پھر کہنے لگی: اللہ تعالیٰ تجھے عذابِ قبر سے پناہ عطا فرمائے (میں نے عذاب قبر کی بات کبھی نہیں سنی تھی، میں نے

کہا: کیا عذابِ قبر ہوتا ہے؟) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو میں نے قبر کے عذاب کے بارہ میں پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر کا عذاب برحق ہے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ: اس واقعہ کے بعد مجھے یاد نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نماز پڑھی ہو اور اس میں عذابِ قبر سے پناہ نہ مانگی ہو۔"

تو غرضیکہ اس دوسرے بھائی اور رفیق سے مراد بیوی ہے، بچے ہیں، عزیز و اقارب ہیں، دوست احباب ہیں، یہ مردے کو قبر کے سپرد کر کے چلے آئے اور آکر اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے، ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس پر دو چار دن آنسو بہالیتے ہیں، اور کچھ لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کردیتے ہیں کہ بہت اچھا آدمی تھا۔

مردے کی بے جا تعریف پر عذاب:

بعض اوقات تعریف بھی غیر واقعی کرتے ہیں، واقعی تعریف نہیں کرتے، یہ اتنا کماتا تھا، اتنا کھاتا تھا، یہ کرتا تھا، وہ کرتا تھا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اس کی تعریف کرتے ہیں اور جھوٹی تعریفوں کے پل باندھتے ہیں تو:

"..... اِلَّا وَكَّلَ اللهُ بِهٖ مَلَكَيْنِ يُلْهِذَانِهٖ وَيَقُوْلَانِ: اَهٰكَذَا كُنْتَ؟" (مشکوٰۃ ص:۱۵۲)

ترجمہ:..... "اللہ تعالیٰ مرنے والے پر دو فرشتے مقرر کردیتے ہیں اور وہ دونوں مردے کو چوکے دے کر کہتے ہیں: تو ایسے ہی تھا؟"

لیجئے اہل و عیال، بیوی بچے اور دوست احباب اب بھی اس غریب کا پیچھا

نہیں چھوڑتے، بلکہ کہتے ہیں کہ اس نے گھر کے لئے یہ یہ چیزیں خریدی تھیں، ٹیلی ویژن لائے تھے، فلاں چیز لائے تھے، دوبئی گئے تھے، بہت بڑی مشین لائے تھے اور فلاں فلاں چیزیں لے کر آئے تھے، قبر میں ان چیزوں کو پوچھیں گے، تعریفیں تو کرتے ہیں مگر ایسی فضول و مہمل اور بالکل لغو، جس سے اس غریب کی تکلیف میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے، ان کے منہ سے یہ نہیں نکلتا تھا کہ تہجد کی نماز پڑھتے تھے، ان کے منہ سے یہ نہیں نکلتا تھا کہ سحر کے وقت یہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتے تھے، اللہ تعالیٰ کے سامنے رویا کرتا تھا، کسی کا حق نہیں مارتا تھا، کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کرتا تھا، فرائض شرعیہ کا پابند تھا، اللہ تعالیٰ کا نیک بندہ تھا، یہ باتیں ان کے منہ سے نہیں نکلتیں، ہوتیں تو نکلتیں۔

مردے کی واقعی اچھائیاں بیان کرو!

اگر یہ باتیں کریں تو ان کی یہ باتیں کرنا اور تعریف کرنا اللہ تعالیٰ کے یہاں شہادت بن جاتی ہے۔ وہ مشہور حدیث ہے جو کہ میں سنا چکا ہوں:

"عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: مَرُّوْا بِجَنَازَۃٍ فَاَثْنَوْا عَلَیْھَا خَیْرًا، فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: وَجَبَتْ! ثُمَّ مَرُّوْا بِاُخْرٰی فَاَثْنَوْا عَلَیْھَا شَرًّا، فَقَالَ: وَجَبَتْ! فَقَالَ عُمَرُ: مَا وَجَبَتْ؟ فَقَالَ: ھٰذَا اَثْنَیْتُمْ عَلَیْہِ خَیْرًا فَوَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ، وَھٰذَا اَثْنَیْتُمْ عَلَیْہِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَہُ النَّارُ، اَنْتُمْ شُھَدَاءُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ!" (مشکوٰۃ ص:۱۴۵)

ترجمہ:..... "حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے جنازہ گزرا، فرمایا: واجب ہوگئی! ایک اور جنازہ گزرا، فرمایا: واجب ہوگئی!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (یا رسول اللہ! دو جنازے گزرے، دونوں پر آپ نے فرمایا: واجب ہوگئی!) کیا واجب ہوگئی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پہلا جنازہ گزرا تو تم لوگوں نے اس کی اچھی تعریف کی کہ یہ بہت اچھا آدمی ہے، نیک آدمی ہے، میں نے کہا کہ: واجب ہوگئی، یعنی جنت واجب ہوگئی۔ اور جب دوسرا جنازہ گزرا تو تم نے دوسری قسم کی رائے کا اظہار کیا، منافق تھا، بڑا ظالم تھا، میں نے کہا کہ: واجب ہوگئی، یعنی جہنم واجب ہوگئی۔ تم اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو زمین میں، یعنی تمہاری شہادت کے مطابق اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گے۔"

یہ تو تھا دوسرا دوست، اس دوست کا بھی پتہ چل گیا۔

اعمالِ صالحہ کی وفاداری:

اس نے تیسرے دوست کو بلایا، تیسرے رفیق کو بلایا، یہ اس کا عمل تھا، اس سے کہا کہ: مجھ پر جو حالت طاری ہے تم دیکھ رہے ہو، نزع کا سامنا ہے، روح اور بدن کی علیحدگی ہو رہی ہے، اور ایک بالکل نیا سفر درپیش ہے، نہایت طویل سفر اور ان دیکھے راستے، بہت ہی پریشانی اور بے چینی ہے کہ میرا کون ساتھ دے گا؟ یہ جو میرے مال نے جواب دیا وہ بھی تم نے سن لیا ہے، اور میرے اہل و عیال نے جو جواب دیا ہے وہ بھی تم نے سن لیا ہے، انہوں نے صاف صاف جواب دے دیا ہے کہ ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کرسکتے، نہ آپ کے ساتھ رفاقت کریں گے، نہ آپ کے ساتھ جائیں گے، نہ آپ کے ساتھ قبر میں اُتریں گے، تم بتاؤ! کہ تم کیا کرو گے؟ کہنے لگے کہ: تم اگر مجھے ساتھ لے جاؤ تو پہلی بات یہ ہے کہ ہر موقع پر تمہاری مدد کروں گا، نزع سے لے کر میزان تک، قیامت کے دن، حشر کے دن، میزان یعنی ترازو جو رکھی جائے گی

اس وقت تک میں تیری مدد کروں گا، تیرے ساتھ رہوں گا اور تیرا مونس و غمخوار بنوں گا، تیری تنہائی پر اکیلے پن کو دور کروں گا، مجھ سے ہوسکا تو روشنی بھی کروں گا، کوئی تجھ پر حملہ آور ہوگا تو جواب بھی دوں گا، مدافعت بھی کروں گا، منکر نکیر سوال کریں گے تو سوال و جواب کی بھی کفایت کروں گا، اور قیامت کے دن اس پلڑے میں بیٹھ جاؤں گا جس پلڑے کو تو بھاری دیکھنا چاہتا ہے، اور جتنی میری ہمت ہوگی، جتنا میرا وزن ہوگا میں اپنا پورا وزن تیرے پلڑے میں ڈال دوں گا، یہاں تک کہ تجھے جنت میں پہنچادوں گا۔

قبر میں برے اعمال کی شکل:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ: بدکار آدمی کے سامنے نہایت ڈراؤنی شکلیں آتی ہیں، اور وہ ان کو دیکھ کر گھبراتا ہے، گھبراہٹ تو پہلے ہی موجود ہے، تنہائی اور وحشت ہے، چنانچہ یہ چلاتے ہوئے پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: خدا تمہارا ناس کرے تم کون ہو؟ تو وہ کہتا ہے کہ: تم فکر نہ کرو، میں تمہارا وہ برا عمل ہوں جو تو نے کیا تھا، اس کے بعد وہ سارے کے سارے اعمالِ بد پرّا باندھ کے آجاتے ہیں، چڑیلوں کی شکل میں، بدروحوں کی شکل میں، بھیڑیوں کی شکل میں، جنگل کے درندوں کی شکل میں، سانپوں اور بچھوؤں کی شکل میں، وہ اس کے ساتھ آکر لپٹ جاتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون! کہتے ہیں ناں! کہ قبر میں سانپ اور بچھو ہوں گے، وہ یہی اپنے عمل ہیں۔

قبر میں اعمالِ صالحہ کا منظر:

اور نیک آدمی ہوتا ہے تو اس کے اعمالِ صالحہ نہایت ہی حسین شکل میں اس کے سامنے آتے ہیں، یہ کہتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے! میں تو بہت تنہائی میں تھا، میں وحشت محسوس کر رہا تھا، تم لوگ کون ہو جو میرے انس کے لئے اور میری

وحشت کو دور کرنے کے لئے آگئے؟ وہ کہتا ہے کہ: آپ کے نیک اعمال ہیں!

اعمالِ صالحہ عذابِ قبر سے بچاؤ کا ذریعہ:

یوں بھی آتا ہے کہ جب عذاب کے فرشتے آتے ہیں مارنے کے لئے، تو نماز فلاں طرف ہوجاتی ہے، صدقہ فلاں طرف ہوجاتا ہے، قرآن کریم کی تلاوت فلاں طرف ہوجاتی ہے، اور دوسرے اعمالِ صالحہ ایک طرف ہوجاتے ہیں، چاروں طرف سے اس کو نیک اعمال گھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: مارنے نہیں دیں گے، عذاب قبر کو ٹال دیتے ہیں۔ سورۂ ملک کے بارے میں فرمایا ہے کہ: یہ میت کو اس طرح اپنے پَروں کے نیچے لے لیتی ہے جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں کے نیچے لے لیتی ہے، اور عذابِ قبر سے اس کو بچاتی ہے۔ یہ اس کے اعمالِ صالحہ ہیں جو مرتے وقت بھی اس کے ساتھ، قبر میں بھی اس کے ساتھ اور حشر میں بھی اس کے ساتھ ہوں گے۔

بدکار کا اپنے اعمالِ بد پر اظہارِ حسرت:

قرآن کریم میں بھی ہے کہ اپنے برے عمل کو دیکھ کر کہے گا کہ:

"یَا لَیْتَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ." (الزخرف:۳۸)

ترجمہ:......"کاش! کہ میرے درمیان اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا، تو بہت ہی برا ساتھی ہے۔"

فاصلہ کیسے ہوتا؟ تو نے تو خود کیا تھا، جھوٹ خود بولے تھے، ظلم خود کیا تھا، بدکاریاں اور بے حیائیاں خود کی تھیں، عورتیں ننگے سر اپنے اختیار سے چلی تھیں، اور آج کہتے ہو کہ مغرب و مشرق کا فاصلہ ہوتا، جب تمہیں کہا گیا کہ: یہ گناہ کی باتیں ہیں، تم نے کان ہی نہیں دھرا کہ زندگی ان باتوں کے بغیر کیسے گزر سکتی ہے، موت آنے دو

تمہیں بتاؤں گا کہ یہ جو تم نے لعنت گھروں میں ڈالی ہوئی ہے، ٹی وی اور اسی طرح مووِیاں وغیرہ بناتے ہو، کیمرے رکھے ہوئے ہیں، یہ تصویریں لٹکائی ہوئی ہیں، اور یہ بچوں کے کھلونے بتوں کی شکل میں رکھے ہوئے ہیں، اور تم جو غلط کاریاں کرتے ہو، تمہیں بتاؤں گا کہ یہ کیا چیز ہے؟

اس وقت رونا کام نہیں دے گا!

آج تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر یقین نہیں لاتے، تب آنکھ سے دیکھ کر یقین لاؤ گے اور اس وقت کوئی علاج کارگر نہیں ہوگا، حدیث شریف میں آتا ہے:

ترجمہ:...... ''دوزخی لوگ ایک ہزار سال تک آنسوؤں کے ساتھ روئیں گے، ایک ہزار سال تک آنکھوں سے خون نکلے گا، اور ایک ہزار سال تک پیپ نکلتی رہے گی۔''

آج اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات سن کر تم اس کو مُلّا ئیت کہتے ہو، ذرا وقت آنے دو!

سَوْفَ تَرٰی اِذَا انْکَشَفَ الْغُبَارُ
اَتَحْتَکَ الْفَرَسُ اَمْ حِمَارُ!

ترجمہ:...... ''اس غبار کو چھٹ جانے دو! تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہارے نیچے گھوڑا تھا یا گدھا تھا؟''

عقل کا تقاضا:

تو غرضیکہ یہ تین رفیق ہیں آدمی کے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ جتنا جتنا کسی کا نفع ہے، آدمی اس سے اتنا ہی تعلق رکھے، عقل کا قاعدہ یہی ہے، اور اس عقل کا ہم دنیا میں استعمال بھی کرتے ہیں، لیکن آخرت کے معاملات میں ہماری عقل بیکار ہو جاتی

ہے، عقل کے سامنے اندھیرا آجاتا ہے۔

عقل کب کام دیتی ہے؟

عقل کی مثال ایسی ہے جیسے آنکھوں کی روشنی، یہ اندر کی روشنی اس وقت کام دیتی ہے جبکہ باہر کی روشنی ہو، ہم دیکھنے کے لئے دو روشنیوں کے محتاج ہیں، عقل کی روشنی اس وقت کام دیتی ہے جبکہ دل میں ہدایت کی روشنی بھی ہو، نورِ ہدایت بھی ہو اور ہم نے چراغِ ہدایت پھونک مار کر بجھادیا ہے، آخرت کے معاملے میں بالکل اندھے ہوگئے ہیں، دنیا کے معاملات میں تو ہماری عقل کام کرتی ہے، آخرت کے معاملات میں کام ہی نہیں کرتی، کیسے کرے؟ دیکھیں کیسے؟ وہ تو نورِ نبوت رہنمائی کرے گا تو ہماری عقل بھی دیکھے گی۔

دنیا و آخرت میں کام آنے والی شئے سے تعلق چاہئے:

میں نے کہا کہ یہ قاعدہ ہے کہ جتنی چیز مفید ہوتی ہے، آدمی اس کو اختیار کرتا ہے، ہونا یہ چاہئے کہ اعمالِ صالحہ کا اہتمام ہو، اس کے ساتھ رفاقت ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

> ترجمہ:......"حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ گھر میں تشریف لاتے تھے تو گھر کے کام کاج میں مشغول رہتے تھے، جیسے گھر میں کام ہوتا ہے، لیکن جوں ہی اذان کی آواز سنتے اس طرح کھڑے ہوجاتے تھے جیسے ہمیں پہچانتے ہی نہیں ہیں۔"
>
> (فضائل نماز باب سوم ص:۸۸)

ہونا یہ چاہئے کہ حکمِ الٰہی آجائے تو تمہاری جان پہچان سب کے ساتھ ختم ہوجائے۔

مال کا نفع خرچ کرنے میں ہے:

اور دوسرے درجے میں اہل وعیال ہیں، اور تیسرے درجے میں مال ہے، مال تو ایسی بیکار چیز ہے کہ جب تک اس کو خرچ نہ کرو نفع نہیں دے گی، ڈھیر لگا لگا کر رکھتے رہو، کچھ فائدہ نہیں۔

حاجی عبدالستار نے پنجابی میں ایک کتاب لکھی ہے، اس میں لکھتے ہیں کہ ایک سیٹھ تھا، اپنے خزانے کی سیر کرنے کے لئے گیا، دیر ہوگئی تو وہ نظر نہیں آیا، اس کے نوکروں چاکروں نے دروازہ بند کر دیا اور چلے گئے، سیٹھ جی اندر وہیں تڑپ تڑپ کر مر گیا، اگلے دن دروازہ کھلا تو سیٹھ جی مرے پڑے ہیں، حالانکہ خزانہ موجود تھا، کیونکہ وہ کھانے پینے اور بھوک پیاس بجھانے کا کام نہیں دیتا، ہاں! اس کو خرچ کر کے کھانے پینے کی اشیأ حاصل کی جاسکتی ہیں، غرض تمہارے مال اور خزانے کسی کام کے نہیں ہیں، جب تک تم ان کو خرچ نہ کرو اس سے فائدہ نہیں اُٹھایا جاسکتا، لیکن ہم نے معاملہ اُلٹ کر لیا، ہمارا جتنا تعلق پیسے سے ہے، اتنا اہل وعیال سے بھی نہیں ہے، دوست احباب سے بھی نہیں، ماں بیٹی کی لڑائی اور باپ بیٹے کی لڑائی، بھائی بھائی کی لڑائی کس چیز پر ہے؟ پیسے پر ہے! یہ پیسہ سب چیزوں پر غالب آگیا ہے، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ پیسے کو ان پر خرچ کیا جاتا، لیکن آج ہو یہ رہا ہے کہ ان رشتوں کو اس پر خرچ کیا جارہا ہے، اور مال کے لئے، اہل وعیال کے لئے اپنا دین بھی قربان کر دیا، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح عبرت نصیب فرمائے، اور اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرمائے جو نزع کے وقت بھی ہمارے کام آئیں، قبر میں بھی ہمیں کام دیں، حشر میں بھی ہمیں کام دیں۔

برزخ میں صلحاً کی ملاقات:

اللہ تعالیٰ اپنے مقبول اور نیک بندوں کا ساتھ ہمیں دنیا میں بھی، آخرت میں

بھی اور برزخ میں بھی نصیب فرمائے! نیک آدمی مرجاتا ہے تو وحشت نہیں رہتی، ہزاروں صلحا وہاں پہنچے ہوئے ہیں، مجمع لگا ہوا ہے، یہ سب اس کے اردگرد جمع ہوجاتے ہیں، حال واحوال پوچھتے ہیں، خیریت پوچھتے ہیں، اور پوچھتے ہیں کہ: فلاں آدمی کیسا تھا؟ تو وہ دنیا سے جانے والا کہتا ہے کہ: وہ وہاں سے تو آگیا ہے، کیا یہاں نہیں آیا؟ کہا کہ: نہیں! یہاں تو نہیں آیا۔ کہا کہ: پھر وہ اپنی ماں دوزخ کے پاس چلا گیا ہوگا! نعوذ باللہ!

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین!

آخرت کی تیاری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

"عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ: خَطَبَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَقَالَ فِيْ خُطْبَتِهٖ:

اِبْنَ آدَمَ! اِعْلَمْ اَنَّ مَلَكَ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكَ لَمْ يَزَلْ يَخْلُفُكَ وَيَتَخَطّٰى اِلٰى غَيْرِكَ مُنْذُ اَنْتَ فِي الدُّنْيَا، وَكَاَنَّهٗ قَدْ تَخَطّٰى غَيْرَكَ اِلَيْكَ وَقَصَدَكَ، فَخُذْ حِذْرَكَ وَاسْتَعِدَّ لَهٗ، وَلَا تَغْفُلْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفُلُ عَنْكَ، وَاعْلَمْ اِبْنَ آدَمَ! اِنْ غَفَلْتَ عَنْ نَّفْسِكَ وَلَمْ تَسْتَعِدَّ لَمْ تَسْتَعِدَّ لَهَا غَيْرُكَ، وَلَا بُدَّ مِنْ لِّقَاءِ اللهِ! فَخُذْ لِنَفْسِكَ وَلَا تَكِلْهَا اِلٰى غَيْرِكَ. وَالسَّلَامُ!"

(کنز العمال ج:۱۵ حدیث:۴۲۷۹۰)

"عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ خَطَبَ النَّاسَ، فَحَمِدَ اللهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ:

اَيُّهَا النَّاسُ! اِتَّقُوا اللهَ! فَاِنَّ تَقْوَى اللهِ غُنْمٌ وَاِنَّ

اَكْيَسَ الْكَيِّسِ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ، وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ، وَاكْتَسَبُ مِنْ نُوْرِ اللهِ نُوْرًا لِظُلْمَةِ الْقَبْرِ، وَلْيَخْشَ عَبْدٌ اَنْ يُّحْشَرَهُ اللهُ اَعْمٰى وَقَدْ كَانَ بَصِيْرًا، وَقَدْ يُكْفَى الْحَكِيْمُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَالْاَصَمُّ يُنَادٰى مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ، وَاعْلَمُوْا اَنَّ مَنْ كَانَ اللهُ مَعَهٗ لَمْ يَخَفْ شَيْئًا، وَمَنْ كَانَ اللهُ عَلَيْهِ فَمَنْ يَّرْجُوْ بَعْدَهٗ؟" (کنز العمال ج:۱۶ حدیث۴۴۲۵۱)

ترجمہ:...... "حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، اس میں ارشاد فرمایا کہ:

اے ابن آدم! بے شک موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے وہ ہمیشہ تجھ کو چھوڑ کر دوسروں کے پاس جاتا رہا جب سے تو دنیا میں آیا ہے، اور بس یوں سمجھ لے کہ اب وہ دوسروں کو چھوڑ کر تیرے پاس آنے والا ہے، اور وہ تیرے ارادے سے چلا ہے، لہٰذا اپنے بچاؤ کا سامان کرلو، اس کی تیاری کرلو، غفلت نہ کرو، اس لئے کہ تجھ سے غفلت نہیں کی جارہی۔ ابن آدم! تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ اگر تو اپنی ذات سے غفلت کرے گا اور تیاری نہیں کرے گا تو دوسرا آدمی اس کے لئے تیاری نہیں کرے گا، اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات بہرحال ضروری ہے، سو اپنی ذات کے لئے حصہ لے اور اس کو دوسروں کے سپرد نہ کر۔"

ترجمہ:...... "حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو! کیونکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا غنیمت کی چیز ہے، اور سب سے ہوشیار اور دانا آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند کرے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے عمل کرے، اور قبر کے اندھیرے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نور میں سے کچھ نور حاصل کرلے، بندے کو اس سے ڈرنا چاہئے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اندھا اُٹھائے حالانکہ وہ دیکھنے والا تھا، حکیم اور دانا آدمی کے لئے چند مختصر کلمات کافی ہیں، اور بہرہ تو یوں لگتا ہے کہ وہ سنتا نہیں ہے، خوب جان لو! کہ جس شخص کے ساتھ اللہ ہو، وہ کسی چیز سے نہیں ڈرتا اور اللہ تعالیٰ جس شخص کے مقابلے میں ہو وہ پھر اس کے بعد کس سے امید رکھے گا؟''

موت کا فرشتہ اب تمہارے پیچھے ہے:

یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مواعظ شریفہ ہیں، ان میں ایک بات تو یہ فرمائی کہ جب سے تم پیدا ہوئے ہو تم نے لوگوں کو مرتے دیکھا ہے، موت کا فرشتہ تم پر بھی مقرر کیا گیا ہے، لیکن وہ تجھ کو چھوڑ کر دوسروں کے پاس جاتا رہا، لیکن ایسا لگ رہا ہے کہ اب تمہارا نمبر آگیا، اب دوسروں کو چھوڑ کر تمہارے پاس آئے گا، مطلب یہ کہ فرشتے کا آنا کسی وقت بھی متوقع ہے، جو دوسروں کے پاس جاسکتا ہے، وہ تمہارے پاس بھی آسکتا ہے، اور جب اس کا آنا حتمی اور لازمی ٹھہرا تو تمہیں اپنی تیاری کرنی چاہئے، اپنا بوریا بستر تیار رکھو کہ جب موت کا فرشتہ تمہارے پاس آئے تو چل پڑو، اور اس سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ ایک حدیث شریف میں چند نصیحتیں فرمائی گئی ہیں، ان میں سے ایک نصیحت یہ بھی ہے:

"اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِکَ فَصَلِّ صَلٰوۃَ مُوَدِّعٍ!"
(مشکوٰۃ ص:۴۴۵)

ترجمہ:...... "جب تم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو تو یوں سمجھو کہ بس اب یہ تمہاری آخری نماز ہے (جتنی بنا سنوار کے پڑھ سکتے ہو پڑھ لو)۔"

آخرت کا زادِ راہ تیار کرو:

اپنے لئے زادِ راہ کی تیاری کرلو، اور آئندہ جو خطرات پیش آنے والے ہیں، ان خطرات سے بچنے کا سامان کرو۔ بس دو ہی باتیں ہیں۔

گناہوں کا بوجھ!

ایک یہ کہ جو سامان لاد رہے ہو یہ دیکھ لو کہ اتنا اُٹھا کے چل بھی سکتے ہو کہ نہیں؟ جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے:

"مَنْ اَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْاَرْضِ ظُلْمًا فَاِنَّہٗ یُطَوَّقُہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ سَبْعِ اَرَضِیْنَ." (مشکوٰۃ ص:۲۵۴)

ترجمہ:...... "جس شخص نے کسی کی ایک بالشت بھی زمین ہتھیالی، قیامت کے دن سات زمینوں سے نکال کر وہ ٹکڑا اس کے گلے میں طوق کے طور پر پہنایا جائے گا۔"

ہم تو دس کلومٹی بھی نہیں اُٹھا سکتے، اتنا بڑا بوجھ کیسے اُٹھائیں گے؟ یہاں تو زمین کو بڑھانے کی لالچ میں کہ میرا پلاٹ تھوڑا سا بڑا بن جائے دوسرے کی زمین پر قبضہ کرلیا، میرے بھائی! دوسرے کی زمین پر قبضہ نہیں کیا بلکہ اپنا بوجھ بھاری کرلیا، تمہارے گلے میں زمین کا یہ ٹکڑا پہنایا جائے گا اور پھر کہا جائے گا: شاباش اُٹھاؤ! تو موت سے غفلت نہ کرو، وہ تو آنی ہے، موت سے غفلت نہ کرو بلکہ اس کے لئے

تیاری کرو۔

دوسرا یہ کہ اپنا بچاؤ کرلو، آگے جو مشکلات آنے والی ہیں ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے توشہ ساتھ لو۔

اپنی آخرت کی خود فکر کرو:

پھر ارشاد فرمایا کہ: اے ابن آدم! اگر تو اپنے نفس سے غافل رہا اور اس کی تیاری نہ کی تو پھر تیری جگہ کون تیاری کرے گا؟

ایک صاحب یہاں ہوں گے، وہ کل مجھ سے مسئلہ پوچھ رہے تھے کہ کچھ صاحبان ہیں، ان کی والدہ کا انتقال ہوگیا تھا، کچھ نمازیں اور روزے اس کے ذمے ہیں، وہ ان کا فدیہ دینا چاہتے ہیں، کوئی چالیس سال کی نمازیں ان کے ذمہ تھیں، ان کا حساب لگایا تو کوئی دس لاکھ روپے بنے، ارے بھائی! تم نمازیں پڑھ نہیں سکتے یا اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی؟

کیا تیجے، دسویں، چالیسویں اور قرآن خوانی سے تیری مغفرت ہوجائے گی؟

کیا خیال ہے کہ بعد والے تیسرے دن یہ قل شریف کروا کر تمہاری بخشش کروالیں گے؟ تم نے قرآن مجید زندگی میں کبھی ختم نہیں کیا، اور نہ روزانہ تلاوت کی، لیکن موت کے دن یا تیسرے دن تمہارے لئے قرآن کریم ختم کرواکے تم سمجھتے ہو کہ تمہارا قرضہ ادا ہوجائے گا؟ بھلے آدمی! تم نے اپنے لئے کچھ نہیں کیا تو دوسرا تمہارے لئے کیا کرے گا؟ اگر تم اپنے لئے کچھ نہیں کروگے تو دوسرا تمہارے لئے کچھ نہیں کرے گا، اور تمہیں نظر آتا ہے کہ یہ لوگ تیجہ، ساتواں، دسواں، چالیسواں کرتے ہیں، اس سے بخشش ہوجائے گی، نہیں بھائی! یہ تو محض رسمیں ہیں۔

قرآن خوانی کا حال:

لوگ کہتے ہیں کہ جی قرآن خوانی کروانی ہے، قرآن خوانی کا معنی ہے قرآن پڑھنا، پڑھنا آتا بھی ہے کہ نہیں؟ پوچھ لو ان سے کہ تمہیں قرآن پڑھنا آتا بھی ہے؟ اپنے خیال اور اپنے انداز سے قرآن پڑھتے ہیں، لیکن کبھی قرآن پڑھا اور سیکھا بھی تو ہو تو پڑھنا آئے، یہی وجہ ہے کہ قرآن خوانی والے ایک صفحے کو دو دو آدمی پڑھنے لگتے ہیں، ایک اِدھر سے اور ایک اُدھر سے، میرے بھائی! یہ تلاوت ہے یا تلاوت کا دھوکا؟ یاد رکھو اللہ تعالیٰ دھوکوں میں نہیں آتے اور اگر ہم تمہیں کہتے ہیں کہ بھائی! عقل کی بات کرو، سمجھ کی بات کرو، طریقے کی بات کرو، تو پھر کہتے ہو کہ: ہمیں روکتے ہیں! ہم تم کو نہیں روکتے بھائی! تم کرو جو چاہو کرو، لیکن یہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارا طرزِ عمل غلط ہے، کبھی حافظوں کو بٹھالیتے ہیں اور ان کو اُجرت دیتے ہیں، اُجرت لے کر قرآن مجید کا پڑھنا، اس کا تو ثواب ہی نہیں ملتا، دو چار دن یہ رسمی باتیں کرتے ہیں، قل کر لئے، تیجہ، دسواں کرلیا، چالیسواں کرلیا، پھر سال بہ سال برسی پر یاد آگئے، پھر بھی ایک آدھ تقریب کرلی، دوست احباب کو اکٹھا کرلیا اور کھانا کھلا دیا تو گویا مرنے والے کا سارا فرض ہم نے ادا کرلیا، جس شخص کی ساٹھ سال یا ستر سال کی عمر ہوئی ہے کیا اس کے ذمہ اللہ تعالیٰ کا بس اتنا ہی فرض تھا؟ اور وہ ان رسموں سے ادا ہوگیا؟

آخرت کی تیاری کیا ہے؟

تو بھائی! اپنے لئے خود تیاری کرو، غفلت نہ کرو، آپ پوچھیں گے کہ تیاری کیا ہے؟ کیا تیاری کریں؟ بھائی! جن لوگوں کے حقوق و فرائض تمہارے ذمے ہیں ان کا جائزہ لو، اگر ادا نہیں کئے تو ادا کرو، فرائض کو ضائع کیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو، اور آئندہ کے لئے ان فرائض کو ضائع نہ کرنے کا عہد کرو، اگر نمازیں نہیں پڑھی تھیں تو نمازوں کی قضا کرو، روزے نہیں رکھے تو روزے رکھو، پچھلے سالوں کی زکوٰۃ ادا

نہیں کی تو حساب کرکے اس کی زکوٰۃ دو، حج نہیں کیا تو حج کرو، کسی سے رشوت لی ہے، کسی کی کوئی چیز غصب کی ہے، کسی کے کچھ مالی حقوق غصب کئے ہیں اس سے معاف کرواؤ یا اس کو ادا کرو۔

آخرت کا مفلس:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ! فَقَالَ: اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ يَّأْتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَصِيَامٍ وَزَكٰوةٍ، قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا وَاَكَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَكَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ!" (مشکوٰۃ ص:۴۳۵)

ترجمہ:......"جانتے ہو مفلس کون ہے؟ عرض کیا گیا: ہم تو مفلس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ نہیں ہوتا! فرمایا: نہیں! میری امت کا مفلس آدمی وہ ہے جو نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ اور بہت ساری نیکیاں لے کر آئے، لیکن کسی کا مال کھایا تھا، کسی کی بے آبروئی کی تھی، کسی کو گالی دی تھی، اس کا ناحق مال کھایا تھا، اس کا ناحق خون بہایا تھا، اور اس کو مارا تھا، وغیرہ، پس اس کی نیکیوں سے ان اربابِ حقوق کے حقوق ادا کئے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ نمازیں وہ لے جائے، روزے یہ لے جائے، زکوٰۃ یہ لے جائے، غرضیکہ ساری اس کی نیکیاں

اہل حقوق لے جائیں گے اور یہ خالی کا خالی کھڑا رہ جائے، پھر اس کے حقوق اگر نیکیوں سے پورے ہوگئے تو ٹھیک! ورنہ پھر اہل حقوق کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے، اور اس کو اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا (یہ ہے میری امت کا مفلس!)۔"

ہماری حالت یہ ہے کہ ہمارے ذمہ اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں ان سے غفلت، بندوں کے جو حقوق ہمارے ذمہ ہیں ان سے غفلت، غرض غفلت ہی غفلت ہے اور اس کی فکر ہی نہیں، اور آگے کیا کیا منزلیں پیش آنے والی ہیں؟ ہمیں تو مرنے سے پہلے پہلے کی زندگی کی فکر کھائے جاتی ہے اور ستائے جاتی ہے کہ مہنگائی بہت ہوگئی ہے، بچے کیا کھائیں گے؟ کیا کریں گے؟ کیا نہیں کریں گے؟ زندگی کیسے گزاریں گے؟ ارے بھائی! یہ تو گزر جائے گی، جیسے کیسے گزر ہی جائے گی، اچھی گزر جائے، تنگی سے گزر جائے، گزر ہی جائے گی، لیکن مرنے کے بعد جو زندگی شروع ہونے والی ہے اس کے لئے کیا ہوگا؟ ہمیں اس کی بھی فکر کرنی چاہئے!!

مؤمن اپنے اور دوسروں کے لئے بھی آخرت کا سامان کرے:

فرماتے ہیں: ابن آدم! اپنے لئے تیاری کر، غفلت نہ کر، اگر تو اپنی ذات کے لئے تیاری نہیں کرے گا تو دوسرے آدمی تیرے لئے سامان نہیں کریں گے۔

اور میں تو کہتا ہوں کہ مؤمن آدمی کو دوسروں کے لئے بھی سامان کرنا ہوگا، دعا، استغفار، ایصالِ ثواب کرنا ہوگا۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہٗ کے صاحبزادے جناب حسن عباس صاحب فرماتے ہیں کہ: والد صاحب فرماتے ہیں کہ: اولاد کے ذمہ حق ہے کہ وہ آٹھویں دن اپنے ماں باپ کی قبر پر جائے، والدین کی قبر کی زیارت کرے، ان

کے لئے کچھ ایصالِ ثواب کرے، کچھ پڑھ کر بخشے، تمام اہلِ ایمان کے لئے بخشش کی دعا کرے اور جتنے مسلمان مرد اور عورتیں زندہ ہیں ان کے ایمان کی سلامتی کے لئے دعا کرے کہ یا اللہ! ایمان سلامت رکھ، خاتمہ بالخیر فرما۔

ہم لوگ تو اپنی تیاری سے غافل ہیں، دوسروں کے لئے کیا تیاری کریں گے؟

دوسروں کے لئے تیاری بھی دراصل اپنے لئے ہے:

اور یہ جو میں دوسروں کے لئے تیاری کہہ رہا ہوں حقیقت میں وہ بھی اپنے لئے ہے، اس لئے کہ جب تم دوسروں کے لئے مانگو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں پہلے عطا فرمائیں گے، تم دوسروں کے لئے خیر مانگو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں پہلے خیر عطا فرمائیں گے، دوسروں کے لئے بھلائی مانگو گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ پہلے بھلائی عطا فرمائیں گے، اس لئے کہ مسئلہ ہے کہ دعائے مغفرت کرنی ہو، بخشش کی دعا کرنی ہو تو یوں کہا جائے: ''یا اللہ! میری بخشش فرما اور ایمان والے مردوں اور عورتوں کی بخشش فرما۔'' اس مختصر سے فقرے میں گویا تمام اہل ایمان کے لئے اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے، جو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے چلے آرہے ہیں اور قیامت تک جائیں گے، سب کے سب کے لئے دعا ہوگئی، ''یا اللہ! میری بھی بخشش فرما اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کی بھی بخشش فرما۔'' غرضیکہ حقوق و فرائض کو ادا کرو اور محرمات سے اور مکروہات سے بچو، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ساتھ کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے رہو، اپنے لئے بھی اور اپنے والدین کے لئے بھی اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے بھی، مرد ہوں یا عورتیں سب کے لئے بخشش کی دعا کرتے رہو۔

کافر و مسلمان کی اللہ سے ملاقات کا حال:

فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ سے ملاقات تو لازم ہے!

مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا ہے، کوئی روشن چہرہ لے کر جائے اور کوئی -نعوذ باللہ- منہ کالا کر کے جائے، اللہ تعالیٰ کی پناہ! بہر حال جانا ہے اور بارگاہِ خداوندی میں حاضری لازم ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

''وَلٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا حَضَرَ جَاءَهُ الْبَشِيْرُ مِنَ اللهِ بِمَا هُوَ صَائِرٌ اِلَيْهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ لَقِيَ اللهَ فَاَحَبَّ لِقَاءَ اللهِ فَاَحَبَّ اللهُ لِقَاءَهُ، وَاِنَّ الْفَاجِرَ اِذَا حَضَرَ جَاءَهُ مَا هُوَ صَائِرٌ اِلَيْهِ مِنَ الشَّرِّ فَكَرِهَ لِقَاءَ اللهِ كَرِهَ اللهُ لِقَاءَهُ.'' (کنز العمال ج:۱۵ حدیث:۴۲۱۹۸)

ترجمہ:......''لیکن جب مؤمن کی وفات کا وقت قریب آتا ہے تو اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک خوشخبری سنانے والا فرشتہ حاضر ہوتا ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اعزاز و اکرام ہونے والا ہے اس سے اس کو آگاہ کرتا ہے، تو اس کے نزدیک اللہ سے ملاقات سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ہوتی، پس وہ اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتے ہیں۔ رہا فاسق و فاجر! جب اس کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو اس کے پاس بھی ایک فرشتہ آتا ہے جو اُسے وہ سب کچھ بتلاتا ہے جو اس کے ساتھ برا سلوک ہونے والا ہے، تو وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔''

یعنی نیک آدمی کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری ایسے ہوتی ہے جیسے کہ کوئی آدمی اپنے وطن سے دور تھا، بچھڑا ہوا تھا، موت کے بعد، ایک عرصے کے بعد اپنے گھر

میں آیا، جس طرح اس کو اپنے گھر والوں اور اہل و عیال سے مل کر خوشی ہوتی ہے، اسی طرح اس کو اللہ تعالیٰ سے مل کر خوشی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس سے مل کر بھی اتنی ہی خوشی ہوتی ہے۔ اور بدکار اور برے آدمی کی حاضری کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بھگوڑا غلام تھا، بھاگ گیا تھا، آقا نے آدمی دوڑائے اور کافی مدت تک وہ پریشان کرتا رہا، لیکن آخرکار وہ پکڑا گیا اور اسے پکڑ کر آقا کی خدمت میں لایا گیا، تو جس طرح اس کو اپنے آقا کے سامنے سزا کے خوف سے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے اور وہ اس کو مکروہ سمجھتا ہے، فاجر بھی ایسے ہی ملاقاتِ الٰہی سے گھبراتا ہے، تب اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔ اب تم دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہاری حاضری کیسے ہونے والی ہے؟ اس کا جائزہ لیتے رہو۔

فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ سے ملاقات تو ضروری ہے، لہٰذا تم اپنی ذات کے لئے توشہ تو تیار کرلو، اور اس توشہ کی تیاری کو دوسروں کے سپرد نہ کرو، اس لئے کہ تم اپنا توشہ خود ہی باندھو گے، تمہارا توشہ دوسرے نہیں باندھیں گے۔

سب سے بڑی دانائی!

دوسری روایت میں فرمایا کہ: لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو! تقویٰ اختیار کرو! اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا غنیمت ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

سب سے اونچی حکمت اور حکمت کا صلہ، حکمت کی چوٹی اللہ سے ڈرنا ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اس میں حکمت نہیں ہے، اور یہی بنیاد ہے تمام نیک اعمال کی اور تمام برے اعمال سے بچنے کی۔

> ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ یہ غنیمت ہے اور سب سے بڑا دانا اور عقل مند آدمی وہ ہے جو اپنے نفس کو حکمِ الٰہی کے تابع کردے اور موت کے بعد کی زندگی کے لئے تیاری کرے اور قبر

کے اندھیرے سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے نور میں سے کچھ نور لے کر جائے۔“

قبر میں نور کیونکر پیدا ہوگا؟

اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، مستقل رسالے لکھے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ہیں جو قبر میں نور پیدا کرتی ہیں؟ قبر میں روشنی کا سبب ہیں، اور کون کون سی چیزیں ہیں جو قبر میں تاریکی کا سبب ہیں، پھر کون کون سی چیزیں ہیں جو عذابِ قبر کی موجب ہیں؟ اللہ تعالیٰ ان سے پناہ میں رکھے، اور کون کون سی چیزیں ہیں جو عذابِ قبر سے بچانے والی ہیں؟

عذابِ قبر کا خوف:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ:

”كَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰى قَبْرٍ بَكٰى حَتّٰى يَبَلَّ لِحْيَتَهٗ، فَقِيْلَ لَهٗ: تَذْكُرُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ فَلَا تَبْكِيْ وَتَبْكِيْ مِنْ هٰذَا؟ فَقَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنْزِلٍ مِّنْ مَّنَازِلَ الْاٰخِرَةِ، فَاِنْ نَّجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَيْسَرُ مِنْهُ وَاِنْ لَّمْ يُنْجَ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهٗ اَشَدُّ مِنْهُ!“ (مشکوٰۃ ص:۲۶)

ترجمہ:...... ”(حضرت عثمانؓ) کبھی کبھی قبرستان جاتے تو اتنا روتے کہ ریش مبارک تر ہوجاتی، عرض کیا گیا کہ: حضرت! آپ جنت اور دوزخ کا تذکرہ کرتے ہیں تو اتنا نہیں روتے جتنا کہ قبر کو دیکھ کر روتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، جو شخص یہاں نجات

پا گیا وہ انشاء اللہ آگے بھی نجات پا جائے گا جو یہیں پھنس گیا اس سے آگے کی کیا توقع ہے، اس کے بارے میں کیا توقع ہے؟''

یہ تو پہلی منزل ہے، قبر سے لے کر جنت تک برزخ کا فاصلہ، قیامت سے پہلے پہلے کا فاصلہ اور پھر قیامت کے دن کا پچاس ہزار سال کا فاصلہ اور خدا جانے اس میں کتنی منزلیں آنے والی ہیں، کیا کیا حالات پیش آنے والے ہیں، جو غریب پہلے مرحلے میں پکڑا گیا وہ آگے کیا کرے گا؟ حق تعالیٰ شانہ ہماری حفاظت فرمائے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی قبروں کو منور فرمائے، قبر کے عذاب سے اور جو چیزیں عذابِ قبر کو ثابت کرنے والی ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے بچائے، تقریباً پندرہ کے قریب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے یہ حدیث مروی ہے، میں نے ایک مضمون میں تمام صحابہ کرام کے اسمائے گرامی کو جمع کیا تھا۔

عذابِ قبر کے اسباب:

عذابِ قبر سے متعلق ایک دوسری حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:

''مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی قَبْرَیْنِ فَقَالَ: اِنَّھُمَا لَیُعَذَّبَانِ! وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ. ثُمَّ قَالَ: بَلٰی اَمَّا اَحَدُھُمَا فَکَانَ یَسْعٰی بِالنَّمِیْمَۃِ وَاَمَّا الْآخَرُ فَکَانَ لَا یَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِہٖ.'' (بخاری ج:۱ ص:۱۸۴)

ترجمہ:...... ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جارہے تھے فرمایا: یہ دو قبریں ہیں، ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے، کسی بڑی بات پر ان کو عذاب نہیں ہو رہا، ان میں سے ایک چغل خوری کیا کرتا تھا (آپ کی بات میرے پاس آکر لگائی اور میری بات آپ کے پاس جاکر لگائی، یہ بیماری عام

ہوگئی ہے، جیسے طاعون کی شکل اختیار کرگئی ہے، یہ وبائی شکل چغل خوری کرنا اور غیبت کرنا یہ چیز موجبِ عذابِ قبر ہے)۔ یہ دوسرا آدمی پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا۔''

یہ جتنے پینٹ پہننے والے ہیں سب ایسے ہی ہیں، ان کو نہ استنجے کی ضرورت پیش آتی ہے، نہ ڈھیلے کی، کھڑے ہوکر پیشاب کرلیتے ہیں، اور پھر یوں ہی فوراً بند کرلیتے ہیں۔

تو جن دو آدمیوں پر عذاب ہو رہا تھا ان میں ایک تو پیشاب کے چھینٹوں سے احتیاط نہیں کرتا تھا، پیشاب آدمی کا ہو یا جانوروں کا، اس سے احتیاط لازمی ہے۔ اور دوسرا لگائی بجھائی کرتا تھا، یعنی اِدھر کی اُدھر، اور اُدھر کی اِدھر پہنچا کر چغل خوری کرتا تھا، یہ بہت بڑا جرم ہے اس سے احتیاط کرو کہ یہ عذابِ قبر کا موجب ہے۔

تو خیر عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ بہت ساری چیزیں قبر کی ظلمت کا سبب ہیں، قبر کے اندر اندھیرے کا سبب ہیں، اور بہت ساری چیزیں قبر کی روشنی اور نور کا سبب ہیں، اسی کو فرمایا: قبر کی روشنی کے لئے اللہ تعالیٰ کے نور میں سے کوئی نور لے کر جاؤ، بہت ساری چیزیں عذابِ قبر کی موجب ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے بچائے اور بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو قبر کے عذاب سے بچانے والی ہیں، ان کا اہتمام کیا جائے۔

قبر جنت کا باغیچہ یا جہنم کا گڑھا ہے:

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے، یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔'' نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ ہماری قبروں کو ''رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ'' بنائے یعنی جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ بنائے، دوزخ کے گڑھوں میں سے گڑھا نہ بنائے۔

عذابِ قبر کا سوال حماقت ہے:

آج کل بیوقوف لوگ یہ پوچھتے پھرتے ہیں کہ قبر میں عذاب ہوتا بھی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے بندو! تم کس چکر میں پڑ گئے ہو؟ شیطان نے تم کو کس چکر میں ڈال دیا ہے؟ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پر اعتبار نہیں رہا؟

شکر کرو کہ عذابِ قبر سنائی نہیں دیتا:

کہتے ہیں کہ ہمیں سنائی کیوں نہیں دیتا؟ یہ اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی وجاہت کا طفیل ہے کہ عذابِ قبر سنائی نہیں دیتا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم سے بن نہ پڑتی تمہاری زندگی اجیرن ہوجاتی، اگر تم قبر کا عذاب سن لیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظِ مبارک یہ ہیں:

"فَلَوْ لَا اَنْ لَّا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰہَ اَنْ یُّسْمِعَکُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِیْ اَسْمَعُ مِنْہُ!" (مشکوٰۃ ص:۲۵)

ترجمہ:...... "اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم اپنے مردوں کو قبر میں دفن کرنا چھوڑ دوگے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ تمہیں سنادے جو میں سنتا ہوں!"

قبر کا عذاب جو قبرستان میں ہو رہا ہے، اگر تمہیں سنائی دیتا تو تمہیں قبرستان میں قدم رکھنے کی جرأت نہ ہوتی، یہ اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا طفیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پردہ ڈال دیا۔ اس پر شکر کرنے کی بجائے اُلٹا کہتے ہیں کہ: ہمیں کیوں نہیں سنائی دیا؟ شیشے کے مکان میں آدمی بند ہو تو آواز آگے نہیں جاتی، وہ ادھر سے سن رہا ہے، دیکھ رہا ہے، مگر آواز نہیں پہنچا سکتا، تمہارا یہ شیشہ آواز کو روک دیتا ہے، تو اگر اللہ تعالیٰ نے برزخ کا پردہ ڈال دیا ہے اور وہ روک رہا ہے تو تمہیں کیوں تعجب ہو رہا ہے؟ تم کیوں اصرار کر رہے ہو کہ ہمیں دیکھنا چاہئے اور ہمیں سننا چاہئے تو ہم مانیں! ذرا ٹھہر

جاؤ! تھوڑا وقت ہے، تم پر بھی یہ مرحلہ آئے گا، پھر اچھی طرح تجربہ کر لینا، اگر یہاں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے نہیں مانتے تو تجربہ ہو جائے گا، فکر نہ کرو، اس میں جلدی کی کیا بات ہے؟

اندھے اُٹھائے جانے سے ڈرو!

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: بندے کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو اندھا اُٹھائیں، حالانکہ وہ دیکھنے والا تھا۔

بعض مجرموں کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن کریم نے فرمایا:

”وَنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اَعْمٰی. قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا. قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی.“ (طٰہٰ:۱۲۵، ۱۲۶)

ترجمہ:...... ”ہم اس کو اُٹھائیں گے قیامت کے دن اندھا، وہ کہنے لگا: اے میرے پروردگار! آپ نے مجھے اندھا اُٹھایا میں تو دیکھنے والا تھا! (کیا بات ہوئی؟) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اسی طرح آتی تھی تیرے پاس میری آیتیں تو نے اس کو بھلا دیا (تو بصیرت کا اندھا تھا، دل کا اندھا تھا، آج وہ دل کا اندھا پن آنکھوں میں سرایت کر گیا)، آج تجھے بھی بھلا دیا گیا۔“

اس پر حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو کہ قیامت کے دن اندھے اُٹھائے جاؤ گے، ایسے کوئی حرکت مت کرو، ایسے گناہوں کا ارتکاب نہ کرو کہ تمہیں نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ! قیامت کے دن اندھا اُٹھایا جائے۔

قیامت کے دن اندھا اُٹھائے جانے کے اسباب؟

اس لئے کہ بعض اعمال ایسے ہیں کہ ان سے آدمی کی ظاہری بصارت جاتی

رہتی ہے، دماغ پر ذرا سی چوٹ لگ جائے یا کوئی ایسا عارضہ پیش آجائے تو آنکھیں بند ہوجاتی ہیں، اسی طرح بعض اعمال ایسے ہیں جن سے دل کی بصیرت جاتی رہتی ہے، ایسے لوگ قیامت کے دن اندھے اُٹھائے جائیں گے، خاص طور پر اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور اللہ تعالیٰ کے احکام کا مذاق اُڑانا یا جیسے آج کل مولوی کو گالی دینا فیشن بن گیا ہے کہ مولوی ایسے ہیں، کیا مولوی اپنے باپ کے گھر سے کہتا ہے؟ مولوی کچھ نہیں کہتا بلکہ تمہارا خدا کہتا ہے! تمہارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہتا ہے! مولوی کہاں سے کہتا ہے؟ تو مولوی کو نشانہ بنا کر اول فول باتیں کرتے ہو، لیکن تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارا دل اندھا ہوگیا ہے، اور یہ دل کا اندھاپن قیامت کے دن تمہاری آنکھوں میں آجائے گا، اللہ تعالیٰ کہیں گے: ''وَكَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰـتُنَا فَنَسِيْتَهَا'' (اسی طرح آتے تھے تیرے پاس میرے احکام تو نے ان کو بھلا دیا)۔

عقل مند کے لئے لمبے وعظ کی ضرورت نہیں:

اس کے بعد ارشاد فرمایا: دیکھو دانا آدمی کے لئے لمبے چوڑے وعظ کی ضرورت نہیں ہوتی، اس کے لئے ایک کلمہ حکمت ہی کافی ہوجاتا ہے۔ ایک حکمت کی بات کسی کے کان میں پڑجائے تو آدمی کی زندگی کی لائن بدل دیتی ہے، بشرطیکہ دل میں بصیرت ہو، جس شخص نے اپنے آپ کو بہرا کرلیا ہو، اِدھر سے سنا اور اُدھر سے نکال دیا، گویا کہ سنا ہی نہیں، اس کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دور سے پکار پکار کر چلّا چلّا کر آواز دے رہا ہے، مگر وہ سنتا ہی نہیں، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

''وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ.'' (سبا:۵۲)

ترجمہ:...... ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو پکارا جارہا ہے دور کی جگہ سے۔''

دور سے جب آدمی کسی کو بلاتا ہے تو زور لگا کر بلاتا ہے، چلّاتا ہے، لیکن

یہ پھر بھی سننے کے لئے تیار نہیں، جس شخص نے اپنے آپ کو بہرا بنالیا ہو اس کے سامنے اگر کوئی چلاّ چلاّ کر بھی کہے، اس کی عقل میں بات نہیں آتی، خواہ اسپیکر میں ہی کہا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی مخالفت نہیں، معیت کو اپناؤ!

اور اس کے بعد آخری بات یہ فرمائی کہ: یہ بات خوب یاد رکھو کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو اس کو کسی اور کا ڈر نہیں، اور جس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ہو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے بعد کسی اور سے کیا امید رکھے گا؟ کون ہے جس سے امید رکھے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ساتھ لے کر چلو، اپنی زندگی کے نقشے ایسے بناؤ کہ اللہ تعالیٰ کو ساتھ لے لو، اللہ تعالیٰ کی معیت تمہارے ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے طرف دار ہوں تو انشاء اللہ تعالیٰ پھر کسی کی پرواہ نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جن کا خطبہ آپ سن رہے ہیں، ان کو شہید کیا گیا تھا، تو خون کا جب پہلا چھینٹا مصحف شریف پر پڑا تو قرآن مجید پڑھ رہے تھے، وہ قرآن کریم تاشقند میں موجود ہے، مصحف پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا پہلا چھینٹا جو پڑا وہ اس آیت شریفہ پر پڑا، پہلے پارے کا بالکل آخر ہے:

”فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ“ (البقرۃ:۱۳۷)

ترجمہ:......”تیری کفایت کرے گا اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں!“

شہید ہوگئے وہ تو سعادت ہے، لیکن پھر دیکھا کیسی کفایت کی اللہ تعالیٰ نے، آج تک تم جمع نہیں ہوئے، امت آج تک جمع نہیں ہوئی، ایک ایک کو چن چن کر اللہ تعالیٰ نے ہلاک کیا، تو اللہ کو ساتھ لے کر چلو اور اللہ تعالیٰ کو اپنا مقابل بنا کر نہ چلو، اگر اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرو گے تو اللہ تعالیٰ کو اپنا مقابل بناؤ گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

آخرت کے بیٹے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

''..... وَمَنْ لَا يَنْفَعُهُ حَاضِرُهُ فَعَازِبُهُ عَنْهُ اَعْوَرُ وَغَائِبُهُ عَنْهُ اَعْجَزُ وَاِنَّكُمْ قَدْ اُمِرْتُمْ بِالظَّعْنِ وَدُلِلْتُمْ عَلَى الزَّادِ اَلَا! وَاِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمْ اِثْنَانِ: طُوْلُ الْاَمَلِ وَاتِّبَاعُ الْهَوٰى! فَاَمَّا طُوْلُ الْاَمَلِ فَيُنْسِي الْآخِرَةَ، وَاَمَّا اِتِّبَاعُ الْهَوٰى فَيُبْعِدُ عَنِ الْحَقِّ. اَلَا! وَاِنَّ الدُّنْيَا قَدْ تَرَحَّلَتْ مُدْبِرَةً وَاِنَّ الْآخِرَةَ قَدْ تَرَحَّلَتْ مُقْبِلَةً وَلَهُمَا بَنُوْنٌ، فَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْآخِرَةِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ، وَلَا تَكُوْنُوْا مِنْ بَنِي الدُّنْيَا، فَاِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَلَا حِسَابٌ، وَغَدًا حِسَابٌ وَلَا عَمَلٌ!''
(البدایہ والنہایہ ج:۷ ص:۳۰۸)

ترجمہ:..... ''اور جس کو اس کا حاضر (یعنی جو چیزیں کہ اس کے سامنے موجود ہیں) نفع نہ دیں، تو جو چیزیں کہ اس سے غائب ہیں، پوشیدہ ہیں ان سے وہ زیادہ اندھا ہوگا، اور جو چیزیں کہ اس سے غائب ہیں ان سے زیادہ عاجز ہوگا، اور

بے شک کہ تم کو حکم کیا گیا ہے کوچ کرنے کا، اور تم کو بتا دیا گیا ہے توشہ لینے کا، خوب سن رکھو! کہ سب سے زیادہ خوفناک چیز جس کا میں اندیشہ کرتا ہوں تمہارے حق میں وہ دو ہیں: ایک لمبی لمبی امیدیں رکھنا، اور دوسرے خواہشِ نفس کی پیروی کرنا۔ رہا امیدوں کا لمبا ہونا، یہ آخرت کو بھلا دیتا ہے، اور رہا خواہش کی پیروی کرنا یہ آدمی کو حق سے دور کر دیتا ہے۔ خوب سن رکھو! کہ دنیا پشت پھیر کر جارہی ہے، اور آخرت ہماری طرف متوجہ ہو کر تیزی سے آرہی ہے، اور ان دونوں کے کچھ بیٹے ہیں، سو اگر تم سے ہو سکے تو آخرت کے بیٹوں میں سے بنو! دنیا کے بیٹوں میں سے نہ بنو، کیونکہ آج کا دن عمل کا ہے حساب کا نہیں، اور کل کو حساب ہوگا عمل نہیں ہوگا۔''

ظاہر اور پوشیدہ سے عبرت!

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خطبہ کے آخری جملے تھے، جن کو میں بیان کر رہا تھا کہ جس شخص کو سامنے کی چیزیں نفع نہیں دیتیں اور ان سے وہ عبرت نہیں پکڑتا، تو جو چیزیں کہ اس سے پوشیدہ ہیں، وہ ان کے بارے میں زیادہ اندھا پن اختیار کرے گا۔ جب آنکھوں دیکھی چیز سے یہ عبرت نہیں پکڑتا تو جو چیزیں اس کی نظر سے پوشیدہ ہیں کیا توقع ہے کہ وہ ان سے عبرت پکڑے گا؟ جب کوئی سامنے کی چیزوں سے عبرت نہیں پکڑتا اور عمل پر آمادہ نہیں ہوتا، تو جو چیزیں کہ اس سے غائب ہیں ان کو سننے کے بعد یہ کیونکر عمل پر آمادہ ہوگا؟ مشہور ہے کہ:

''اَلسَّعِیْدُ مَنْ وَعَظَ بِغَیْرِہٖ!'' (اتحاف ج:۱۰ ص:۲۳۵)

ترجمہ:......''نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے عبرت

پکڑے!"

یعنی دوسروں پر جو حالات گزر رہے ہیں، ان حالات کو دیکھ کر عبرت پکڑے، مرنے والے مر رہے ہیں، ہمیں ان سے عبرت پکڑنا چاہئے کہ ایک دن ہمیں بھی مرنا ہے، مرنے والا اپنے بیوی بچوں، گھر بار، اور کاروبار کو چھوڑ کر چلا گیا، اب نہ کوئی اس فیصلہ خداوندی کے خلاف اپیل کرسکتا ہے اور نہ مرنے والے کو کوئی واپس لاسکتا ہے، اور اگر وہ بیچارہ واپس آ بھی جائے تو کوئی اس کو قبول ہی نہیں کرے گا، دوسروں کو چاہئے کہ اس سے عبرت پکڑیں اور سوچیں کہ ہمارے ساتھ بھی یہی ہونے والا ہے!

قبر سے واپس آنے والے کا قصہ:

ایک قصہ ہم نے پڑھا تھا کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، اس کو دفن کردیا گیا، حقیقت میں اس کا انتقال نہیں ہوا تھا بلکہ اس کو سکتہ ہوگیا تھا، سکتہ ایک بیماری ہوتی ہے جس سے آدمی مُردے جیسا ہوجاتا ہے، حالانکہ وہ زندہ ہوتا ہے، نبض بھی بند ہوجاتی ہے، دل کی حرکت بھی بند ہوجاتی ہے، پھر یہ سکتہ بعض اوقات دو دو دن، تین تین دن رہتا ہے، لیکن روح کا تعلق بدن سے قائم ہوتا ہے، اس کی علامتیں اطبا بتاتے ہیں، مگر ایک موٹی سی علامت یہ ہے کہ روح جب بدن سے جدا ہوجاتی ہے تو جسم میں تغیر پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے، لیکن اگر سکتہ کی بیماری ہو تو جسم میں تغیر وغیرہ نہیں ہوتا، کئی کئی دنوں سے آدمی سکتہ میں پڑا ہوتا ہے، ہاتھ ہلاؤ تو ہاتھ ہلیں گے، اسی طرح دوسرے اعضا کو حرکت دو، وہ بھی حرکت کریں گے۔

تو خیر اس بے چارے کو سکتہ کی بیماری ہوگئی، ورثا نے اس کو مُردہ سمجھ کر دفن کردیا، جب لوگ اس کو دفن کرکے گھر واپس آگئے تو قبر میں اس کے سکتہ کی بیماری دور ہوگئی اور کوئی ایسی صورت ہوگئی ہوگی کہ قبر سے کراہنے کی آواز آئی، کسی نے سوچا کہ بھائی یہ تو قبر کے اندر کوئی زندہ آدمی ہے، اس کی قبر کھولی تو یہ کفن پہنے ہوئے زندہ نکل

آیا، قبر کھولنے والے نے اس سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ کہنے لگا: میں زندہ تھا، لوگ مجھے دفن کر کے چلے گئے، حالانکہ مجھے سکتہ کی بیماری تھی! اس آدمی نے کہا کہ: تم کون ہو؟ تمہارا گھر کہاں ہے؟ اس نے سب کچھ بتادیا، شام کا وقت تھا، وہ اپنے گھر چلا گیا اور اس نے اپنے گھر کے دروازے پر دستک دی، اس کا لڑکا نکلا، اس نے جو دیکھا تو ابا سامنے کھڑا ہے، اس نے سمجھا کہ ابا کی شکل میں کوئی جن آگیا ہے، کیونکہ ابا کو تو وہ اپنے ہاتھوں سے دفن کرآئے تھے، اس لئے گھر والوں نے اس کو قبول نہیں کیا، بلکہ یہ منظر دیکھ کر ان کے ہوش اُڑ گئے، اب وہ بیچارہ کہتا ہی رہا کہ میں فلاں ہوں! مگر لوگوں نے کہا کہ: اس کو تو ہم دفن کر کے آئے ہیں، اتنے میں اس کے لڑکے نے اس کے سر پر کوئی چیز ماری، وہ وہیں ڈھیر ہوگیا، وہیں مرگیا۔ تم ذرا قبر سے اُٹھ کر آکے تو دکھاؤ! اول تو تمہیں اُٹھنے کون دے گا؟ اور اگر اُٹھ کر آبھی گئے، تو جنہوں نے تمہیں گھر سے نکال دیا تھا یعنی قبرستان پہنچا آئے تھے، اب وہ قبول نہیں کریں گے۔

تو یہ مطلب ہے کہ جب تم سامنے کی چیزوں کو دیکھ کر عبرت نہیں پکڑتے تو جو چیزیں تمہاری نظر سے غائب ہیں، پوشیدہ ہیں ان کے معاملہ میں تو اس سے بھی زیادہ اندھاپن اختیار کروگے۔

میدانِ حشر کی ہولناکی:

ہم لوگ قبر کے حالات سنتے ہیں، اس سے کوئی عبرت نہیں، قیامت کے دن کے احوال سنتے ہیں، اس کی ہولناکیاں سنتے ہیں، وہاں کا حساب و کتاب، حقوق کا دلایا جانا، لوگوں کا مارے مارے پھرنا وغیرہ، مگر پھر بھی ہم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے، میدانِ حشر کی ہولناکی کا تذکرہ قرآن کریم میں یوں فرمایا گیا ہے:

"یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ. وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ. وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ. لِكُلِّ امْرِءٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ." (عبس:۳۴ تا ۳۷)

ترجمہ:......''جس دن بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے،
اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے، ہر آدمی کے لئے ایک ایسی حالت ہوگی جو اس کو کفایت کرے گی، دوسری طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔''

ایک نیکی کوئی نہیں دے گا:

وہ حدیث شریف میں مشہور قصہ ذکر فرمایا گیا ہے، آپ نے بھی کئی دفعہ سنا ہوگا کہ:

''اِنَّهُ یُؤْتٰی بِرَجُلٍ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فَمَا یَجِدُ لَهٗ حَسَنَةً تُرَجِّحُ مِیْزَانَهٗ وَقَدْ اِعْتَدَلَتْ بِالسَّوِیَّةِ، فَیَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی لَهٗ رَحْمَةً مِّنْهُ: اِذْهَبْ فِی النَّاسِ فَالْتَمِسْ مَنْ یُّعْطِیْکَ حَسَنَةً اُدْخِلُکَ بِهَا الْجَنَّةَ! فَیَسِیْرُ یَجُوْسُ خِلَالَ الْعَالَمِیْنَ، فَمَا یَجِدُ اَحَدًا یُّکَلِّمُهٗ فِیْ ذٰلِکَ الْاَمْرِ اِلَّا یَقُوْلُ لَهٗ: خِفْتُ اَنْ یَخِفَّ مِیْزَانِیْ، فَاَنَا اَحْوَجُ مِنْکَ اِلَیْهَا! فَیَیْأَسُ فَیَقُوْلُ لَهٗ رَجُلٌ: مَا الَّذِیْ تَطْلُبُ؟ فَیَقُوْلُ: حَسَنَةً وَّاحِدَةً! فَلَقَدْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ مِنْهَا اُلُوْفٌ فَبَخِلُوْا عَلَیَّ، فَیَقُوْلُ لَهُ الرَّجُلُ: لَقَدْ لَقِیْتُ اللّٰہَ تَعَالٰی فَمَا وَجَدْتُّ فِیْ صَحِیْفَتِیْ اِلَّا حَسَنَةً وَّاحِدَةً وَمَا اَظُنُّهَا تُغْنِیْ عَنِّیْ شَیْئًا خُذْهَا هِبَةً مِّنِّیْ اِلَیْکَ. فَیَنْطَلِقُ فَرِحًا مَسْرُوْرًا، فَیَقُوْلُ اللّٰہُ لَهٗ: مَا بَالُکَ؟ وَهُوَ اَعْلَمُ، فَیَقُوْلُ: رَبِّ اتفق مِنْ اَمْرِیْ کَیْتَ وَکَیْتَ، ثُمَّ یُنَادِیْ سُبْحَانَهٗ بِصَاحِبِهِ الَّذِیْ وَهَبَهُ الْحَسَنَةَ فَیَقُوْلُ لَهٗ سُبْحَانَهٗ: کَرَمِیْ اَوْسَعُ مِنْ کَرَمِکَ،

خُذْ بِیَدِ اَخِیْکَ وَانْطَلِقَا اِلَی الْجَنَّۃِ."

(التذکرہ فی احوال الموتیٰ وامور الآخرۃ، علامہ قرطبیؒ، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص:۳۷۱، رسائل غزالی تحت الدرۃ الفاخرۃ فی کشف علوم الآخرۃ، امام غزالیؒ، ص:۱۳۶، ۱۳۷، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ:...... "قیامت کے دن ایک ایسے آدمی کو لایا جائے گا جس کے گناہ اور نیکیاں برابر ہوں گی، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اُسے فرمائیں گے: جاؤ! کسی سے ایک نیکی مانگ لاؤ تاکہ تیری نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوجائے اور تجھے جنت میں داخل کردیں۔ وہ میدانِ حشر میں نیکی کی تلاش میں چکر لگائے گا، اور ہر ایک سے ایک نیکی کا سوال کرے گا، مگر اس سلسلہ میں اس سے کوئی بات نہیں کرے گا، ہر ایک کو یہ خوف دامن گیر ہوگا کہ کہیں میری نیکیوں کا پلڑا ہلکا نہ ہوجائے اور مجھے ایک نیکی کی ضرورت نہ پڑجائے، یوں ہر ایک اپنی ضرورت اور احتیاج کے پیش نظر اسے ایک نیکی دینے سے انکار کردے گا، وہ مایوس ہوجائے گا کہ اتنے میں اس کی ایک آدمی سے ملاقات ہوگی، جو اُسے کہے گا: کیا تلاش کر رہے ہو؟ یہ کہے گا کہ: ایک نیکی تلاش کر رہا ہوں! پورے خاندان اور قوم سے ملا ہوں، ہزاروں نیکیاں رکھنے کے باوجود کوئی ایک نیکی دینے کا روادار نہیں، سب نے ایک نیکی دینے سے بخل کا مظاہرہ کیا ہے، وہ شخص اسے کہے گا کہ: میرے نامہ اعمال میں صرف ایک ہی نیکی ہے، اور مجھے یقین ہے کہ ایک نیکی مجھے کوئی نفع نہیں دے گی، لہٰذا یہ نیکی آپ میری طرف سے بطور ہبہ قبول کیجئے! وہ شخص ایک نیکی لے کر

خوش و خرم بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوگا، تو اللہ تعالیٰ باوجود عالم الغیب ہونے کے اس سے پوچھیں گے: کہاں سے لائے؟ وہ اپنا پورا قصہ کہہ سنائے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس ایک نیکی والے کو بلاکر فرمائیں گے: میرا کرم و احسان تیری سخاوت سے وسیع تر ہے! اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور دونوں جنت میں جاؤ۔ یوں وہ دونوں جنت میں چلے جائیں گے۔"

یعنی ایک آدمی کا نامۂ اعمال تولا جائے گا، نیکیاں اور بدیاں برابر ہوجائیں گی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: کہیں سے ایک نیکی لے آؤ تو تمہارے لئے جنت کا فیصلہ ہوجائے گا!

چاہئے تو یہ تھا کہ آدمی اللہ تعالیٰ سے کہتا کہ: ایک نیکی کس سے مانگوں؟ آپ ہی سے کیوں نہ مانگ لوں، کہاں مارا مارا پھروں گا؟ آپ احکم الحاکمین ہیں، ایک نیکی انعام کے طور پر اپنے پاس سے عطا کردیجئے، میرا بیڑا پار ہوجائے گا! لیکن شاید اس سے مجاہدہ کرانا ہوگا جو اس نے دنیا میں نہیں کیا، اب آخرت کی ہولناک تپش میں وہ مارا مارا پھرے گا، بھائی کے پاس جائے گا، بھائی نہیں مانے گا، وہ کہے گا کہ: میرا تو کوئی بھائی نہیں تھا! ماں کے پاس جائے گا تو وہ کہے گی کہ: میں نے تو نکاح ہی نہیں کیا! میری اولاد کہاں سے آگئی؟ بیوی کے پاس جائے گا تو وہ کہے گی کہ: تو کون ہوتا ہے؟ میں نے تو کبھی شوہر نہیں کیا تھا! اولاد کے پاس جائے گا وہ بھی نہیں مانے گی، کہنے لگے گی کہ: ہم تو بغیر باپ کے ہی پیدا ہوئے تھے! اس نے سارے دروازے کھٹکھٹا کے دیکھ لئے، ساری جگہ پھر کے دیکھ لیا، سب سے مل کر دیکھ لیا، تمام عزیزوں نے صاف صاف جواب دے دیا، سب لوگ ایک نیکی تک نہیں دے رہے۔ بالآخر وہ پریشان حال چلتے چلتے ایک آدمی کے پاس سے گزرے گا، وہ کہے گا کہ: کیا قصہ ہے کہ بہت پریشان نظر آتے ہو؟ وہ اپنا ماجرا بتائے گا کہ جنت میں جانے کے

لئے ایک نیکی کی ضرورت ہے، وہ کہے گا کہ: بھائی! ہمارے نامۂ اعمال میں تو ہے ہی ایک نیکی، باقی سب بدیاں ہی بدیاں ہیں، جب تمہیں ایک نیکی نہ ہونے کی وجہ سے جنت میں جانے کی اجازت نہیں مل رہی تو ہمارے لئے تو ظاہر ہے کہ جہنم واجب ہے! ان بدیوں کے مقابلے میں ظاہر ہے کہ اتنی ساری نیکیاں کہاں سے لائیں گے؟ چلو بھائی! ایک نیکی تم لے جاؤ! تمہارا تو کام بن جائے، ہمارے لئے تو پہلے بھی دوزخ میں جانا تھا، اب بھی دوزخ میں جانا ہے، اس سے زیادہ اور کیا ہوگا؟ ایک نیکی دے کر بھی ہمارا کیا نقصان ہوگا؟ لے جاؤ یہ نیکی تم اپنا کام چلاؤ! اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہی ہے، وہ نیکی لے کر جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: کس نے دی ہے؟ تمہارے ابا نے؟ کہے گا: نہیں! اماں نے؟ کہنے لگے گا کہ: نہیں! بیوی نے؟ کہے گا کہ: نہیں! اولاد نے؟ کہے گا کہ: نہیں! آخر کس نے دی؟ کہے گا کہ: ایک آدمی ملا تھا، اس غریب کے پاس ایک ہی نیکی تھی، اس نے کہا: یہ نیکی تم لے جاؤ! اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: اس کو جنت میں پہلے بھیجو! وہ آگے ہوگا اور یہ اس کے پیچھے ہوگا۔

تو ہم یہ سب کچھ سنتے ہیں لیکن ان سنی ہوئی باتوں سے ہمیں کیا عبرت ہو؟ اس کو امیرالمؤمنین رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں جو آنکھوں دیکھی چیزوں سے عبرت نہیں پکڑتا تو وہ ان چیزوں سے جو اس سے غائب ہیں اور جن کے بارے میں صرف سنا ہے، ان سے کیا عبرت پکڑے گا؟

اولاد کا باپ کو دنیا ہی میں برداشت نہ کرنا:

میرے سامنے دسیوں کیس اس قسم کے آئے کہ بڑے میاں کو نہ اس کی بیوی قبول کرتی ہے اور نہ اولاد قبول کرتی ہے، آپ نے بھی ایسے واقعات سنے ہوں گے، ساری عمر ان کو کھلا کھلا کر موٹا کیا اور ان کے لئے اپنا دین بھی برباد کیا، دنیا بھی برباد کی، لیکن آج جب بڑے میاں معذور ہوگئے تو ان کو جواب دے دیا گیا، بڑے میاں

کی کھانسی برداشت نہیں ہوتی، بڑھاپے میں بچارا کھانستا ہے، اس کو ساری ساری رات نیند نہیں آتی، اور ان لوگوں کو اس کی کھانسی برداشت نہیں ہوتی، کہتے ہیں کہ: یہ بوڑھا ساری رات سونے نہیں دیتا! یہ صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ بہت سارے واقعات ہیں، تو قبر کے معاملات اور حشر کے معاملات، دوزخ کے معاملات اور جنت کے معاملات یہ تو ابھی ہم سے غائب ہیں، عالم غیب ہے، یہ ابھی کھلا نہیں، اس عالم شہادت سے تم عبرت نہیں پکڑتے تو عالم غیب سے کیا عبرت پکڑو گے؟

ظالم سے ظلم کا بدلہ لیا جائے گا:

تم یہاں نہیں دیکھتے ہو کہ ظالم کو اللہ تعالیٰ پکڑتے ہیں اور بدلہ لیتے ہیں، اس کے باوجود لوگوں کو عبرت نہیں ہوتی، بھائی کبھی کسی پر ظلم نہ کیا جائے، آج تو حالت یہ ہو چکی ہے کہ کسی کے ہاتھ یتیم کا مال لگ جائے تو اس کو پرواہ نہیں وہ کھا پی جاتا ہے، قرآن نے کہا ہے:

”اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتَامٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا.“ (النسآ:۱۰)

ترجمہ:...... ”جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں تو وہ مال نہیں کھاتے بلکہ وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں!“

قبر میں بداعمالیوں کے سانپ کا قصہ:

گزشتہ جمعہ کو میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے ایک قصہ سنایا تھا نا! جس کی بیہقی اور ابن ابی الدنیا نے یوں نقل کیا ہے:

”اخرجه ابن ابی الدنیا والبیهقی فی شعب الایمان عن عبدالحمید بن محمود المعولی قال: کُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ فَاَتَاهُ قَوْمٌ فَقَالُوْا: اِنَّا خَرَجْنَا

حُجّاجًا مَعَنَا صَاحِبٌ لَّنا حَتّٰی اَتَیْنَا ذَاتَ الصِّفَاحِ، فَمَاتَ فَهَیَّأْنَاهُ، ثُمَّ انْطَلَقْنَا، فَحفرْنَا لَهُ قَبْرًا لَحِدْنَا لَهُ، فَلَمَّا فَرَغْنَا مِنْ لَحْدِهٖ، فَاِذَا نَحْنُ بِاَسْوَدَ قَدْ مَلَأَ اللَّحْدَ، فَتَرَکْنَاهُ وَحَفَرْنَا لَهُ مَکَانًا آخَرَ، فَلَمَّا فَرَغْنَا مِنْ لَحْدِهٖ اِذَا نَحْنُ بِاَسْوَدَ قَدْ مَلَأَ اللَّحْدَ فَتَرَکْنَاهُ وَاَتَیْنَاکَ، فَقَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ: ذَاکَ الْغُلُّ الَّذِیْ یَغُلُّ - ولفظ البیهقی -: ذٰلِکَ عَمَلُهُ الَّذِیْ کَانَ یَعْمَلُ، اِنْطَلِقُوْا فَادْفِنُوْهُ فِیْ بَعْضِهَا، فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ! لَوْ حَفَرْتُمُ الْاَرْضَ کُلَّهَا لَوَجَدْتُّمُوْهُ فِیْهَا. فَانْطَلَقْنَا فَدَفَنَّاهُ فِیْ بَعْضِهَا، فَلَمَّا رَجَعْنَا سَأَلْنَا اِمْرَأَتَهُ مَا کَانَ یَعْمَلُ زَوْجُکِ؟ قَالَتْ: کَانَ یَبِیْعُ الطَّعَامَ فَیَأْخُذُ کُلَّ یَوْمٍ عَنْهُ قُوْتَ اَهْلِهٖ، ثم یقرض الفصل فَیُلْقِیْهِ فِیْهِ.“

(شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ فی القبور ص۱۷۴، طبع دارالکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ:...... ”ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے شعب الایمان میں عبدالحمید بن محمود معولی سے نقل کیا ہے کہ میں ایک دن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ کچھ لوگ آکر کہنے لگے کہ: ہم حج کرنے آئے تھے، ہمارے ساتھ ایک صاحب تھے جن کا انتقال ہوگیا، ہم نے ان کے غسل وکفن سے فراغت کے بعد ان کے لئے قبر کھودی، ابھی ہم اس کی تدفین کرنا ہی چاہتے تھے کہ دیکھا کہ اس قبر میں ایک بہت بڑا کالا سانپ ہے، جس نے قبر کو بھر رکھا ہے، ہم نے وہ جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ قبر کھودی، تو وہاں بھی یہی معاملہ تھا، تب ہم آپ کے پاس آئے ہیں کہ

ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ابن عباسؓ نے فرمایا: یہ اس کا وہ دھوکا اور کھوٹ ہے جو کیا کرتا تھا۔ بیہقی کے الفاظ ہیں کہ: یہ اس کا وہ عمل ہے جو وہ کیا کرتا تھا۔ جاؤ! اس کو ان میں سے کسی قبر میں دفن کردو، مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! تم پوری زمین میں جہاں اس کے لئے قبر کھودو گے اس سانپ کو وہاں پاؤگے۔ راوی کہتا ہے کہ: ہم نے ان میں سے ایک قبر میں اس کو دفن کردیا، جب ہم حج سے فارغ ہوکر گھر لوٹے تو اس کی بیوی کے پاس گئے، اور اس سے پوچھا کہ تیرا شوہر کیا عمل کرتا تھا؟ اس نے کہا: گندم کی تجارت کرتا تھا، جتنا روز کا گھر کا خرچہ ہوتا وہ اتنا نکال لیتا تھا اور اس کی جگہ گندم کا ردی حصہ یعنی جو وغیرہ اس میں ملاکر وزن برابر کردیتا تھا۔‘‘

یعنی حاجیوں کا قافلہ جارہا تھا، ایک حاجی کا راستے میں مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر انتقال ہوگیا، اس کو کفن دینے کے بعد نماز جنازہ پڑھ کر دفن کرنے لگے، قبر کھودی تو ایک بہت بڑا سانپ جس کو اژدہا کہتے ہیں، اس نے پوری لحد گھیری ہوئی ہے، لوگ حیرت زدہ ہوگئے، دوسری جگہ کھودی تو وہاں بھی یہی ہوا، تیسری جگہ کھودی تو وہاں بھی یہی صورتِ حال، تو لوگ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور کہا کہ: حضرت! کیا کریں؟ فرمایا: ساری دنیا کی زمین بھی کھودلوگے تو یہ تمہیں وہاں بھی ملے گا، یہ اس کا عمل ہے، سانپ نہیں ہے!

یہ جو قبر میں ہم سانپ اور بچھو کا سنتے ہیں، یہ حقیقتِ واقعہ ہے، یہ محض ڈرانے کی باتیں نہیں ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات ہیں، اور یہ سانپ اور بچھو اور دوسرے کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض اور دوسری بلائیں یہ ساری کی ساری اس کے اپنے اعمال ہیں، اور جو قبر ”رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ“ یعنی

جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے، یہ بھی اپنے اعمال ہیں۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کو اسی قبر میں دفن کردو! تم ساری روئے زمین بھی کھودلو گے تو یہ وہاں ضرور نکلے گا، کیونکہ یہ اس کا اپنا عمل ہے! پھر کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو وہیں دھکیل کر (ڈر اور خوف تو تھا ہی) جلدی سے اوپر سے بند کردیا۔

ملاوٹ کا وبال:

واپس آئے تو اس کے گھر گئے، اس کی بیوی سے پہلے تعزیت کی اور پھر پوچھا: یہ کیا بات تھی؟ سارا قصہ اس کو سنایا، کہنے لگی کہ: غلے کا کاروبار کرتا تھا، جتنی آج کی ضرورت ہوتی اتنے گیہوں نکال لیتا اس کی جگہ ''جو'' ڈال دیتا، وزن پورا رکھتا تھا۔ تاجر حضرات سن لیں! ملاوٹ کرنے والے اتنے سے نفع کے لئے اتنا نقصان کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ. الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ. وَاِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ. اَ لَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ. لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ. يَّوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ.'' (المطففین:۱ تا ٦)

ترجمہ:...... ''ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں، اور جب ان کو ناپ کر دیتے ہیں یا وزن کرکے دیتے ہیں تو ڈنڈی مارتے ہیں، گھاٹا ڈالتے ہیں، لوگوں کو کم دیتے ہیں، کیا ان کو یہ گمان نہیں ہے کہ ان کو ایک بڑے دن میں اُٹھایا جائے گا؟ جس دن سب انسان رب العالمین کے سامنے حاضر

ہوں گے، کھڑے ہوں گے!''

دنیا عبرت کی جا ہے!

دراصل ہمارا آخرت پر ایمان نہیں رہا، اور آخرت سے پہلے قبر پر بھی ایمان نہیں، خواجہ مجذوب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے!
یہ عبرت کی جا ہے، تماشا نہیں ہے!

یہاں تم عبرت پکڑو، تماشے نہ دیکھو!

نیک بخت شخص؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: نیک بخت ہے وہ شخص جو دوسروں کے حال سے عبرت پکڑے! شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لقمان حکیم را گفتند ادب از کسے آموختی؟ گفت از بے ادباں!

حکیم لقمان سے لوگوں نے پوچھا کہ: آپ نے ادب کس سے سیکھا؟ فرمایا کہ: بے ادبوں سے سیکھا! لوگوں نے کہا: وہ کیسے؟ فرمایا: جو بات میں نے کسی کے اندر ایسی دیکھی جو میری نظر میں اچھی نہیں تھی، تو میں نے فیصلہ کرلیا کہ آئندہ مجھ سے یہ بات یا عمل نہیں صادر ہوگا، اس کو تو کچھ نہیں کہا، البتہ اپنی اصلاح کرلی، اس طرح باادب اور صاحبِ ادب بن گئے، گویا جتنے بے ادب تھے اور ان کے اندر جو بات بھی ناپسندیدہ تھی یا نظر آئی، میں نے اس کو چھوڑ دیا، اس کو کہتے ہیں دوسروں سے عبرت پکڑنا! تو جو شخص آنکھوں دیکھی چیز سے عبرت نہیں پکڑتا، وہ کانوں سنی سے کیا عبرت پکڑے گا؟ اس کے سامنے دوزخ کے حالات بیان کرو، اس کے سامنے قیامت کی ہولناکیاں بیان کرو، اس کے سامنے قبر کی باتیں بیان کرو، اس کے لئے یہ سب بے سود ہے!

کوچ کا نقارہ بج چکا:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: ایک بات یاد رکھو! کہ تمہارے لئے کوچ کا نقارہ بج چکا ہے۔

نمازِ جنازہ میں اذان اور اقامت نہیں ہوتی، کیونکہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے کان میں اذان اور اقامت کہہ دی جاتی ہے، اور بچے کے کان میں اذان اور اقامت کہنے کا معنی یہ ہے کہ اس سے کہہ دیا جاتا ہے کہ جلدی کر اذان ہوچکی ہے، اقامت ہوچکی ہے، امام نیت باندھنے والا ہے، بس اتنی مہلت ہے تیرے پاس! کیونکہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ تکبیر کے بعد امام کی نیت باندھنے میں جتنی دیر لگتی ہے، بس اتنی فرصت ہے تیرے پاس، جلدی کرلے جو کرنا ہے، یہ ہے کوچ کا نقارہ، فرماتے ہیں کہ: کوچ کا نقارہ بج چکا ہے، اور تمہیں یہ بھی بتادیا گیا ہے کہ توشہ ساتھ لے کر جانا ہے۔ کیا توشہ لے کر جانا ہے؟

بوجھ ہلکا کرو:

میں نے شیخ عطار رحمہ اللہ کا شعر آپ کو سنایا تھا، حضرتؒ فرماتے ہیں کہ: تیرا وجود اور جثہ بہت کمزور ہے، ذرا اپنا بوجھ ہلکا کرلو، یہ تم نے خوبصورت پتھروں کی گٹھڑیاں باندھ باندھ کر رکھ لیں، ذرا اپنا بوجھ ہلکا رکھو، پیسے جیب میں لے جاؤ، سونے کی اشرفیاں لے جاؤ، یہ تمہیں کام دیں گی، اور یہ جو تم گٹھڑیاں باندھ باندھ کر رکھ رہے ہو تمہیں معلوم ہے کہ کمر پر لاد کے لے جانا ہے، تم تو بہت ہلکا سا، کمزور سا وجود رکھتے ہو، اپنا بوجھ ہلکا رکھو، ورنہ راستے میں تم اپنا معاملہ بڑا سخت دیکھو گے، حضرتؒ یہ ساری چیزیں جو باندھ باندھ کے لے کر جارہے ہیں خود اُٹھانی پڑیں گی، وہاں قلی نہیں ملتے، ارے یہاں لندن کے ایئرپورٹ پر قلی نہیں ملتے تو وہاں کہاں ملیں

گے؟ وہاں تو یہ معاملہ ہوگا کہ: دستِ خود دھنِ خود، یعنی اپنا ہاتھ اور اپنا منہ۔ خود ہی نمٹو، تو تمہیں بتا دیا گیا ہے کہ یہ توشہ لے کر جانا ہے، مگر تم سنتے ہی نہیں، جو توشہ لے جانا ہے اس کی فکر نہیں کر رہے، اور جو بوجھ نہیں اُٹھانا ہے اس کو باندھ رہے ہو۔

طولِ امل اور اتباعِ ہویٰ:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ: دو چیزیں مجھے تمہارے حق میں سب سے زیادہ خوفناک نظر آ رہی ہیں، ایک طولِ امل (''طول'' کے معنی لمبا ہونا اور ''امل'' کے معنی امیدیں)۔ ہم میں سے ہر شخص جب مکان بناتا ہے تو آر سی سی کا بناتا ہے، اچھے سے اچھا مال، اتنے موٹے موٹے سریے، گویا زبانِ حال سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کرے یہ مکان حادثہ سے محفوظ رہے، تو یہ عمارت ایک ہزار سال تو کہیں جاتی نہیں، لیکن:

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں!
سامان سو برس کا پل کی خبر نہیں!

یہ تو اپنی موت سے بے خبر ہو کر ہم امیدیں لگائے بیٹھے ہیں کہ یہ کریں گے، وہ کریں گے، اسی کا نام ''طولِ امل'' ہے، امیدوں کا لمبا رکھنا، ہاں بقدرِ ضرورت سامان جمع کر سکتے ہو، مثلاً تم ملازم ہو اور ایک ماہ کے بعد تنخواہ ملتی ہے، تو تم ایک ماہ کا سامان کرلو، اگر کوئی بیچارا کسان ہے اور اس کی فصل چھ ماہ کے بعد آتی ہے، چھ ماہ کا سامان کرلو، اور ایک بیچارہ مزدور ہے، دہاڑی پر کام کرتا ہے، وہ ایک دن کا انتظام کرلے، کل اللہ تعالیٰ دے گا، زندگی ہوگی تو اللہ تعالیٰ ضرور دیں گے، یہ تو موٹی سی بات ہے کہ اگر زندگی اللہ تعالیٰ نے لکھی ہے تو زندگی کسی چیز کے ساتھ قائم بھی تو رہے گی، تو اللہ تعالیٰ زندگی کو قائم رکھنے کے لئے بھی کوئی نہ کوئی بندوبست کرے گا، اتنی مختصر سی بات تھی کہ ہم اپنے کام میں لگتے اور یہاں کی دلچسپیوں کو کم کرتے، لیکن ہمارا معاملہ بالکل اُلٹ ہوگیا، امیدیں لمبی ہوگئیں، اور آخرت کی فکر بالکل ہی موہوم ہوگئی،

بلکہ موہوم ہوتے ہوتے معدوم ہوگئی، دن رات کے چوبیس گھنٹے میں ہمیں شاید ہی خیال آتا ہو کہ ہمیں جانا ہے، یار تیاری کرلیں! کل سفر ہے اور سفر بہت دور کا ہے! یہاں سے لوگ حرمین شریفین کے سفر پر جاتے ہیں یا کسی اور جگہ کسی اور ملک میں جاتے ہیں تو وہاں جاکر ٹیلی فون کرتے ہیں کہ میں فلاں چیز بھول آیا ہوں، فلاں آدمی آرہا ہے میرے پاس، اس کے ہاتھ بھجوادینا، تو بھائی! یہ ایسا سفر ہے کہ اس سفر میں ٹیلی فون بھی نہیں کرسکوگے، تمہیں واپس آنے کی مہلت نہیں ہوگی اور کچھ منگوانے کی مہلت نہیں ہوگی، تو لمبی امیدوں کی جگہ چاہیے تو یہ تھا کہ ہماری امیدیں منقطع ہوجاتیں، اور آدمی یہ کہتا کہ مجھے اس چیز سے کیا غرض؟ اور میں اس کا کیا کروں گا؟ کیونکہ میرا تو شام کو سفر ہے، جب میں شام کو جارہا ہوں اور رخصت ہورہا ہوں تو مجھے کوئی ہزار بلڈنگیں بھی دے دے تو میں ان کو کیا کروں گا؟ کوئی کہے کہ یہ کارخانہ آپ کا ہے، کوئی مفت بھی دے تو میں لینے کے لئے تیار نہیں ہوں گا، کیونکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں، بھائی ہمارا اصل معاملہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ موت نصب العین ہوتی، ہماری قبر ہمارے سامنے ہوتی اور ہمیں خیال ہوتا کہ صبح گئے یا شام گئے، کہاں کی امیدیں؟ کہاں کے منصوبے؟ اور کہاں کی یہ چیزیں؟ لیکن ہمیں غارت کردیا یہاں کے منصوبوں نے، اور جس کے لئے منصوبہ بندی کرنا چاہیے تھی وہ تو کی ہی نہیں۔

اتباعِ ہویٰ کے نقصانات:

فرمایا: ایک تو مجھے سب سے زیادہ خطرے کی چیز یہ نظر آرہی ہے، اور دوسری چیز ہے "اتباعِ ہویٰ" یعنی خواہش نفس کی پیروی کرنا۔

ہماری خواہش نفس کا یہ حال ہے کہ اگر کوئی شریعت کا مسئلہ یا شریعت کی کوئی بات ہماری خواہش نفس کے مطابق ہوگی تو ہم عمل کریں گے، ورنہ کہہ دیں گے کہ: "اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے!" بس نفس کی خواہش پوری ہونی چاہیے، اللہ اور اللہ

کے رسول کا فرمان پورا ہوتا ہے یا نہیں؟ اس چیز سے ہمیں بحث نہیں! بس ہماری خواہش نفس پوری ہونی چاہئے۔

طولِ امل کا نقصان:

فرمایا کہ: ان دونوں کے خطرناک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ''طولِ امل'' امیدوں کا لمبا ہونا، آدمی کو آخرت بھلا دیتا ہے۔ آرزوؤں میں پڑ کے آدمی آخرت سے غافل ہو جاتا ہے، آخرت کا کام کرنے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

اتباعِ ہویٰ یعنی خواہش نفس اور اس کی پیروی کرنا یہ آدمی کو حق سے روک دیتا ہے۔ جو شخص اپنی خواہش نفس پر چلتا ہو، وہ حق کو قبول نہیں کر سکتا، اس کے سامنے کتنے ہی اخلاص کے ساتھ، کتنی ہی ہمدردی کے ساتھ اور کتنی ہی محبت کے ساتھ اور کیسی ہی نرمی کے ساتھ حق بات پیش کیجئے، چونکہ وہ حق بات اس کی خواہش کے خلاف ہے، اس لئے وہ اسے قبول نہیں کرے گا، بلکہ جواب دے گا کہ: ''جاؤ جی مولوی صاحب! اپنا کام کرو! تم نہیں جانتے ان معاملات کو!'' یہ ہے وہ اتباعِ ہویٰ! جو آدمی کو حق سے روک دیتا ہے، خواہش نفس کی پیروی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جب کوئی حکم سامنے آجائے تو اپنے نفس کی خواہش کو چھوڑ دو یہ ہمارا نفس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہمارا خیر خواہ نہیں۔

دنیا جا رہی ہے اور آخرت آ رہی ہے:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: دنیا جا رہی ہے، آخرت آ رہی ہے، اور دونوں کے بیٹے ہیں۔

آخرت کے بیٹے بنو:

کچھ بیٹے ہیں دنیا کے، کچھ بیٹے ہیں آخرت کے، آپ کو معلوم ہے کہ بیٹا جس باپ کا ہوتا ہے اس کی طرف منسوب ہوتا ہے، بیٹا تو ایک ہی باپ کا ہوتا ہے، دو

کا تو نہیں ہوتا، ایک باپ کے دو بیٹے تو ہوسکتے ہیں، مگر ایک بیٹے کے دو باپ نہیں ہوسکتے، باپ تو ایک ہی ہوگا۔ تو بعض لوگ ایسے ہیں جو ابنـاء الدنیا ہیں، دنیا کے بیٹے ہیں، ان کا اور کوئی باپ نہیں ہے، اور کچھ ہیں جو ابناء الآخرۃ ہیں، آخرت کے بیٹے ہیں، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا. اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا." (الکہف:۱۰۳،۱۰۴)

ترجمہ:......"(اے نبی!) آپ کہہ دیجئے کہ تمہیں بتائیں کہ عمل کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟ (اکثر سب سے زیادہ خسارہ اُٹھانے والے اعمال کے اعتبار سے کون ہیں؟) یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری محنت ضائع ہوگئی، گم ہوگئی دنیا کی زندگی میں، اور یہ لوگ گمان کر رہے ہیں کہ یہ لوگ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔"

دنیا کے بیٹے ابنائے آخرت کا مذاق اُڑاتے ہیں:

دنیا والے مُلّاؤں کا مذاق اُڑاتے ہیں کہ دنیا کا کام نہیں جانتے، اللہ والوں کا مذاق اُڑاتے ہیں، غریب غربا کا مذاق اُڑاتے ہیں، فقیروں کا مذاق اُڑاتے ہیں، جن کے پاس دنیا نہیں ہے ان کا مذاق اُڑاتے ہیں، اور یوں سمجھتے ہیں کہ ہم ہنرمند ہیں، تعلیم یافتہ ہیں، آج کل اسی کو تعلیم یافتہ کہتے ہیں جو دنیا کمانا، حرام کمانا زیادہ جانتا ہو۔

تمہیں کمزوروں کی برکت سے رزق ملتا ہے:

رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص اپنے چھوٹے بھائی کی شکایت لے کر آئے، بڑا بھائی کماتا تھا اور چھوٹا بھائی کماتا نہیں تھا، تمہاری اصطلاح

میں ''صوفی'' تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتا تھا، تو بڑے بھائی نے شکایت کی کہ حضرت! یہ یہیں پڑا رہتا ہے، کوئی کام دھندہ نہیں کرتا۔ وہ بیچارہ تو خاموش رہا، آخر بڑے بھائی کو کیا جواب دیتا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ!''

(مشکوٰۃ ص:۴۴۷)

ترجمہ:...... ''تمہاری جو مدد کی جاتی ہے اور تم کو جو رزق دیا جاتا ہے، وہ ان کمزوروں کی وجہ سے دیا جاتا ہے!''

تم سمجھتے ہو کہ میں کما رہا ہوں، تم نہیں کما رہے، اللہ تعالیٰ اس کے حصے کی دے رہا ہے، گھر میں جو سب سے کمزور آدمی ہے اور جو بیچارہ کمائی میں سب سے پھسڈی ہے، اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمام گھر والوں کو پال رہے ہیں، یہ ابناء الآخرۃ یعنی آخرت کے بیٹے ہیں، لیکن دنیا نہیں کماسکتے، کیا کریں؟ تم کبھی ان کا مذاق اُڑاتے ہو کہ خیرات کی روٹیوں پر پلتے ہیں، کبھی کچھ کہتے ہو، کبھی کچھ کہتے ہو، کہتے رہو بھائی! ہمارا کچھ نہیں بگڑتا، تم اپنا ہی نقصان کرتے ہو، لیکن تمہاری یاددہانی کے لئے کہتا ہوں جن کو تم کہتے ہو کہ یہ خیرات کی روٹیوں پر پلتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ تم ان کی وجہ سے پل رہے ہو، اللہ تعالیٰ تم کو ان کی وجہ سے پال رہا ہے، وہ نہ ہوتے تو اللہ تمہیں نہ پالتا، تم ان کو نہیں پال رہے، بلکہ ان کا ضعف، ان کی کمزوری یہ تمہیں پال رہی ہے، وہ اللہ کی رحمت کو کھینچ رہی ہے۔

آج عمل اور کل حساب ہوگا:

تو ارشاد فرمایا کہ: دنیا جارہی ہے، آخرت آرہی ہے، اور دونوں کے بنون ہیں، بیٹے ہیں، سو تم ابنائے دنیا نہ بنو، ابنائے آخرت بنو، کیونکہ آج عمل ہے، حساب نہیں، کرلو جو کرنا ہے، ایک ساتھ ہی حساب کریں گے۔ ایک آقا ہوتا ہے وہ ملازم سے ایک ایک بات پوچھتا ہے، یہ کیوں کیا؟ وہ کیوں نہیں کیا؟ اور ایک آقا بلند نظر ہوتا

ہے، وہ ایک ایک بات پر نہیں اُلجھتا، ملازم غلطی کرتا ہے، کرنے دو، ایک ماہ تو پورا ہونے دو، پھر اندازہ ہوجائے گا کہ یہ کیسا ہے؟ ہمارے ساتھ چل سکتا ہے کہ نہیں چل سکتا؟ ایک ایک بات پر نہیں اُلجھتا، ہدایتیں دے دیتا ہے، اخلاص کے ساتھ، محبت کے ساتھ، تو حق تعالیٰ شانہ ایک ایک بات پر تم سے نہیں اُلجھتے، ایک ایک بات پر مناقشہ نہیں فرماتے، عمل کی مہلت دے دی، عمل کرلو، حساب بعد میں کرلیں گے، لیکن آج کا دن ختم ہوگا، کل کا دن آئے گا تو عمل نہیں ہوگا حساب ہوگا، اس کو کہا جائے گا کہ پورا کرو حساب! کہے گا کہ: کہاں سے پورا کروں؟

میدانِ حشر میں ابنائے دنیا کا حال:

ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ:

”یُجَاءُ بِابْنِ آدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ کَاَنَّهٗ بَذَجٌ فَیُوْقَفُ بَیْنَ یَدَیِ اللهِ فَیَقُوْلُ لَهٗ: اَعْطَیْتُکَ وَخَوَّلْتُکَ وَاَنْعَمْتُ عَلَیْکَ فَمَا صَنَعْتَ؟ فَیَقُوْلُ: رَبِّ جَمَعْتُهٗ وَثَمَّرْتُهٗ وَتَرَکْتُهٗ اَکْثَرَ مَا کَانَ فَارْجِعْنِیْ آتِکَ بِهٖ کُلِّهٖ..... الخ.“
(مشکوٰۃ ص:۴۴۳)

ترجمہ:...... ”ایک آدمی قیامت کے دن ذلیل و رسوا کرکے اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ بندے سے پوچھیں گے کہ: میں نے تو بہت سارا مال دیا تھا تو نے کیا کیا؟ وہ کہے گا کہ: یا اللہ! میں نے اس کو خوب بڑھایا تھا، (ایک کی دو دکانیں بنالی تھیں، ایک کی چار بسیں بنالی تھیں، ایک کی چار فیکٹریاں بنالی تھیں، وغیرہ وغیرہ) بہت زیادہ میں نے کاروبار کو بڑھالیا تھا، بڑی ترقی دی تھی کاروبار کو، اگر آپ کو چاہئے تو مجھے واپس بھیج دیجئے میں لاکر آپ کو دے دیتا ہوں! اللہ تعالیٰ

فرمائیں گے کہ: نہیں! مجھے ضرورت نہیں ہے، وہ تو تمہیں یہاں بھیجنے کے لئے دیا تھا، تمہارے کام یہاں آتا۔“

حساب ہوگا عمل نہیں ہوگا اور آج عمل ہے حساب نہیں ہے۔

قبر والے کچھ کر نہیں سکتے:

شرح الصدور میں حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ:

”واخرج ابن ابی الدنیا عن ابی قلابة قال: اَقْبَلْتُ مِنَ الشَّامِ اِلَی الْبَصْرَةِ فَنَزَلْتُ الْخَنْدَقَ، فَتَطَهَّرْتُ، وَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ بِاللَّيْلِ، ثُمَّ وَضَعْتُ رَأْسِيْ عَلٰى قَبْرٍ، فَنِمْتُ ثُمَّ انْتَبَهْتُ فَاِذَا صَاحِبُ الْقَبْرِ يَشْتَكِيْ وَيَقُوْلُ: لَقَدْ آذَيْتَنِيْ مُنْذُ اللَّيْلَةَ! ثُمَّ قَالَ: اِنَّكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ وَنَحْنُ نَعْلَمُ، وَلَا نَقْدِرُ عَلَى الْعَمَلِ، اِنَّ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ رَكَعْتَهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا. ثُمَّ قَالَ: جَزَى اللهُ اَهْلَ الدُّنْيَا خَيْرًا فَاقْرَأْ مِنِّيَ السَّلَامَ، فَاِنَّهُ يَدْخُلُ عَلَيْنَا دُعَائُهُمْ نُوْرٌ مِثْلُ الْجِبَالِ.“ (شرح الصدور ص:۳۰۵ طبع بیروت)

ترجمہ:......”ابن ابی قلابہ کہتے ہیں کہ میں شام سے بصرہ کی طرف جارہا تھا کہ راستہ میں رات کو ایک خندق میں اُتر کر وضو کیا، دو رکعت نفل ادا کی اور قبر پر سر رکھ کر سوگیا، خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ قبر والا مجھ سے شکایت کر رہا ہے کہ رات بھر آپ نے مجھے (قبر پر سر رکھنے کی وجہ سے) ایذا دی، پھر کہنے لگا کہ: تم نہیں جانتے اور ہم جانتے ہیں، مگر عمل نہیں کر سکتے، بے شک وہ دو رکعتیں جو تو نے ادا کی ہیں، دنیا و ما فیہا سے بہتر

ہیں، پھر اس نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ دنیا والوں کو جزائے خیر دے،
آپ ان کو میرا سلام کہئے اور ان کو بتلایئے کہ ان کی دعائیں
ہماری قبروں میں نور کے پہاڑوں کی طرح داخل ہوتی ہیں۔''

یعنی ایک بزرگ قبرستان کے پاس سے جارہے تھے، وہاں معلوم نہیں ان کو کیا خیال آیا کہ انہوں نے ایک قبر کے پاس کھڑے ہوکر دو رکعت نماز پڑھی اور اس کا ثواب قبر والے کو بخش دیا، چند لمحات کے لئے بیٹھے تھے کہ ان کو نیند آگئی، خواب میں دیکھتے ہیں کہ قبر والے سے ملاقات ہوئی اور اس نے کہا کہ: اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے، ہم تو اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اللہ تعالیٰ کا نام سننے کو ترس گئے تھے، آج تم نے دو رکعتیں میری قبر کے پاس پڑھی ہیں اور مجھے ان کا ثواب بخشا ہے، دنیا بھر کے خزانوں کی قیمت اس کے بدلے میں کچھ نہیں، مجھے اس سے اتنی مسرت ہوئی ہے۔ اور پھر وہ صاحبِ قبر کہنے لگے کہ: ہم سب کچھ جانتے ہیں، مگر کچھ کر نہیں سکتے، اور تم سب کچھ کر سکتے ہو مگر جانتے نہیں ہو۔

حق تعالیٰ شانہ ہم سب کو آخرت کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے، دنیا بقدرِ ضرورت منع نہیں، حلال سے لو حرام سے نہ لو، اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کی تلافی کرتے رہو، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لو، بندوں کے حقوق اپنی گردن پر لے کر نہ جاؤ اور یہ سوچتے رہا کرو کہ ہم نے اپنی قبر کے لئے، اپنے حشر کے لئے اور اپنی آخرت کے لئے کیا سامان بھرا ہے؟ کیا توشہ بھرا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

تین طلاق کا حکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: جَاءَتْ اِمْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِیِّ اِلٰی رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: اِنِّیْ کُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِیْ فَبَتَّ طَلَاقِیْ فَتَزَوَّجْتُ بَعْدَهٗ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ الزُّبَیْرِ وَمَا مَعَهٗ اِلَّا هُدْبَةُ الثَّوْبِ. فَقَالَ: اَتُرِیْدِیْنَ اَنْ تَرْجِعِیْ اِلٰی رِفَاعَةَ؟ قَالَتْ: نَعَمْ! قَالَ: لَا حَتّٰی تَذُوْقِیْ عُسَیْلَتَهٗ وَیَذُوْقُ عُسَیْلَتَکِ."

(مشکوۃ ص:۲۸۴)

ترجمہ:...... "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: رفاعۃ القرظی رضی اللہ عنہ کی عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگی کہ: میں رفاعہ کے نکاح میں تھی، انہوں نے مجھے طلاق بتہ دے دی، اس کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن زبیرؓ سے نکاح کیا، ان کے ہاں کپڑے کے اس کنارے کے علاوہ کچھ نہیں! (نامرد ہیں)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تو رفاعہ کے پاس واپس جانا چاہتی

ہے؟ اس نے کہا کہ: جی ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں! جب تک یہ دوسرا شوہر تیرا ذائقہ نہ چکھ لے اور تو اس کا ذائقہ نہ چکھ لے! (یہ بات آپؐ نے رفاعہ کی بیوی سے فرمائی تھی، رفاعہ نے ان کو تین طلاقیں دے دی تھیں)۔''

''عَنِ الْبَرَّاءِ بْنِ عَازِبٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ ..... فَقَالَ: اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ لِیْنِ هٰذِهٖ لَمَنَادِیْلُ سَعْدُ بْنُ مَعَاذٍ فِی الْجَنَّةِ خَیْرٌ مِّنْهَا وَاَلْیَنُ.'' (صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۹۴)

ترجمہ:...... ''حضرت براؑ بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: کیا تم تعجب کرتے ہو اس کپڑے کی نرمی سے؟ البتہ سعد بن معاذؓ کو جنت میں جو رومال ملے ہیں وہ اس سے بہتر ہیں اور اس سے زیادہ نرم ہیں!''

''قَالَ اَبُوْبَکْرَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ: اِنَّ الْاَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ جَاءَ اِلٰی رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: اِنَّمَا بَایَعَکَ سُرَّاقُ الْحَجِیْجِ مِنْ اَسْلَمَ وَغِفَارَ وَمُزَیْنَةَ! قَالَ: اَرَأَیْتَ اِنْ کَانَ اَسْلَمَ وَغِفَارَ وَمُزَیْنَةَ وَاَحْسِبُ جُهَیْنَةَ خَیْرًا مِّنْ بَنِیْ تَمِیْمٍ وَبَنِیْ عَامِرٍ وَاَسَدٍ وَغَطْفَانَ اَخَابُوْا وَخَسِرُوْا؟ فَقَالَ: نَعَمْ! قَالَ: فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ! اِنَّهُمْ لَا خَیْرَ مِنْهُمْ.'' (مسلم ج:۲ ص:۳۰۶)

ترجمہ:...... ''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اقرع بن حابس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ: آپ کی بیعت قبیلہ اسلم، غفار اور جہینہ میں سے حاجیوں کی

چوری کرنے والوں نے کی ہے! آپؐ نے فرمایا: بھلا یہ تو بتا اگر اسلم کی قوم، غفار کی قوم، مزینہ کی قوم، جہینہ کی قوم بہتر ہوں بنوتمیم سے، بنی عامر سے، اسد سے اور غطفان کی قوم سے تو کیا ان کو نقصان اور خسارہ پڑا؟ اقرع بن حابس نے کہا کہ: جی ہاں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! البتہ اسلم کی قوم اور یہ دوسرے لوگ جو ہم نے ذکر کیے ہیں یہ بہتر ہیں ان قوموں سے یعنی بنی تمیم وغیرہ سے۔"

تین طلاق کے بعد تحلیلِ شرعی کی صورت:

حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں، اس نے عدت کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا اور کچھ عرصہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، کہا: یا رسول اللہ! مجھے رفاعہ نے طلاق دے دی تھی، میں نے عبدالرحمٰن بن زبیرؓ سے نکاح کرلیا، کپڑے کا پلو پکڑ کر کہا کہ وہاں تو ایسے قصہ ہے، یعنی وہ نامرد ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ: تو دوبارہ رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! فرمایا: یہ نہیں ہوسکتا! جب تک کہ دوسرا شوہر تیرا ذائقہ نہ چکھ لے اور تو اس کا ذائقہ نہ چکھ لے جب تک پہلے شوہر کے لئے تو حلال نہ ہوگی۔

قرآن کریم میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ:

"فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ." (البقرۃ: ۲۳۰)

ترجمہ:......"اگر بیوی کو دو طلاقیں دینے کے بعد

تیسری طلاق دے دی تو یہ عورت اس کے لئے حلال نہیں رہے گی یہاں تک کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے۔''

اور نکاح سے مراد ہے کہ اس کے ساتھ حقوقِ زوجیت ادا کرلے۔

تین طلاق کا حکم:

پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ پہلا شوہر اپنی بیوی کو تین طلاق دے دے تو وہ اس کے لئے ہمیشہ ہمیشہ حرام ہوجاتی ہے، حرمت مغلظہ کے ساتھ اور اس کے لئے حلال نہیں ہوتی جب تک کہ یہ عورت کسی اور شوہر سے جاکر نکاح نہ کرے اور اس کے ساتھ وظیفۂ زوجیت ادا نہ کرے۔

عوام کی غلط فہمی:

بعض لوگ صرف اتنا سمجھ لیتے ہیں کہ پہلے شوہر نے تین طلاقیں دے دیں تو غیرمقلدوں کے پاس چلے گئے، تو انہوں نے کہا کہ: ایک ہی طلاق ہوئی ہے! وہ فتوے لئے پھرتے ہیں، جب بھی کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیتا ہے تو پھر وہ سیدھا غیرمقلدوں کے پاس جاتا ہے اور ان سے فتویٰ لیتا ہے، اور وہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کرتے ہیں، وہ حدیث انہوں نے رٹی ہوئی ہے، میں کہتا ہوں: تم غیرمقلدوں کے پاس جانے کے بجائے شیعوں کے پاس جایا کرو، وہ کہیں گے کہ ایک بھی نہیں ہوئی، طلاق سرے سے ہوئی ہی نہیں۔

خلفائے ثلاثہؓ، صحابہ کرامؓ اور امام بخاریؒ کے ہاں تین طلاق کا حکم:

حضرت عمر امیرالمؤمنین تھے، ان کے بعد حضرت عثمان، ان کے بعد حضرت علی، رضی اللہ عنہم، یہ تینوں خلیفہ راشد اپنی اپنی خلافت کے دور میں یہ فتویٰ دیتے رہے

کہ تین طلاقیں تین ہوتی ہیں، ایک نہیں ہوتی، اور امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں "باب من اجاز الثلاث" کے تحت کئی حدیثیں نقل کی ہیں، اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ تین طلاقیں دی جائیں تو تین ہوتی ہیں۔ غیر مقلد، امام بخاریؒ کو سب سے بڑا امام مانتے ہیں، لیکن یہاں وہ ان کی بھی نہیں مانتے، معلوم ہوا کہ اپنے مطلب کی مانتے ہیں۔

تین طلاق کے بارہ میں ابن عباسؓ کا فتویٰ:

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا حوالہ دیتے ہیں کہ صحیح مسلم کی حدیث ہے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا اپنا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

> "عن هارون بن عنترة عن ابيه قال: كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا ابْنَ عَبَّاسٍ! اِنَّهٗ طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ مِائَةَ مَرَّةً، وَاِنَّمَا قُلْتُهَا مَرَّةً وَّاحِدَةً فَتَبِيْنُ مِنِّىْ بِثَلَاثٍ اَمْ هِىَ وَاحِدَةٌ؟ فَقَالَ: بَانَتْ بِثَلَاثٍ وَعَلَيْكَ وِزْرُ سَبْعَةٍ وَّتِسْعِيْنَ." (مصنف ابن ابی شیبہ ج:۵ ص:۱۳)
>
> ۱ ترجمہ:...... "ہارون بن عنترہ بیان کرتے ہیں کہ: میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس تھا، ایک آدمی آیا اور اس نے کہا کہ: اے ابن عباس! میں نے یکبارگی اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دی ہیں، تو کیا یہ مجھ سے تین طلاقوں سے جدا ہوجائے گی یا یہ ایک طلاق شمار ہوگی؟ آپؓ نے فرمایا: وہ جدا ہوگئی تین طلاقوں سے اور بقیہ ستانوے تم پر بوجھ ہیں۔"

اور اسی طرح کئی لوگوں نے آپؓ سے اس بارہ میں سوال کیا، کئی روایات

ہیں، ایک جگہ یہ آتا ہے کہ: ایک شخص نے کہا کہ: میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دے دیں! فرمایا: تم میں سے ایک آدمی حماقت کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ: یا ابن عباس! یا ابن عباس! پھر میرے پاس آکر فتوے پوچھتا ہے، جا تیری بیوی کو تین طلاقیں ہوگئیں اور ستانوے طلاقیں تیری گردن میں رہیں، اس کا وبال تجھے قیامت کے دن بھگتنا ہوگا۔

تین طلاق اور ائمہ اربعہؒ:

چاروں امام اس پر متفق ہیں کہ اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو تین ہوتی ہیں، اور حلالہ کرنا ضروری ہے، میں ہمیشہ لکھتا ہوں کہ اس کے لئے حلالہ شرعی ضروری ہے۔

حلالہ شرعی؟

مجھے ایک غیر مقلد نے لکھا ہے کہ: حلالہ شرعی بھی کوئی ہوتا ہے؟ میں نے کہا: ہاں! حلالہ شرعی بھی ہوتا ہے جس کو قرآن نے ذکر کیا ہے: "**فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ**" کہ وہ عورت اس مرد کے لئے حلال نہیں جب تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے۔ ان الفاظ سے قرآن کریم نے جس حلالہ کو ذکر کیا ہے میں اس کو حلالہ شرعی کہتا ہوں، بعد میں پھر جواب نہیں آیا۔

اس امت میں صرف حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ تعالیٰ، تابعی جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد ہیں، اور ان کے بارہ میں میں نے جمعہ میں بتایا تھا کہ وہ مسجدِ نبوی میں فتنۂ حرّہ کے زمانے میں بیٹھے رہتے تھے، تین دن انہوں نے اس طرح گزارے ہیں، ایسے ہیں جن سے یہ منقول ہے کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرلینا کافی ہے، وظیفۂ زوجیت ادا کرنا ضروری نہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ یہ بات ان سے غلط نقل ہوئی ہے، ورنہ تمام ائمہ اس وقت اس پر کیسے متفق ہوتے؟ ائمہ اربعہ

اس پر کیسے متفق ہوتے؟

ائمہ اربعہ کا اتفاق واجماع ہے:

میں اس سے پہلے بتاچکا ہوں کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ نے ''عقد الجید'' میں لکھا ہے کہ جس مسئلے پر ائمہ اربعہ متفق ہوں اس مسئلہ پر اجماع امت ہے، وہ مسئلہ اجماعی ہے۔

جنت کے ریشمی رُومال:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک تاجر آیا، اس کے پاس ایک ریشمی رومال تھا، لوگ اس کو دیکھتے تھے، بہت پسند کرتے تھے، اور ایک روایت یہ ہے کہ نصرانی بادشاہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ریشمی کپڑا ہدیہ کیا تھا، وہ کپڑا اتنا نرم اور اتنا نفیس تھا کہ اس کی تعریف نہیں ہوسکتی، لوگ اس کو ہاتھ لگاکر ٹٹولتے تھے، کہتے تھے کہ: سبحان اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم اس پر تعجب کرتے ہو، سعد بن معاذ کو جنت میں جو ریشمی رومال دیئے گئے ہیں، وہ اس سے زیادہ نرم بھی ہیں اور خوب صورت بھی ہیں۔

آنحضرتؐ کی تربیت کا انداز!

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جب بھی دنیا کی کسی چیز کی تعریف کی وہ تعریف اپنی جگہ صحیح تھی، غلط نہ تھی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ یہ لوگ اس کو قیمتی چیز سمجھیں گے، چنانچہ ہر ایسے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز کے مقابلہ میں ان کے سامنے آخرت کو پیش کیا۔

دنیا کی چیزوں کی قیمت؟

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ کوڑے کے ڈھیر پر ریشمی قسم کے پرانے

چیتھڑے پڑے ہوئے تھے، وہ کہنے لگے کہ: دیکھو یہ ریشمی چیتھڑے کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ کہہ رہے ہیں کہ تم نے بہت شوق سے مجھے خریدا تھا، بنایا تھا، آخر میں میں کوڑے کے ڈھیر پر پھینکنے کے قابل ہوگیا، بس یہ حقیقت ہے دنیا کی اور یہاں کی چیزوں کی، لوگ جتنی چاہیں دنیاوی چیزوں کی تعریف کریں وہ ساری کی ساری چیزیں کوڑے کے ڈھیر پر پھینکنے کے قابل ہیں، جبکہ آخرت کی چیزیں کوڑے کے ڈھیر پر پھینکنے کے قابل نہیں۔

جنت کی نعمتیں سدابہار ہوں گی:

حدیث شریف میں فرمایا کہ:

"اَهْلُ الْجَنَّةِ جُرْد مُرْدٌ كَحْلٰى لَا يَفْنٰى شَبَابُهُمْ وَلَا تَبْلٰى ثِيَابُهُمْ." (ترمذی ج:۲ ص:۸۰)

ترجمہ:...... "اہل جنت سدا جوان رہیں گے اور ان کی جوانی میں کمزوری نہیں آئے گی اور جنتیوں کے کپڑے کبھی میلے نہیں ہوں گے۔"

یہ جنت ہے اور یہ دنیا ہے، جب بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دنیا کی کسی چیز کی تعریف کی، اس حیثیت سے کہ ایک اچھی چیز ہے، ہر اچھی چیز کی تعریف کی جاتی ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا کہ یہ دنیا کی چیز کی تعریف کر رہے ہیں جو کوڑے کے ڈھیر میں پھینکنے کے قابل ہے، گندگی میں پھینکنے کے قابل ہے، بمقابلہ اس کے جنت ہے جو ہمیشہ رہے گی اور ہمیشہ تر وتازہ رہے گی۔

جنت کے درختوں کے پھل:

ہم کسی درخت سے پھل توڑ لیتے ہیں، مثلاً: آم ہیں، ہم نے پھل توڑ لیا تو اتنی جگہ پھل سے خالی ہوگئی، جنت کے کسی بھی درخت کا جب کوئی پھل توڑا جائے گا

اس کی جگہ فوراً اللہ تعالیٰ دوسرا پھل پیدا فرمادیں گے، کبھی ایسا نہیں ہوگا کہ جنت کے کسی درخت کو پھل لگا ہو، ہم نے اس کو توڑ لیا ہو اور وہ اسی طرح رہ گیا ہو، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے، جنت کا اشتیاق ہونا چاہئے، شوق ہونا چاہئے، اور جنت کا شوق اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ دنیا کی حقارت ہمارے دل میں بیٹھ جائے کہ یہ دنیا حقیر اور ذلیل چیز ہے۔

تیسری حدیث اقرع بن حابس ایک صاحب تھے، بدو قسم کے آدمی تھے، بعد میں سنا تھا کہ مرتد ہوگئے تھے، پتہ نہیں وہ مسلمان ہوگئے تھے کہ نہیں، ان کی قوم بنی تمیم تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ: آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے ان لوگوں نے جو حاجیوں کی چوری کرنے والے ہیں، یعنی بنو اسلم، بنو غفار، مزینہ اور جہینہ یہ چند قبیلے تھے جاہلیت کے زمانے میں بھی مشہور تھا کہ وہ حاجیوں کی چوری کرلیتے ہیں، بمقابلہ بنو تمیم، بنو عامر، بنو اسد اور غطفان یہ بڑے معزز قبیلے ہیں، لیکن انہوں نے تو آپ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی (پھر بعد میں کرلی تھی)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اچھا! یہ بتاؤ کہ اگر بنو تمیم، بنو عامر، اسد اور غطفان، بنو اسلم، بنو غفار، مزینہ اور جہینہ، سے بہتر ہیں تو اس صورت میں کیا یہ لوگ خسارہ میں رہے؟ انہوں نے کہا کہ: جی کیا شک ہے اس میں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! یہ قبیلے یعنی بنو اسلم، بنو غفار، مزینہ اور جہینہ ان دوسرے قبیلوں سے افضل ہیں، اور بعد میں پھر جو انہوں نے کارنامے انجام دیئے ہیں، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تصدیق کردی۔

زندگی کے مراحل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

''یَا اَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ.'' (الانشقاق:۶)

ترجمہ:......''اے انسان! تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کوشش کر رہا ہے، پھر اس سے جا ملے گا۔''

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

آج پچیسویں شب ہے، چار یا پانچ راتیں آج کی رات کے بعد باقی ہیں، حق تعالیٰ شانہ اس رمضان المبارک کے بقیہ اوقات کو اپنی رضا کے مطابق ہمیں گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

سفر زندگی کی منزلیں:

جس راستے کے ہم مسافر ہیں، جس کو زندگی کا راستہ کہتے ہیں، اس کی پیش آنے والی منزلوں کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، کچھ منزلیں ہم طے کر چکے ہیں۔

سفر زندگی کی ابتدأ عدمِ محض سے:

پہلے عدمِ محض تھے، ہمارا کوئی وجود نہیں تھا، کوئی نام و نشان نہیں تھا، کوئی قابل ذکر چیز نہیں تھی۔

زندگی کا پہلا نشان:

عناصر سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہماری غذائیں تیار کیں، ان غذاؤں سے چوتھے ہضم کے بعد وہ مادہ تیار کیا، جس سے ہماری پیدائش ہوئی، یہ ہمارے وجود کا پہلا نشان تھا اور یہ گویا ہمارے وجود کی پہلی منزل تھی۔

دوسری منزل: شکم مادر:

پھر ماں کے پیٹ میں رہے، یہ منزل بھی گزر گئی، دنیا میں آگئے، دنیا میں آنے کے بعد کتنی منزلیں طے کیں؟ وہ آپ کے سامنے ہیں، بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

بچپن کی منزل:

جب پیدا ہوئے ایسی حیثیت تھی کہ نہ آنکھیں کھلتی تھیں، نہ زبان کام کرتی تھی، نہ ہاتھ پاؤں سے کام لے سکتے تھے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے بقول ہمیں صرف ایک فن آتا تھا، اور وہ تھا ''رونے'' کا فن۔ بھوک لگے تو روتے، پیاس لگے تو روتے، گرمی سردی لگے تو روتے، کوئی بھی تکلیف ہو تو روتے، غرضیکہ ہماری تمام حاجتیں صرف ایک ذریعے سے پوری ہوتی تھیں اور وہ تھا ''رونا''، بچہ جب روتا ہے تو ماں سمجھ لیتی ہے کہ اس کو فلاں چیز کی ضرورت ہے، یہ دور بھی گزرا اس کے بعد ہم آہستہ آہستہ رینگنے لگے اور کچھ عرصے کے بعد بولنے لگے، پھر مختلف مرحلے طے کرتے ہوئے ہمارا بچپن گزر گیا اور ہم نے جوانی کی دہلیز میں قدم رکھا۔

جوانی کی منزل:

حدیث میں ہے: "الشباب شعبة من الجنون." یعنی جوانی جنون کی ایک شاخ ہے۔

جوانی آئی تو ہم نے سمجھا کہ نہ ماں باپ کو عقل ہے، نہ دوسرے لوگوں کو، دنیا بھر کی عقل صرف ہمارے پاس ہے، اور اتنی کہ اپنی اس عقل کے ذریعے سے اللہ اور اس کے رسول کا بھی مقابلہ کرنے لگے، یہ دور بھی گزر گیا، جوانی پختہ ہوئی تو عقل بھی پختہ ہوئی۔

بڑھاپے کی منزل:

چالیس سال کی عمر کو پہنچے تو قویٰ میں انحطاط شروع ہوگیا، اب چلتے چلتے بڑھاپے کی دہلیز میں پہنچے، اب رفتہ رفتہ یہ حال ہو رہا ہے کہ آنکھیں ہیں مگر دیکھنے کا کام نہیں کرتیں، کان ہیں لیکن سنائی نہیں دیتا، ٹانگیں ہیں مگر بوجھ نہیں اٹھاتیں، ہاتھ ہیں مگر کام نہیں کرتے، معدہ ہے لیکن ہضم نہیں کرتا، کبھی فلاں تکلیف ہے بڑے میاں کو اور کبھی فلاں!

بوڑھے کا قصہ:

جیسے ایک شخص حکیم صاحب کے پاس گیا، اس سے کہا کہ: مجھے فلاں تکلیف ہے، کہنے لگا بڑھاپا ہے، کہا کہ: کھانا بھی ٹھیک سے ہضم نہیں ہوتا، کہا: بڑھاپا ہے، مختلف قسم کے عوارض اس نے ذکر کئے، حکیم صاحب ہر بات کے ذکر میں ایک ہی جواب دیتے کہ بڑھاپا ہے، بڑے میاں کو غصہ آیا اور بڑی موٹی سی گالی نکالی اور کہا کہ: تجھے ایک ہی بات آتی ہے؟ حکیم صاحب کہنے لگے: بڑے میاں! یہ بھی بڑھاپا ہے!!

ان دیکھی منزلیں:

بڑھاپا بہت بڑی نعمت ہے، بڑھاپے میں جوانی کی ساری لذتیں چھوٹ جاتی ہیں، لوگ اس سے پریشان ہوتے ہیں لیکن عارفین کہتے ہیں کہ بڑھاپا پریشانی کی چیز نہیں، بلکہ نعمتِ کبریٰ ہے۔

اول:......اس لئے کہ دنیا سے بے رغبتی اور اس کی لذتوں سے اعراض اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔ ہم ایسے کہاں تھے کہ خود لذاتِ دنیا کو ترک کرتے؟ اللہ تعالیٰ نے احسانِ عظیم فرمایا کہ ہم سے آلاتِ لذت چھین کر ہمیں دنیا کی لذتوں سے بے رغبتی کا مزہ چکھا دیا۔ سبحان اللہ! کیا احسان ہے کہ ہم خود تارک الدنیا نہ بنے تو زبردستی ہم سے دنیا چھڑادی، جس طرح ماں زبردستی اپنے بچے کا دودھ چھڑادیتی ہے۔

دوم:......یہ کہ اب ہم موت کی دہلیز پر کھڑے ہیں، قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں، مرتے ہی ہم سے دنیا کی ساری لذتیں ہی نہیں بلکہ خود دنیا ہی چھوٹ جائے گی۔ بڑھاپے کے ذریعہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی اس کی مشق کرادیتے ہیں، جس طرح دلہن کو مایوں بٹھایا جاتا ہے۔

سوم:......یہ کہ آدمی بوڑھا ہوکر آخرت کی تیاری شروع کردیتا ہے، کیونکہ جانتا ہے کہ اب چل چلاؤ ہے، توبہ تلا کرتا ہے، گناہوں کی معافی مانگتا ہے، جو کوتاہیاں سرزد ہوچکی ہیں ان کی تلافی کرتا ہے، اور بڑھاپے کی بدولت ان چیزوں کی توفیق ہوجانا احسانِ عظیم ہے۔ اس لئے عارفین کہتے ہیں: "الشیب برید الموت." یعنی بڑھاپا موت کا قاصد ہے، اور جب قاصد بلاوا لے کر آجائے تو آدمی کو چاہئے کہ سب کچھ چھوڑ کر سفر کی تیاری کرے (اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے)۔

یہاں تک کے مراحل تو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے، لیکن اس کے بعد کے جو مراحل ہیں وہ ابھی ہمارے سامنے نہیں، ان میں سب سے پہلے موت کا

مرحلہ ہے، پھر قبر کا مرحلہ، پھر حشر کا مرحلہ ہے، پھر حساب و کتاب کا مرحلہ ہے، پھر پل صراط سے گزرنا ہے، اس کے بعد ہماری آخری منزل آنے والی ہے، جنت یا دوزخ!

پہلی منزل موت:

ہماری یہ کمزوری ہے کہ جس حالت میں ہم ہوتے ہیں، اس کے آگے کی ہمیں سوچ نہیں آتی۔ سب کو معلوم ہے کہ مرنا ہے، پہلے لوگ بھی مرے ہیں، ہم بھی مریں گے، متنبّی کے بقول دنیا کی ہر چیز میں اختلاف ہے، لیکن موت میں اختلاف نہیں۔ تمام مسلمان اور کافر اس بات پر متفق ہیں کہ آدمی مرے گا، لیکن اس میں پھر اختلاف ہوا کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اس میں پھر جھگڑا شروع کر دیا۔ تو ہماری سب سے بڑی جو بیماری ہے وہ یہ ہے کہ جس دور سے ہم گزر رہے ہیں، زندگی کے جس مرحلے سے ہم گزر رہے ہیں، اس میں ہم ایسے الجھ کر رہ گئے کہ اگلے مراحل ہماری نظر سے اوجھل ہوگئے۔

آنحضرتؐ کی جامع تعلیم:

اور یہ حق تعالیٰ شانہ کی عنایت ہے، اس کی رحمت اور اس کا فضل ہے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغامات دے کر بھیجا، دنیا کی یا آخرت کی کوئی خیر ایسی نہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان نہ فرمایا ہو، اور دنیا کا اور آخرت کا کوئی شر ایسا نہیں جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ ڈرایا ہو۔ ابوداؤد شریف میں حدیث ہے:

"اِنَّمَا اَنَا لَکُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ اُعَلِّمُکُمْ."

(ابوداؤد ص:۳)

ترجمہ:...... "میں تمہارے لئے بمنزلہ باپ کے ہوں،

تم کو تعلیم دیتا ہوں۔‘‘

یعنی جس طرح اولاد کے لئے باپ ہوتا ہے کہ اس کو ہر چیز کی تعلیم دیتا ہے، ایک ایک بات سکھاتا ہے، شفیق باپ بچوں کو ایک ایک بات بتاتا ہے، کھانا کھاتے ہوئے اگر بچہ نوالہ بڑا لیتا ہے تو باپ اس کو تنبیہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: اتنا لو کہ جس کو تم چبا سکو، اگر جلدی میں گرم لقمہ اٹھا کر ڈالتا ہے تو باپ اس کو ٹوکتا ہے، اٹھنے بیٹھنے کے بارے میں اس کو تعلیم دیتا ہے۔

والدین کی تعلیم و تربیت کا منشأ اولاد سے شفقت و محبت ہے:

اور والدین کی تعلیم نہایت اخلاص پر مبنی ہوتی ہے، اس تعلیم میں ان کی اپنی کوئی غرض نہیں ہوتی، بلکہ اس کا منشأ اولاد کی محبت و شفقت ہے، ان کی جان کے رگ و ریشے میں اولاد کی محبت سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے، اور یہی محبت تقاضا کرتی ہے کہ ان کو ہر آفت سے بچایا جائے اور ہر بھلائی کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے، لیکن والدین کی جتنی بھی سمجھ ہوتی ہے، جس قدر علم ہوتا ہے، جتنی عقل ہوتی ہے اس کے مطابق وہ اولاد کی تربیت کرتے ہیں۔ پھر محبت کے درجات بھی مختلف ہیں، کسی کو اولاد سے زیادہ محبت ہوتی ہے، کسی کو کم، کسی کو ان کے پیٹ کی فکر ہوتی ہے کہ یہ بڑے ہو کر کمانے کھانے کے قابل ہو جائیں اور کسی کو اولاد کے دین کی فکر ہوتی ہے، ان کے اخلاق کی فکر ہوتی ہے، ان کی انسانیت کی فکر ہوتی ہے۔

امت سے آنحضرتؐ کی شفقت و محبت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لئے بہ منزلہ والد کے ہیں، تمام امت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گویا اولاد ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے والد ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ساتھ اور امت کے ایک ایک فرد کے ساتھ ایسی محبت ہے کہ دنیا بھر کی تمام ماؤں کی ممتا جمع کر لی جائے اور تمام

باپوں کی شفقت جمع کر لی جائے تو یہ سارا مجموعہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وشفقت کا مقابلہ نہیں کر سکتا، ایسے شفیق، ایسے رؤف اور ایسے رحیم کہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی ہوا اور نہ بعد میں کوئی ہوگا۔

بندوں پر اللہ تعالیٰ کی شفقت وعنایت:

ایک حدیث شریف میں آتا ہے:

"اِنَّ لِلّٰهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ اَنْزَلَ مِنْهَا وَاحِدَةً بَيْنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالْبَهَائِمِ وَالْهَوَامِّ، فَبِهَا يَتَعَاطَفُوْنَ، وَبِهَا يَتَرَاحَمُوْنَ، وَبِهَا تَعْطِفُ الْوَحْشُ عَلٰى وَلَدِهَا، وَاَخَّرَ اللّٰهُ تِسْعًا وَّتِسْعِيْنَ رَحْمَةً يَّرْحَمُ بِهَا عِبَادَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ..... وَفِيْ رِوَايَةٍ:..... فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ اَكْمَلَهَا بِهٰذِهِ الرَّحْمَةِ." (مشکوٰۃ ص:۲۰۷)

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنی رحمت کے سو حصے کئے ہیں، ان میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نازل فرمایا، اور اس کو جنوں، انسانوں، جانوروں اور حشرات الارض کے درمیان تقسیم کر دیا۔ اور اس رحمت کے سوویں حصہ کا اثر ہے کہ انسان بھی، جنات بھی اور جانور بھی آپس میں شفقت کرتے ہیں، ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں اور اسی حصۂ رحمت کی وجہ سے وحشی جانور اور پھاڑ کھانے والے درندے بھی اپنی اولاد پر شفقت کرتے ہیں، اور یہ اس رحمت کا اثر ہے۔ فرمایا: رحمت کا یہ سوواں حصہ بھی ختم نہیں ہوا، اللہ کی رحمت کیسے ختم ہوسکتی ہے؟ مخلوق پر اس کا عکس پڑ رہا ہے، سایہ پڑ رہا ہے، جس کی وجہ سے مخلوق آپس میں شفقت کرتی ہے، ایک دوسرے کے ساتھ رحم کرتی ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سوویں حصے کو ان ننانوے حصوں کے ساتھ ملا کر اپنی کامل رحمت اپنے بندوں پر

فرمائیں گے، اپنے خاص بندوں پر یعنی جنتی لوگوں پر۔

اس سے کچھ اندازہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر کس قدر رحیم و کریم ہیں؟ اور ان کی رحمت و شفقت کس قدر وسیع ہے؟ اللہ تعالیٰ کے بعد کائنات میں سب سے زیادہ رؤف رحیم ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی ہے۔

آنحضرتؐ کی امت پر شفقت و رحمت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اتنی زیادہ ہے، اتنی زیادہ ہے کہ یہ کہنا تو بے ادبی و کوتاہی ہوگی کہ ماں باپ کو اپنے بیٹے کے ساتھ اور کسی ماں کو اپنی اولاد کے ساتھ اتنی شفقت نہیں، ہاں! یہ کہنا کسی حد تک صحیح ہوگا کہ دنیا بھر کے ماں باپ کو اپنی اولاد کے ساتھ جو شفقت ہوسکتی ہے، اگر اس کا ایک مجموعہ تیار کرلیا جائے تو وہ مجموعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و محبت کا پاسنگ بھی نہیں بنتا۔ رحمت کرنے والے تو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہیں، رحمت تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، لیکن حق تعالیٰ شانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سراپا رحمت بناکر بھیج دیا، گویا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ہمیں عطا کردی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''رحمۃ للعالمین'' کا خطاب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان والوں کے لئے رحمت ہیں، آسمان والوں کے لئے بھی رحمت ہیں، زمین والوں کے لئے بھی، دنیا والوں کے لئے بھی رحمت ہیں اور آخرت والوں کے لئے بھی۔ کوئی انسان، کوئی جن اور اللہ تعالیٰ کی دوسری کوئی مخلوق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ''رحمۃ للعالمینی'' سے باہر نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ''رحمۃ للعالمین'' ہیں، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمت کرنے والے نہیں بلکہ سراپا رحمت ہیں، تو جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے ''رحمۃ للعالمین'' بنایا ہو اس کی شفقت اپنے تعلق والوں کے ساتھ کیسی ہوگی؟ یا یوں کہو کہ اپنی اولاد کے ساتھ کیسی ہوگی؟ اس کا کون اندازہ کرسکتا ہے؟ اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کا معجزہ ہے کہ نبوت ملنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تئیس سال کی مدت تک ہمارے درمیان تشریف فرما رہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے اور ہم سے پردہ فرمالیا، اس تئیس سال کے عرصے میں دین کی اور دنیا کی کوئی ایک بات بھی نہیں چھوڑی جس کی تعلیم نہ فرمادی ہو، دفتر کے دفتر لوگوں نے لکھ ڈالے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک ارشادات کی شرح مکمل نہیں ہوسکی، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا ایک شعر یاد آگیا:

بہت عنوان بدلے اور بہت خاکے بنا ڈالے
مرتب ہوسکا لیکن نہ دردِ دل کا افسانہ!

حضرات علمائے کرام نے احادیث شریفہ کی کتنی شروح لکھیں اور کتنے دفاتر لکھے؟ اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی ''رحمۃ للعالمینیٔ'' کو تقسیم کیا جارہا ہے؟ کتنی تفسیریں لکھیں؟ اور ایک ایک موضوع پر کتنی کتابیں لکھیں؟ اور آج تک بھی ''رحمۃ للعالمین'' صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغامِ رحمت کو کس قدر مسلسل تقسیم کیا جارہا ہے؟ لیکن یہ تقسیم ابھی تک مکمل نہیں ہوئی۔

نادیدہ مراحل کی تعلیم آنحضرتؐ نے فرمائی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے زندگی کے نقشے بھی کھولے، موت کے وقت کی حالت بھی بیان فرمائی، مرنے کے بعد دوزخ میں انسان پر جو کچھ گزرتی ہے اس کو بیان فرمایا، قبر کے عذاب کو اور ثواب کو بھی ذکر فرمایا، کن چیزوں سے آدمی کے لئے موت آسان ہوجاتی ہے؟ اور کون سی چیزیں ایسی ہیں جن سے جان کنی مشکل ہوجاتی ہے؟ اس کو بھی ذکر فرمایا۔

ماں کی بے ادبی کرنے والے نوجوان کا واقعہ:

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شکایت کی گئی کہ ایک

نوجوان تین دن سے نزع کی حالت میں ہے، اس کی جان نہیں نکل رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے۔ یہ نوجوان تکلیف میں تھا، اس کو دیکھ کر ارشاد فرمایا: اس کے ماں باپ زندہ ہیں؟ عرض کیا گیا کہ: اس کی ماں زندہ ہے! فرمایا کہ: اس کو بلاؤ! اس کی والدہ آئی تو اس سے فرمایا: بڑی بی! اس لڑکے نے تمہاری کوئی گستاخی تو نہیں کی؟ کوئی بے ادبی تو نہیں کی؟ کہا: نہیں! یہ بڑا فرماں بردار تھا، البتہ ایک دفعہ اس نے میرے تھپڑ مارا تھا۔ بہت سے بدبخت موذی ایسے ہیں جو اپنے ماں باپ کو مارتے ہیں، ان کو گالی دیتے ہیں، میں تو ان کو موذی کہوں گا، موذی نہ کہوں تو اور کیا کہوں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بڑی بی! تم اپنے بیٹے کو اللہ کی رضا کے لئے معاف کردو! کہنے لگی: میں تو معاف نہیں کروں گی! کیونکہ مجھے اس سے بہت صدمہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی شخص اپنے ماں باپ پر ہاتھ اٹھائے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: لکڑیاں جمع کرو! وہ مائی کہتی ہے کہ: لکڑیوں کا کیا کریں گے؟ فرمایا: تیرے بیٹے کو جلائیں گے! کہنے لگی: ہائے! میرے بیٹے کو جلائیں گے؟ فرمایا: اگر تم اس کو معاف نہیں کروگی تو اللہ تعالیٰ اس کو جلائیں گے، اور ہمارا جلانا آسان ہے اور اللہ تعالیٰ کا جلانا سخت ہے۔ وہ اماں پھر کہنے لگی کہ: میں اس کو دل سے معاف کرتی ہوں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ: پڑھ کلمہ! اس نے کلمہ پڑھا اور روح پرواز کرگئی۔

نزع کا مرحلہ:

تو میں عرض کر رہا تھا کہ موت کے وقت کون کون سی سختیاں آتی ہیں؟ اور کون کون سی چیزیں ایسی ہیں جو آدمی کے نزع کو آسان کردیتی ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ: نیک آدمی کی روح ایسے نکل جاتی ہے جیسے مشکیزہ سے قطرہ گرتا ہے، اور فرمایا کہ برے آدمی کی روح اس طرح نکلتی ہے جیسے دھنی ہوئی

روئی ہو اور کانٹے دار چھڑی گیلی کر کے اس کے اوپر ماری جائے اور پھر لپیٹ کر کے اس کو کھینچا جائے، اب وہ چھڑی تو اس روئی سے جدا نہیں ہو سکتی، یہی حال برے آدمی کے نزع کا ہے کہ اس کے رگ و ریشے میں روح سرایت کر جاتی ہے، ایک ایک رونگٹے میں چھپنے کی کوشش کرتی ہے، اس کو کھینچتے ہیں تو ایک ایک رونگٹے کو تکلیف ہوتی ہے۔

یا اللہ! ہمارے لئے نزع کو آسان فرمادے:

بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ اس وقت کو آسان فرمادیتے ہیں (اللہ تعالیٰ ہمارے لئے بھی اس وقت کو آسان فرمائے، ایمان پر خاتمہ فرمائے اور نزع کو آسان فرمائے، آمین!) اور بہت سے بندے ایسے ہیں کہ نزع کے وقت ان کی ساری عمر کی لذت ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے پناہ میں رکھیں۔

موت کی سختی کو یاد رکھو:

یہ موت کا پیالہ اتنا کڑوا ہے کہ اس کی تلخی بعض لوگوں کو حشر تک باقی رہے گی، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے، ہم زندگی گزارتے ہوئے اس طرح غافل ہو جاتے ہیں کہ کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ اس کا اثر ہماری موت پر تو نہیں واقع ہوگا؟ دنیا میں دوستی کرتے ہوئے، دنیا میں معاملات کرتے ہوئے، دنیا میں نقل و حرکت کرتے ہوئے، چھپ کر یا اعلانیہ گناہ کرتے ہوئے، ہم اس بات سے غافل ہوتے ہیں کہ اس کا انجام موت کے وقت کیا ہوگا؟ مرنے والے کو لوگ کلمہ کی تلقین کر رہے ہیں، یعنی ارد گرد بیٹھے ہوئے لوگ اس کو کلمہ کی تلقین کرتے ہیں، لیکن کسی کو پتا نہیں کہ وہ کہاں پھنسا ہوا ہوتا ہے؟

شیخ عطارؒ کا واقعہ:

شیخ عطارؒ بہت بڑے بزرگ ہوئے ہیں، مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ عطارؒ

عشق کے سات شہروں میں پھر چکے ہیں اور ہم ابھی تک ایک کوچے میں گھوم رہے ہیں۔ ''عطار'' کہتے ہیں دوائی بیچنے والے اور پنسار کو، شیخ عطارؒ بھی دوا فروش اور پنساری تھے۔ ایک مرتبہ ایک ملنگ قسم کا شخص ان کی دکان پر آیا، کندھے کے اوپر گودڑی رکھی ہوئی تھی، کبھی اِدھر دیکھتا ہے، کبھی اُدھر دیکھتا ہے، شیخ عطارؒ اس سے فرماتے ہیں کہ: میاں! کیا دیکھتا ہے؟ کہنے لگا کہ: میں یہ دیکھتا ہوں کہ جو روح اتنی شیشیوں میں پھنسی ہوئی ہے، یہ کیسے نکلے گی؟ شیخ اس وقت دنیادار آدمی تھے، اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے ان صاحب کو بھیجا تھا، بھنّا کر کہنے لگے: جیسے تیری نکل جائے گی، ویسے ہماری نکل جائے گی! اس نے کندھے پر رکھی ہوئی گودڑی بچھائی، لیٹ گیا اور کہا کہ: ہماری تو یوں نکل جائے گی! ایک لمحہ میں رخصت ہوگیا، شیخ پر اس واقعہ کا ایسا اثر ہوا کہ دکان لٹادی اور اللہ تعالیٰ کے راستہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے، بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے مراتب عطا فرمائے۔

موت کا منظر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

الف:...... ”عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: مَنْ اَکْثَرَ ذِکْرَ الْمَوْتِ قَلَّ فَرْحُہٗ وَقَلَّ حَسَدُہٗ۔“

(حلیۃ الاولیاء ج:۱ ص:۲۲۰)

ب:...... ”عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: مَالِیْ اَرَاکُمْ تَحْرُصُوْنَ عَلٰی مَا تُکَفَّلُ لَکُمْ بِہٖ وَتَضِیْعُوْنَ مَا وُکِّلْتُمْ بِہٖ لَاَنَا اَعْلَمُ بِشَرَارِکُمْ مِنَ الْبَیْطَارِبِا الْخَیْلِ ھُمُ الَّذِیْنَ لَا یَأْتُوْنَ الصَّلَاۃَ اِلَّا دُبُرًا وَلَا یَسْمَعُوْنَ الْقُرْاٰنَ اِلَّا ھِجْرًا وَلَا یُعْتِقُ مَحْرُوْرُھُمْ۔“ (حلیۃ الاولیاء ج:۱ ص:۲۲۱)

ج:...... ”عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: اِلْتَمِسُوا الْخَیْرَ دَھْرَکُمْ کُلَّہٗ وَتَعَرَّضُوا النَّفُحَاتِ رَحْمَۃَ اللّٰہِ فَاِنَّ لِلّٰہِ نَفَحَاتٌ مِنْ رَّحْمَتِہٖ یُصِیْبُ بِھَا مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ، وَسَلُوا اللّٰہَ اَنْ یَّسْتُرَ عَوْرَاتِکُمْ وَیُؤْمِنْ رَّوْعَاتِکُمْ۔“

(حلیۃ الاولیاء ج:۱ ص:۲۲۱)

الف:......ترجمہ:......''حضرت ابودرداؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: جو شخص کثرت سے موت کو یاد کیا کرے، اس کی خوشی اور اس کا حسد کم ہوجاتا ہے۔''

ب:......ترجمہ:......''حضرت ابودرداؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: کیا بات ہے تم اس چیز میں بڑی حرص کرتے ہو جس کی اللہ نے تمہارے لئے ضمانت لے لی ہے اور اس کا خود کفیل ہوگیا ہے (یعنی رزق)، لیکن تم اس چیز کو ضائع کرتے ہو جو تمہارے سپرد کی گئی تھی، گھوڑوں کا ڈاکٹر اتنا نہیں جانتا، جتنا میں تمہیں جانتا ہوں، تمہارے بروں کو میں جانتا ہوں، نماز کو نہیں آتے مگر نہایت بے دلی سے، قرآن کو نہیں سنتے، مگر جیسے قصہ کہانی، اور ان کے آزاد کردہ غلام بھی آزاد نہیں ہوتے۔''

ج:......ترجمہ:......''حضرت ابودرداؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہر زمانہ میں خیر تلاش کرو، اللہ کی رحمت کے جھونکوں کا استقبال کرو اور ان کو وصول کرو، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، وہ جھونکے پہنچادیتے ہیں اور اللہ سے سوال کرو کہ ہمارے عیبوں پر پردہ ڈال دے اور خوف کی چیزوں کو امن میں مبدل کردے۔''

صاحبِ ایمان کی خوشی کی چیز؟

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ اہل ایمان کو خوش ہونا چاہئے، ایک صاحب ایمان کی خوشی کی چیز یہ ہے کہ اسے اللہ کا فضل نصیب ہوجائے، اور اللہ کی رحمت نصیب ہوجائے، دنیا میں اللہ کے دین پر چلنے کی توفیق ہوجانا، نیکی کی توفیق

ہو جانا، طاعت و خیر کی توفیق ہو جانا اور مرنے کے بعد اللہ کی رضا حاصل ہو جانا، اللہ کی ناراضگی سے بچ جانا، قبر کی سختیوں سے اندھیروں سے بچ جانا، حشر کی فتنہ سامانیوں سے بچ جانا، اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی معیت نصیب ہو جانا، حساب و کتاب کا آسان ہو جانا اور جنت میں داخلہ ہو جانا، یہ ہے اللہ کا فضل اور اس کی رحمت۔

موت کے دھیان سے خوشی کم ہونا:

مؤمن کو تو اس بات سے خوش ہونا چاہئے، لیکن اس کے برخلاف ہماری خوشی ہوتی ہے دنیا کی چیزوں سے، مال سے، دولت سے دوسری چیزوں سے، لیکن اگر موت سامنے ہو تو یہ خوشی خوشی نہ رہے، بلکہ یہ خوشی غمی میں تبدیل ہو جائے، اس لئے حضرت ابو درداؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کثرت سے موت کو یاد کرے، اس کی خوشی کم ہو جاتی ہے۔

موت کے تصور سے حسد کا علاج:

اس دنیا کی خاطر لڑائیاں ہوتی ہیں، تنازعات ہوتے ہیں، رسّہ کشی ہوتی ہے، کھینچا تانی ہوتی ہے، ایک دوسرے پر حسد ہوتا ہے، حاصل یہی ہے کہ ہر ایک دوسرے کے بارے میں کہتا ہے کہ اس کو اچھی چیز کیوں مل گئی؟ یہ نہیں ملنی چاہئے تھی، تو جس شخص کو موت یاد ہو، اس کی ذات سے برائی ختم، جھگڑا ختم، تنازع ختم، حسد بھی ختم:

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھالیا
اس کی بلا سے بوم رہے یا ہما بسے

جب اس گھر میں ہمیں رہنا نہیں تو ہماری بلا سے کالا چور رہے ہمیں کیا؟ جب یہ چیز مجھے لینی نہیں، تو میری بلا سے وہ چیز کسی بھنگی کو دے دیں، کسی یہودی کو دے دیں، سکھ کو دے دیں، مسلمان کو دے دیں، فاسق و فاجر کو دے دیں، اچھے یا

برے کو دے دیں، مجھے اس پر کیا حسد؟ مجھے تو یہ لینی نہیں اور جس شخص نے مرنا ہو اس شخص کو وہ چیز لینی نہیں، تو سارے جھگڑے ہی ختم اور یہ منافست اور رسہ کشی ہی ختم، حسد بھی ختم، جو لوگ دنیا کے مال و دولت کے لئے یا حکومت و وجاہت کے لئے لڑ رہے تھے، قبروں میں پڑے ہوئے ہیں، ان کو کیا حسد ہو ان پر، ان کے تو کام کی چیز نہیں ہے۔ تو اگر موت کا آنا آدمی کو یاد رہے تو وہ دنیا کی چیزوں سے خوش نہ ہوگا۔

خوشی کی چیز؟

ہاں! خوشی و مسرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت میں استعمال فرمالے، بندے کو اپنے حکم میں استعمال فرمالے۔

''ابن ماجہ'' حدیث کی کتاب ہے، اس کا پہلا باب ہے: ''باب اتباع سنة النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی، اس میں ایک حدث کو نقل کیا ہے جو پہلے ہی صفحہ سے شروع ہوتی ہے:

''لَا یَزَالُ اللّٰہُ یَغْرِسُ فِیْ ھٰذَا الدِّیْنِ غَرْسًا یَسْتَعْمِلُھُمْ فِیْ طَاعَتِہٖ.'' (ابن ماجہ ص:۳)

ترجمہ:...... ''اللہ تعالیٰ اس دین میں پودے لگاتے رہیں گے، ان کو استعمال فرماتے رہیں گے اپنی بندگی میں۔''

پرانے پودے اکھاڑ کے نئے لگادیئے، باغ تو تروتازہ ہے اور سدابہار ہے، لیکن نئے نئے پودے مالی لگا رہا ہے۔

یا یوں کہو کہ باغ کا مالک لگا رہا ہے، تو خوشی کی چیز اگر ہے تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ ہمیں بھی اس باغ کا پودا بنادے اور ہمیں اپنی طاعت میں استعمال فرمالے، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے، آمین!

مرنے والوں کو کیا خوشی؟

اس کے علاوہ کوئی چیز خوشی کی نہیں، خوشی زندوں کو ہوتی ہے، مردوں کو ان چیزوں سے کیا خوشی ہوگی، ہم تو مرنے والے ہیں، ہمیں کیا خوشی ہے اور اگر ہے تو جھوٹی خوشی ہے، بہت جلدی خوشی کا یہ نشہ اترنے والا ہے، اسی طرح اگر موت کا دھیان رہے تو لوگوں کے ساتھ لڑائی جھگڑے بھی ختم ہوجائیں گے، جس کا زیادہ تر منشا حسد ہوتا ہے، ہمارا سینہ صاف ہوجائے گا سب جھگڑے ختم ہوجائیں گے۔

جھگڑا چھوڑ دینے کی فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"مَنْ تَرَکَ الْکَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِیَ لَهٗ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَکَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِیَ لَهٗ فِیْ وَسَطِ الْجَنَّةِ...... الخ." (ترمذی ج:۲ ص:۲۰)

ترجمہ:...... "دو آدمیوں کا جھگڑا ہو، ایک حق پر ہے اور دوسرا ناحق پر، تو جو شخص ناحق پر ہوتے ہوئے اپنا جھگڑا چھوڑ دے اللہ تعالیٰ جنت کے اطراف میں اس کا محل بنائیں گے، اور جو حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے اس کو اللہ تعالیٰ محل عطا فرمائے گا جو جنت کے درمیان میں ہوگا۔"

جب جھگڑا چھوڑ دینے کی یہ فضیلت ہے کہ ناحق پر ہوتے ہوئے اگر کوئی جھگڑا چھوڑ دے تو اس کو بھی اللہ پاک جنت عطا فرماتے ہیں، اور اگر کوئی حق پر ہوتے ہوئے جھگڑا چھوڑ دے اور کہہ دے کہ چھوڑو بھائی! لے جاؤ تم، مجھے جھگڑا نہیں کرنا ہے، اس نے صرف اتنا رتی جیسا حق چھوڑا، اللہ تعالیٰ نے جنت میں اس کو جگہ عطا فرمادی، ایسی جنت کہ پوری دنیا میں بھی اس کی قیمت نہیں۔

رزق اللہ کے ذمہ ہے:

دوسرے ارشاد میں حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کیا بات ہے! تم اس چیز میں بڑی حرص کرتے ہو، جس کی اللہ نے تمہارے لئے ضمانت لے لی ہے، اور اس کا خود کفیل بھی ہوگیا ہے یعنی رزق۔ بڑی ہی حرص کرتے ہو، بڑی تگ و دو کرتے ہو، لیکن تم اس چیز کو ضائع کرتے ہو جو تمہارے سپرد کی گئی تھی، اور تم اس کے سپرد کئے گئے تھے، یعنی اپنا دین۔ دنیا کے مال و دولت کی یا رزق کی تحصیل میں، حاصل کرنے میں تم بڑی حرص کرتے ہو، حالانکہ اگر حرص نہ کرو، تو کیا رزق نہیں ملے گا؟ اور تمہارے حرص کرنے سے کیا زیادہ مل جائے گا؟ نہیں بلکہ اتنا ہی ملے گا جتنا مقدر ہے۔

رزق اور موت انسان کے پیچھے پیچھے ہیں:

حدیث شریف میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

''اِنَّ الرِّزْقَ لَيَطْلُبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلُبُهُ اَجَلُهُ.''

(مشکوۃ حدیث:۵۳۱۲)

ترجمہ:...... ''رزق بھی اسی طرح بندے کو تلاش کرتا ہے، جس طرح اس کی اجل اس کو تلاش کرتی ہے۔''

رزق اور اجل پیچھے پیچھے پھرتے ہیں، دونوں آدمی کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں لیکن ایک آگے ہے اور ایک پیچھے ہے، رزق آگے ہے اور اجل پیچھے ہے، جب تک رزق اس کو نہ پہنچ جائے، اجل اس کو نہیں پہنچ سکتی ہے، جتنا رزق کسی کے لئے لکھ دیا ہے، مقدر فرمادیا ہے، اس کو مل کے رہے گا اور موت نہیں آسکتی جب تک رزق نہ پورا کرلے، اس کے لئے تو تم حرص کرتے ہو اور اللہ پر توکل نہیں کرتے، جتنا کرنا چاہئے اتنا بھی نہیں کرتے، چلو تھوڑا بہت ہاتھ پاؤں ہلانا جس کو ''کسب'' کہتے ہیں،

محنت کرنا، ریاضت کرنا بقدر ضرورت یہ تو ٹھیک ہے، لیکن بقدر ضرورت محنت پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ حرص، چھینا جھپٹی اور آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔

عرفات اور منیٰ میں سعودیہ کے ٹرک پانی کی تھیلیاں لے کر آتے ہیں، وہ اس طرح پھینکتے رہتے ہیں اور لوگوں کو تقسیم کرتے ہیں، اب کس طرح تقسیم کریں ایک ایک پھینکتے رہتے ہیں، اس وقت لوگوں کا جمگھٹا دیکھنے کے لائق ہوتا ہے، تم تو دنیا کی طلب میں اتنی حرص کرتے ہو جیسے پیاسا ٹھنڈے پانی کی تھیلی کے لئے حرص کرتا ہے، اتنا جمگھٹا کرتے ہو، حالانکہ مل جائے گا۔

جو چیز ہمارے سپرد ہے اس سے ہم غافل ہیں:

جو چیز تمہارے سپرد کی گئی ہے اور تم جس کے سپرد کئے گئے ہو، اس کو تم ضائع کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کی بندگی تمہارے سپرد کی گئی ہے، اس کام کے لئے تمہیں لگایا گیا ہے، اور تم اپنی جزا اور سزا کے سپرد کئے گئے ہو، اس کو بالکل ضائع کر دیا مہمل چھوڑ دیا، فکر ہی نہیں، نہ جزا کا شوق اور نہ سزا سے خوف، نہ طاعت سے رغبت اور اس کی حرص، اور نہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کی کوشش۔

برے لوگوں کی علامت:

پھر فرمایا کہ ڈاکٹر گھوڑوں کو اتنا نہیں جانتا جتنا میں تمہیں جانتا ہوں، حیوانات کا ڈاکٹر اتنا نہیں جانتا گھوڑوں کو، ان کی بیماریوں کو، جتنا میں تمہارے بروں کو جانتا ہوں، اسی لئے کہ حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ حکیم الامت تھے، حکیم تھے، فرمایا تمہارے شرار کو جانتا ہوں، بروں کو جانتا ہوں، ان برے لوگوں کی تین علامتیں ذکر فرمائی ہیں۔

پہلی علامت:

۱:......یعنی ان کی پہلی علامت یہ ہے کہ: "لَا يَأْتِيْنَ الصَّلَاةَ اِلَّا دُبُرًا."

نماز کونہیں آتے مگر نہایت بے دلی سے، جلدی سے نماز ختم ہوتو چلیں، ظاہر میں منہ قبلہ کی طرف ہے، لیکن نماز پڑھتے ہوئے حقیقت میں منہ اپنے گھر کی طرف ہے اور پیٹھ قبلہ کی طرف ہے، ایک منٹ کی تاخیر ہوجائے تو شور ایسا ہوتا ہے کہ بیٹھنا مشکل ہورہا ہے، ٹی وی کے سامنے گھنٹوں بیٹھے رہیں گے، پرواہ نہیں، کوئی لہو ولعب کا تماشا ہو بڑی دلچسپی سے اس کو سنیں گے، کبھی بھی ان کو نیند نہیں آئے گی۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ نماز کی نیت باندھتا ہوں تو خیالات بہت آتے ہیں، اور یہ ہم میں سے اکثر کی شکایت ہے، میں نے اس پر پہلے بھی ذکر کیا تھا۔

نماز میں خیالات آنے کی شکایت:

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمہ اللہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ خیالات نماز میں نہیں آتے، بات یہ ہے کہ ادھر تم نے تکبیر یعنی ''اللہ اکبر'' نماز کے لئے کہا تو گویا کہ بجلی کا بٹن دبا دیا، سوئچ آن کر دیا، اور کمرے میں روشنی ہوگئی، ''اللہ اکبر'' کہنا تھا کہ دل اور دماغ میں روشنی ہوگئی، تو یہ اللہ کی بارگاہ ہے، یہ فرمانے لگے کہ کمرے میں روشنی کردی جائے تو کبھی چوہے پھدکتے ہیں اور کبھی چھپکلیاں دوڑتی ہیں اور کبھی حشرات الارض کو دیکھتے ہیں، قسم قسم کی چیزیں کونوں میں بھاگتی ہیں اور جا کر کونوں وغیرہ میں چھپ جاتی ہیں، اسی طرح جب ''اللہ اکبر'' کہتے ہو تو تمہارے دماغ کے تمام چوہے پھدکنے لگتے ہیں، وہ پہلے ہی سے اس میں موجود تھے، صرف تاریکی اور اندھیرے کی وجہ سے تم کو نظر نہیں آرہے تھے، اور اب جب روشنی ہوگئی تو دوڑنے لگے ہیں، اور جب یہ نظر آنے لگے تو تم پریشان ہوگئے، تو میرا بھائی! نماز میں خیالات نہیں آتے، خیالات تو پہلے سے آرہے تھے، یہ دریا پہلے سے چل رہا تھا، پہلے تمہیں نماز سے باہر نظر نہیں آتے تھے، جب نماز میں یکسوئی ہوئی، اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، تو اس طرح نظر آنے لگے کہ جس طرح قیامت کے دن نامہ اعمال نظر آنے لگے گا، یہ

نماز کا کمال ہے یا نقص ہے؟ اور اس کا علاج نماز سے پریشان ہونا نہیں، ان کو آنے دو، تم اللہ کے حضور توجہ کے ساتھ حاضری دو، ان کو آنے دو۔ یہ چوہے ہیں، حشرات الارض ہیں، ان کی پرواہ نہ کرو، انشاً اللہ العزیز تمہیں اللہ کا قرب و رضا حاصل ہوگا، تو پھر اس کے بعد اس کی بدولت تمہیں دوسرے نیک خیالات آنے لگیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مناجات مقبول میں نقل کی گئی ہے:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ وَسَاوِسَ قَلْبِیْ خَشْیَتَکَ وَذِکْرَکَ."

ترجمہ:......"یا اللہ! میرے دل کے وساوس و خیالات کو اپنی خشیت یعنی ڈر اور اپنے ذکر سے تبدیل فرمادے۔"

نماز تھرمامیٹر ہے:

یوں سمجھ لو کہ نماز تھرمامیٹر ہے، جسے تمہارے ذہن کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے، دل کی کیفیت معلوم کرنے کے لئے لگایا جاتا ہے، یہ نماز کا میٹر ہے اور مطلب یہ ہے کہ تمہارے قلب کا میٹر ہے تو یہ معلوم ہوجائے کہ ہمارے دل میں کیا کیا خیالات ہیں اور کیسی کیسی گندگیاں بھری ہوئی ہیں، پہلے تو پردہ پڑا ہوا تھا، نماز میں صرف اس پردہ کو اٹھادیا۔

نماز میں وساوس کی مثال:

ایک اور بزرگ سے شکایت کی گئی تھی کہ وساوس بہت آتے ہیں، حضرت فرمانے لگے کہ: صحن میں کافی دن سے جھاڑو نہیں دی تھی، ہواؤں کے ذریعہ سے مٹی، پتے، نامعلوم کیا کیا کچرہ جمع ہورہا تھا، تم نے کہا کہ اس کو جھاڑو دے لیں، صفائی بڑی اچھی چیز ہے، اسکول کی کتابوں میں پڑھا کرتے تھے کہ:

صفائی عجیب چیز دنیا میں ہے
صفائی سے بڑھ کر نہیں کوئی شے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کہ: "**اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ**" طہارت نصف ایمان ہے، تم نے جھاڑو لی اور صاف کرنا شروع کردیا، مٹی اتنی اٹھی کہ تمہیں سانس لینا مشکل ہوگیا، کیا تم چاہو گے کہ جھاڑو پر الزام دو کہ اس میں بڑی مٹی ہے، جھاڑو دیتے ہوئے تو آدمی سانس بھی مشکل سے لیتا ہے، حالانکہ جھاڑو تو بے چاری صفائی کر رہی ہے، اس صفائی کی وجہ سے گرد وغبار اڑ رہا ہے، یہ مٹی، یہ گرد وغبار یہ کچرہ پہلے سے تمہارے صحن میں موجود تھا، تو شکر کرو کہ صفائی ہو رہی ہے، تھوڑا سا برداشت کرلو۔

توجہ سے نمازوں کے چلہ کی برکت:

اگر تم توجہ الی اللہ کے ساتھ چالیس دن نماز پڑھ لو، خیالات کے پیچھے مت جاؤ تو انشاءاللہ دیکھو تمہارے ذہن کی کیسی صفائی ہوتی ہے۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

"مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِيْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَتَانِ، بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ." (ترمذی ج:۱ ص:۳۳)

ترجمہ:...... "جو شخص چالیس دن تکبیر تحریمہ کے ساتھ جماعت سے نماز پڑھے (کل دو سو نمازیں ہوئیں پانچ وقت کی نماز تکبیر تحریمہ کے ساتھ پڑھے اس طرح کہ درمیان میں ناغہ نہ ہو) اس کے لئے دو پروانے لکھ کر دے دیئے جاتے ہیں، دو سندیں اس کو عطا کردی جاتی ہیں، ایک یہ کہ یہ شخص دوزخ سے

بری ہے، دوسرا یہ کہ یہ شخص نفاق سے بری ہے، منافق نہیں ہے، پکا ایماندار ہے۔"

نفاق سے بری ہوجاؤ گے اور دوزخ سے بری ہوجاؤ گے، تو انشاءاللہ گندے خیالات سے بھی بری ہوجاؤ گے، لیکن شرط یہ ہے کہ متوجہ رہو۔

متوجہ رہنے کا مطلب؟

متوجہ رہنے کا یہ معنی نہیں کہ تم دنیا و ما فیہا سے غافل ہوجاؤ، نہیں! خیالات آئیں گے، تمہارا ذہن ان کے پیچھے لگ جائے گا، پہنچ جائے گا لالوکھیت، پھر اس کو واپس لے آؤ، وہاں سے پکڑ کر واپس لے آؤ، کہو کہ بدبخت! تو اللہ کے سامنے کھڑا ہے، وہ پھر بھاگے گا پھر لے آؤ، پھر بھاگے گا پھر لے آؤ، اس کو بھاگنے کا کام کرتے رہنے دو اور تم اس کو پکڑ کر لانے کا کام کرتے رہو۔ اکابر فرماتے ہیں تمہیں اس طرح کرنے سے پوری کامل نماز کا ثواب ملے گا، ایک ذرہ بھی کم نہ ہوگا۔

ایک لمحہ کی حضوری سے بھی کام بن گیا:

ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ سجدہ میں جاکر ایک لمحہ کے لئے تمہیں حضوری حاصل ہوگئی کہ میں اللہ کے سامنے سجدہ کر رہا ہوں، بس تمہارا کام بن گیا، انشاءاللہ! اللہ پاک اس کو ضائع نہیں کریں گے۔

حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تمہارے برے لوگ وہ ہیں جو نماز کو نہیں آتے، مگر پیٹھ پھیرتے ہوئے، منہ گھر کی طرف ہوتا ہے اور پشت مسجد کی طرف ہوتی ہے یعنی بظاہر منہ مسجد کی طرف ہوتا ہے، لیکن ان کے خیالات اور ان کے دل کا رخ اس وقت بھی گھر کی طرف رہتا ہے، مسجد کی طرف نہیں۔

نماز کا حضور طہارت کے حضور پر موقوف ہے:

اس لئے اکابر فرماتے ہیں کہ نماز کا حضور طہارت کے حضور پر موقوف ہے،

آدمی کو وضو کرتے ہوئے جتنا حضور ہوگا، اتنا ہی نمازوں میں حضور ہوگا، اگر وضو کرتے ہوئے غفلت ہوگی، تو نماز میں بھی غفلت ہوگی، کسی بہت محبوب کو، کسی پیارے کو یا کسی معزز کو ملنے جانا ہو تو انسان اپنا لباس تبدیل کرتے ہوئے، منہ ہاتھ دھوتے ہوئے کیسا نفاست و باریک بینی کا مظاہرہ کرتا ہے، وضو کرتے ہوئے یہ تصور ہونا چاہئے کہ میں بارگاہ خداوندی میں حاضری کی تیاری کر رہا ہوں، میرے ظاہر و باطن میں کوئی گندگی باقی نہ رہ جائے۔

ظاہری طہارت اعضا کے دھونے سے ہے:

وہ تو ظاہری طہارت اللہ پاک نے فرمادی ہے کہ تم ان اعضا کو دھولو، سر کا مسح کرلو اور تین اعضا کو دھولو، اور بدن پر کوئی نجاست نہ لگی ہو تو بس تم مکمل پاک ہوگئے ہو، اللہ کے مقدس کلام کو ہاتھ لگا سکتے ہو اور تم اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوسکتے ہو، تمہیں حاضری کا اذن دیا جاتا ہے۔

باطنی گندگی سے طہارت کا علاج:

لیکن ظاہری گندگی کے ساتھ ساتھ باطنی گندگی بھی آدمی لئے پھر رہا ہے، قربان جائیں ہمارے آقا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ نے ارشاد فرمایا کہ وضو کے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرو:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِىْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِىْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ، وَاجْعَلْنِىْ مِنَ الَّذِيْنَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ."

ترجمہ:...... "یا اللہ! مجھ کو بنادے توبہ کرنے والوں میں سے اور مجھ کو بنادے خوب پاک وصاف ہونے والوں میں سے اور مجھ کو بنادے ان لوگوں میں سے جن پر قیامت کے دن نہ

خوف ہوگا اور نہ غم۔‘‘

لیجئے! اس دعا کی برکت سے انشاءاللہ باطنی طہارت بھی حاصل ہوجائے گی، ظاہر تو پاک کرتے ہیں پانی کے ساتھ اور باطن کو پاک کرتے ہیں توبہ کے ساتھ، تو اگر ہم وضو آداب کے مطابق کریں، تو انشاءاللہ نماز کے اندر بھی حضوری نصیب ہوگی، اس میں نورانیت ہوگی، اور اگر وضو صحیح نہیں کیا تو نماز میں کیا حضور ہوگا؟

ظاہری طہارت میں نقص کا وبال:

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بھول گئے تھے، قرأت میں گڑبڑ ہوگئی تھی، سلام پھیرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

’’مَا بَالُ اَقْوَامٍ یُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا یُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ فَاِنَّمَا یَلْبِسُ عَلَیْنَا الْقُرْاٰنَ اُولٰئِکَ.‘‘(سنن نسائی ج:۱ ص:۱۵۱)

ترجمہ:……’’کیا بات ہے کہ لوگ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں وضو ٹھیک کرکے نہیں آتے جس کی بنا پر ہم پر قرأت میں گڑبڑ ہوجاتی ہے۔‘‘

اللہ اکبر! اندازہ فرماؤ! مقتدیوں میں سے کسی ایک مقتدی کے صحیح وضو نہ کرنے کی وجہ سے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اثرات! اس اشارہ کو سمجھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں گڑبڑ ہوگئی، قرأت میں گڑبڑ ہوگئی صرف ایک آدمی کے وضو ٹھیک نہ کرنے کی وجہ سے، اس لئے وضو ٹھیک کرو اور وضو دھیان کے ساتھ کرو۔

وضو کی دعاؤں کا اہتمام:

بزرگ فرماتے ہیں کہ وضو کی دعائیں یاد کرو اور وضو کے دوران وہ دعائیں پڑھتے رہو۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے ’’احیاءالعلوم‘‘ میں وہ دعائیں لکھی ہیں، اور عام طور پر نمازوں کی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہوتی ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب

رحمہ اللہ کو بہت اہتمام ہوتا تھا ان دعاؤں کا، کلی کرتے ہوئے یہ دعا پڑھو، ناک میں پانی ڈالتے وقت یہ دعا پڑھو، چہرہ دھوتے ہوئے یہ دعا پڑھو، سر پر مسح کرتے ہوئے یہ دعا پڑھو، پاؤں دھونے تک سب دعائیں ہیں، اگر اور دعائیں یاد نہیں تو پھر یہ چوتھا کلمہ پڑھتے رہو:

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ
وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ اَبَدًا اَبَدًا،
ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ بِيَدِهِ الْخَيْرُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ."

تو نماز کو پشت پھیر کر نہ آؤ، منہ پھیر کر آؤ، ہم لوگ تو نماز کی نیت باندھ کر منہ طرف قبلہ شریف کے پیچھے اس امام کے اللہ اکبر کہہ دیتے ہیں، ہمارے ظاہر کا رخ قبلہ کی طرف ہے اور ہمارے باطن کی پیٹھ قبلہ کی طرف ہے، جس طرح ظاہر کا رخ قبلہ کی طرف کیا ہے، اسی طرح باطن کا رخ بھی قبلہ کی طرف کرو، اور اپنی توجہ بھی قبلہ کی طرف کرو، قبلہ نہیں، بلکہ صاحب قبلہ، قبلہ کا مالک، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو۔

دوسری علامت:

۲:......دوسری علامت یہ ذکر فرمائی کہ: "وَلَا يَسْمَعُوْنَ الْقُرْاٰنَ اِلَّا هِجْرًا." اور قرآن کو نہیں سنتے مگر جیسے قصہ کہانی ہوتی ہے، ایک قصہ تھا سن لیا چلو، تھوڑی دیر کے لئے طبیعت خوش ہوگئی، قرآن کوئی قصہ کہانی نہیں ہے، یہ ہمارے احکم الحاکمین کا حکم نامہ ہے، یہ ہمارے محبوب کا نامۂ محبت ہے، اس کا ایک ایک پیغام، ایک ایک لفظ و پیغام ہمارے لئے پیغام حیات ہے، اسی کے ساتھ ہماری دنیاوی فلاح اور اُخروی سعادت وابستہ ہے، قرآن پڑھو یا قرآن سنو، تو قرآن کے انوارات کی طرف متوجہ رہو، اللہ تعالیٰ قرآن کے انوارات سے ہمارے دلوں کو منور فرمادے، امام قرآن

پڑھ رہا ہے اور ہم کسی دوسری سوچ میں ہیں۔

تیسری علامت:

۳:......تیسری علامت یہ ہے کہ: "وَلَا يُعْتَقُ مَحْرُوْرُهُمْ" ان کے آزاد کردہ غلام بھی آزاد نہیں ہوتے، پہلے زمانہ میں غلام ہوتے تھے، ان کو آزاد کرنے کا حکم تھا، کئی موقعوں پر اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا اور کئی موقعوں پر مستحب قرار دیا، غلاموں کو آزاد کرتے تھے، لیکن ان کو آزاد کرنے کے بعد بھی پھر ان کو اپنا غلام سمجھتے تھے، وہ بے چارے آزاد ہونے کے بعد بھی آزاد نہیں، پھر بھی ان پر رعب جھاڑتے ہیں، دھونس جتلاتے ہیں، یہ برے لوگ ہیں، جب تم نے اس کو آزاد کردیا تو وہ تمہارے برابر ہوگیا، اب تمہارا ان پر کوئی بھی حق نہیں رہا۔

اللہ کی رحمت کے جھونکے:

تیسرے ارشاد میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے جھونکے آتے ہیں، ویسے تو آدمی کو زندگی بھر اللہ کی رحمت کا اور خیر کا طالب رہنا چاہئے، اس کی تلاش میں رہنا چاہئے۔ خاص خاص اوقات کے اندر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے جھونکے آتے ہیں، جیسے ہوا چلتی ہے کبھی جھونکا آجاتا ہے، ہوا تو چلتی ہی رہتی ہے، لیکن کبھی ہوا کا جھونکا آجاتا ہے، کبھی ٹھنڈا اور کبھی گرم جھونکا آتا ہے، اللہ کی رحمت کے جھونکے آتے ہیں، ان جھونکوں کا تعرض کرو اور استقبال کرو اور ان کو وصول کرو، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں، وہ جھونکے پہنچادیتے ہیں، جو اللہ کے بندے اس وقت متوجہ الی اللہ ہوتے ہیں، ان کو مل جاتے ہیں، اللہ کی جانب سے انعامات تقسیم ہو رہے ہیں۔

قبولیت کا وقت:

اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا کہ چوبیس گھنٹوں میں ایک خاص وقت

قبولیت کا وقت آتا ہے، اس وقت آدمی جو کچھ مانگے یا چاہے، دنیا مانگ لو، دین مانگ لو، چاہے اللہ کی رحمت مانگ لو، چاہے موت مانگ لو، اللہ پاک عطا فرماتے ہیں۔

بچوں کو بددعا دینے سے بچو:

ہمارے حضرت حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ عورتیں اپنے بچوں کو کوسنے دیتی رہتی ہیں، بددعائیں دیتی رہتی ہیں، اور کوئی وقت قبولیت کا ہوتا ہے، اس وقت وہ بددعا قبول ہوجاتی ہے، پھر یہ روتی ہیں، تو نے خود بددعا مانگی تھی۔ اس لئے بچوں کو بددعا نہ کرو، کسی دوسرے کے لئے بددعا نہ کرو، نیک دعائیں کرو، جب بھی موقع مل جائے متوجہ الی اللہ ہوجاؤ کہ شاید یہ قبولیت کا وقت ہو، اور اللہ تعالیٰ نے بتلایا نہیں کہ کون سا وقت ہے؟ اور ضروری نہیں کہ ایک ہی وقت ہو، چوبیس گھنٹوں میں سے ایک وقت آتا ہے کہ اس میں دعا قبول ہوتی ہے، یا یوں کہو کہ اس میں اللہ کی رحمت کا جھونکا آتا ہے، اللہ کی رحمت کے جھونکوں کو وصول کرو اور ان کو اپناؤ اور متوجہ الی اللہ رہو، کم از کم چوبیس گھنٹوں میں سے ایک وقت تو آجائے کہ ہم متوجہ الی اللہ ہوجائیں، شاید یہ ہی وقت قبولیت کا ہو۔

انعامی بانڈ کے انعام کی طرح لمحات قبولیت کا خیال رکھو:

انعامی بانڈز خرید خرید کر رکھتے ہو کہ شاید انعام کا ہمارا نمبر نکل آئے، حالانکہ لاکھوں میں سے صرف ایک کا نکلے گا، باقیوں کا نہیں، اور جس کا نکلے گا تم اس کو کہتے ہو کہ بڑے خوش قسمت ہو، انعامی بانڈز وہ جو سرکاری ہوتے ہیں، ان کی حیثیت کرنسی کی ہے، خرید کر رکھنا استعمال کرنا جائز ہے۔

انعامی بانڈز کے انعام کا حکم؟

لیکن اس کا انعام لینا جائز نہیں ہے، میں ماہر معاشیات نہیں ہوں، لیکن اتنی بات مجھ اندھے کو بھی معلوم ہے کہ یہ حکومت کی (اب کیا کہوں منبر پر بیٹھا ہوں، سخت

لفظ نہیں کہنا چاہئے) عوام سے دھوکا بازی ہے (نرم سے یہ لفظ بولتا ہوں) اول تو اگر دس ارب روپے کی مالیت تمہارے پاس ہے تو دس ارب روپیہ ہی کے نوٹ چھاپو، لیکن یہ بجائے دس ارب کے دس کھرب چھاپتے ہیں، یہ محض دھوکا ہے اور پھر یہ نوٹ تو قانونی کرنسی تھی، حکومت نے انعامی بانڈز جاری کردیئے اور یہ غیر قانونی کرنسی ہے، انعام دینے کے بہانے عوام کی رقم ہتھیالی، بظاہر یہ درمیان میں ایک مسئلہ ذکر کیا میں نے۔

انعام نکلنے والا ہے:

کہنا چاہتا ہوں کہ ایک نمبر نکلنے والا لاکھوں میں سے تو تم خرید کر رکھتے ہو، لاکھوں کی تعداد میں نوٹ خرید کر رکھتے ہو کہ شاید ان میں سے کوئی نمبر نکل آئے۔ میں کہتا ہوں کہ انعامی بانڈز تقسیم ہو رہے ہیں اللہ کی طرف سے، خرید لو، ممکن ہے کہ یہ ہی وقت ہو قبولیت کا، یہ ہی نمبر نکل آئے تمہارا، اس وقت جنت مانگو جنت مل جائے گی، اللہ کی رحمت مانگو رحمت مل جائے گی، دنیا و آخرت کی کوئی سعادت مانگو، مل جائے گی۔

اللہ سے دو چیزیں مانگو:

اور آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دو چیزیں مانگا کرو، ایک یہ کہ اللہ پاک ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دے: "اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنِیْ فَاِنَّکَ بِیْ عَالِمٌ" یا اللہ! مجھے رسوا نہ کیجئے، آپ تو مجھے جانتے ہیں، میرے عیوب اللہ کے علم میں ہیں کسی اور کو معلوم نہیں، بیوی بچوں کو بھی معلوم نہیں، اللہ کو معلوم ہے۔ یا اللہ! جس طرح آپ نے آج یہ چھپا کر رکھے ہیں، آپ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، اسی طرح آپ پردہ ڈال دیجئے، آخرت میں بھی ہمارے عیوب ظاہر نہ ہوں، اور دوسری چیز اللہ سے مانگا کرو کہ ہمارے جو خوف کی چیزیں ہیں، جن سے ہلاک ہونے کا خطرہ ہے اللہ تعالیٰ ان کو امن سے مبدل کردے، یہ حدیث شریف کی دعا ہے، حضرت ابودرداءؓ رضی اللہ عنہ اس کی

تلقین فرما رہے ہیں، ان حضرات کے تمام علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے علوم تھے، ''اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَآمِنْ رَوْعَاتِیْ'' یا اللہ! پردہ ڈال دے میرے عیوب پر اور امن عطا کر مجھے خطرہ وخوف کی چیزوں سے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حرام اشیائی کی خرید وفروخت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا : اِنَّ الَّذِیْ حَرَّمَ شَرِبَهَا هُوَ الَّذِیْ حَرَّمَ بَیْعَهَا یَعْنِی الْخَمْرَ.'' (صحیح مسلم)

''عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ رَضِیَ اللهُ عَنْهَا: اِنَّ الَّذِیْ یَشْرَبُ فِیْ اِنَاءِ الْفِضَّةِ فَاِنَّمَا یُجَرْجِرُ فِیْ بَطْنِهٖ نَارَ جَهَنَّمَ.''

(مشکوٰۃ ص:۳۷۱)

''عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ: لَا یَکُوْنُ اللَّعَّانُوْنَ شُفَعَاءَ وَلَا شُهَدَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ.''

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۲۳)

''عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ: اِذَا کَانَ اَحَدُکُمْ فِی الصَّلٰوةِ فَاِنَّهٗ یُنَاجِیْ رَبَّهٗ فَلَا یَبْزُقَنَّ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلَا عَنْ یَمِیْنِهٖ وَلٰکِنْ عَنْ شِمَالِهٖ تَحْتَ قَدَمِهٖ.'' (صحیح مسلم ج:۱ ص:۲۰۷)

ترجمہ:......''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

بیشک جس نے اس کا پینا حرام کیا، اس نے اس کا بیچنا بھی حرام کیا، یعنی شراب۔''

ترجمہ:...... ''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بے شک جو آدمی پیتا ہے چاندی کے برتن میں تو وہ اُنڈیلتا ہے اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ۔''

ترجمہ:...... ''حضرت ابودرداؑ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بیشک لعنت کرنے والے سفارش کرنے کے حق دار نہیں ہوں گے اور نہ گواہ ہوں گے قیامت کے دن۔''

ترجمہ:...... ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بیشک مؤمن جب نماز میں ہوتا ہے تو مناجات کرتا ہے اپنے رب سے، سو نہ تھوکے اپنے آگے، نہ دائیں جانب، بلکہ تھوکے اپنے بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے۔''

شراب کا پینا اور بیچنا حرام ہے:

پہلی حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ جس ذاتِ عالی نے شراب کا پینا حرام کیا ہے، اس نے اس کا بیچنا بھی حرام کیا ہے۔

قصہ یہ ہوا تھا کہ ایک صاحب باہر سے شراب کا مشکیزہ لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں شراب کا ایک مشکیزہ لایا تھا، مجھے پتہ نہیں تھا کہ وہ حرام ہوگئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ہاں! حرام ہوگئی

ہے۔ کسی نے اس صحابی سے چپکے سے کہا کہ: کسی غیر مسلم کے پاس اسے بیچ دو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب کی یہ بات سن لی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس نے اس کا پینا حرام کیا ہے، اس نے اس کا بیچنا بھی حرام کیا ہے! شراب کا پینا بھی حرام، اس کا بیچنا بھی حرام، اس کا بنانا بھی حرام اور حد یہ ہے کہ جو شخص شراب اُٹھا کر لے جائے اس پر بھی لعنت ہے، شراب پر لعنت، اس کے بنانے والے پر لعنت، اس کے خریدنے والے پر لعنت، اس کے اُٹھانے والے پر لعنت، اس کے پینے والے پر لعنت۔

اس حدیث کے ضمن میں چند مسائل ذکر کرتا ہوں۔

شراب کے نشہ میں دی گئی طلاق مؤثر ہے:

ا:......ایک مسئلہ یہ ہے کہ شراب پینے سے اگر کسی کو نشہ ہوجائے اور وہ اس حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

بہت سارے لوگ یہ مسئلہ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ شوہر نے نشے کی حالت میں طلاق دی تھی، مدہوش تھا، اس کو پتہ نہیں تھا، مدہوشی کی حالت میں طلاق دی، تو مدہوش کی طلاق واقع ہوجاتی ہے بشرطیکہ وہ حرام کے نشے کے ساتھ مدہوش ہوا ہو، اگر کسی نے جائز اور پاک چیز کا استعمال کیا تھا، اتفاق سے وہ دماغ پر چڑھ گئی اور اس سے مدہوش ہوگیا، اس حالت میں اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو طلاق واقع نہیں ہوگی یا مثال کے طور پر کسی کافر نے زبردستی اس کو پلادی اور اس کو نشہ ہوگیا، نشے میں بدمست ہوکر اس نے بیوی کو طلاق دے دی تو پھر بھی طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ یہ اس نے اپنے اختیار سے نہیں دی، تو حرام نشہ جو اپنے اختیار سے کیا ہو، اگر اس سے آدمی مدہوش ہوجائے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے، اور حرام نشہ نہ ہو لیکن کسی وجہ سے اس سے مدہوشی ہوگئی اور اس حالت میں طلاق دے دی تو طلاق واقع نہیں

ہوگی۔

جس کا استعمال حرام ہے اس کی خرید وفروخت بھی حرام ہے:

۲:......دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کا استعمال کرنا حرام ہے، اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے، شراب کا پینا حرام ہے، تو اس کی خرید و فروخت بھی حرام۔

کیا مسلمان کے شراب کے مٹکے توڑنے پر ضمان ہے؟

مسلمان کے حق میں شراب مال نہیں ہے، اگر کسی نے مسلمان کی شراب کے مٹکے توڑ دیئے تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہے، لیکن غیرمسلم کے حق میں مال ہے، اگر غیرمسلم کے مٹکے توڑے تھے تو اس کا تاوان دینا پڑے گا، تو اس سے ایک بہت بڑا اصول معلوم ہوجاتا ہے کہ ہر وہ چیز جس کا استعمال حرام ہے، اس کا بیچنا اور خریدنا بھی حرام ہے۔

ٹی وی کی خرید وفروخت؟

یہیں سے ٹی وی کا حکم بھی معلوم ہوجاتا ہے، ٹی وی حرام تو اس کا بیچنا بھی حرام، اس کا خریدنا بھی حرام اور اسی طرح دوسری چیزیں ہیں، مثلاً: مردار حرام ہے، اب کوئی مردار کا گوشت بیچے، نعوذ باللہ! استغفراللہ! تو یہ بھی حرام ہے۔

حرام اور مردار کی قیمت بھی مردار ہے:

حرام کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جو قیمت حاصل ہوگی اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو مردار کا ہے، اگر کسی نے مرا ہوا جانور کسی چوڑھے کے پاس بیچ دیا اور اس سے رقم لے کر استعمال کرلی تو اس رقم کا استعمال بھی ایسے ہی ہے جیسے کہ خود مردار کا استعمال تھا، اور یہیں سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوجائے گا جیسا کہ ہمارے دیہات میں

رواج ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی کی بھینس مرگئی، مرنے سے پہلے اس کو ذبح نہیں کرسکے، حلال نہیں کرسکے تو اس کی کھال اُتار کر چوڑھوں کے پاس بیچ دیتے ہیں کہ لے جاؤ اس کو ساٹھ یا ستر یا سو دوسو روپے میں، جتنے بھی ہوتے ہوں گے، اس کی کھال بیچ دیتے ہیں، حالانکہ ایسا کرنا ناجائز ہے، کیونکہ مردار کی کھال بھی مردار کے حکم میں ہے، لہٰذا اس کا بیچنا بھی حلال نہیں۔

مردہ جانور کی کھال رنگنے سے پاک ہوجاتی ہے:

اِلَّا یہ کہ مردار کی کھال کو اُتروالیا اور اُتروا کر اس کو رنگوالیا۔ اب وہ پاک ہوگئی، اب اس کا بیچنا حلال ہے، مردار کی کھال کو اگر رنگوالیا جائے تو پاک ہوجاتی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دیکھا ایک بکری مری ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اِلَّا دَبَغْتُمْ اِهَابَهَا فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ. فَقَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنَّهَا مَيْتَةٌ - وَفِىْ رِوَايَةٍ - يَقُوْلُ: اِذَا دُبِغَ الْاِهَابُ فَقَدْ طَهُرَ." (ابوداؤد ج:۲ ص:۲۱۳)

ترجمہ:..... "تم نے اس کے چمڑے سے کیوں نہیں نفع اُٹھایا؟ کہا: یا رسول اللہ! یہ تو مردار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کھال کو رنگ دیا جائے وہ پاک ہوجاتی ہے۔"

اس کے بعد اس کو بیچ سکتے ہیں، غرضیکہ ہر وہ چیز جس کا استعمال حرام، اس کا بیچنا بھی حرام، خریدنا بھی حرام۔

شراب کا سرکہ بنانا!

البتہ اگر کسی کے پاس شراب ہو تو اس میں نمک ڈال کر اس کا سرکہ بنالیا کرتے ہیں، شراب کا سرکہ بن جاتا ہے، تو آیا شراب کا سرکہ بنالیا جائے تو یہ جائز

ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے، اس پر تو اتفاق ہے کہ اگر سرکہ بن گیا تو اس کا استعمال جائز ہے، اس لئے کہ اب شراب نہیں رہی، لیکن شراب کو سرکہ بنالینا یہ عمل جائز ہے کہ نہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جائز نہیں ہے! ہمارے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مناسب تو نہیں ہے، لیکن اگر بنالیا تو حرام بھی نہیں ہے!

سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال:

دوسری حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ہے کہ جو شخص چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے، وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ اُنڈیل رہا ہے اور غٹ غٹ کرکے جو پی رہا ہے، آگ کا سیال یعنی بہنے والی آگ پی رہا ہے۔

یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال جائز نہیں ہے، اور اس معاملے میں لوگ بڑا گھپلا کرتے ہیں، بڑے لوگوں کے چونچلوں کی تو خیر بات ہی کیا ہے؟ ماشاء اللہ! وہ تو مرفوع القلم ہیں، قلم ان سے اُٹھالیا گیا ہے، سونے کی چیزیں رکھی ہوئی ہیں، چاندی کی چیزیں رکھی ہوئی ہیں، محاورہ ہے کہتے ہیں کہ جی سونے کا چمچہ منہ میں لے کر پیدا ہوا ہے، سونے کا یا چاندی کا چمچہ بھی استعمال کرنا جائز نہیں، اس کی پلیٹ یا تشتری کو کسی بھی مقصد میں استعمال کرنا جائز نہیں، حتیٰ کہ بعض لوگ چاندی کا خلال بنالیتے ہیں، وہ بھی جائز نہیں۔

سونے چاندی کا تعویذ:

ہمارے حکیم الامت قدس سرہٗ نے اس معاملہ میں ایک بہت دقیق مسئلہ لکھا ہے، جس کی طرف لوگوں کو التفات نہیں، عام طور پر یہ جو تعویذ دینے والے ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ تعویذ چاندی میں منڈوالینا، بند کروالینا، حضرتؒ فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہے حرام! کیونکہ چاندی کا تعویذ بطور برتن استعمال ہو رہا ہے، عورتوں کے لئے،

بچیوں کے لئے سونے اور چاندی کے زیورات کا استعمال جائز ہے، لیکن سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال عورت کے لئے بھی جائز نہیں، خاصہ دان ہے، پان دان ہے، سرمے دانی ہے، سونے کی ہو یا چاندی کی اس کا استعمال مردوں اور عورتوں سب کے لئے جائز نہیں ہے، سرمہ ڈالنے کی سلائی چاندی کی استعمال کرنا جائز نہیں ہے، بعض دفعہ اطبا بتاتے ہیں کہ فلاں آنکھ کی بیماری کے لئے چاندی کی سلائی استعمال کی جائے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے بجائے قلی جو ہوتی ہے ناں! جس سے برتن قلی کرتی ہیں، پہلے زمانہ میں تانبے کے برتن ہوتے تھے، ان کو قلی کرانے کی ضرورت ہوتی تھی، اب تو اسٹیل کے برتن آگئے ہیں، اب تو قلی کرانے کی ضرورت پیش نہیں آتی، تو فرماتے ہیں کہ اس قلی کی سلائی استعمال کرے، وہ وہی اثر کرے گی جو چاندی کی سلائی کا اثر ہے۔ اسی طرح تعویذ کو بھی استعمال کرنا کہ چاندی کے اندر تعویذ رکھ کر محفوظ کیا گیا ہو، یہ بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ تعویذ کا برتن بن گیا ہے، برتن کی جگہ استعمال ہو رہا ہے، ہاں! زینت کے لئے استعمال کرتے تو دوسری بات تھی، بچیوں کے لئے اور عورتوں کے لئے تو جائز تھا۔

چھوٹے بچوں کے لئے بھی سونے چاندی کا استعمال ناجائز ہے:

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ لڑکوں کے لئے سونے چاندی کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، لڑکوں کے گلے میں سونے چاندی کے تعویذ پہنانا یہ بھی جائز نہیں ہے، وہ تو بیچارہ معصوم ہے، لیکن ماں باپ نے اگر پہنایا تو وہ گناہگار ہوں گے، جیسا کہ پیشاب یا پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا یا پیٹھ کرنا حرام ہے، کیونکہ اس طرح کرنا قبلے کی بے ادبی ہے، تو اسی طرح بچوں کو بھی اس طرف کروانا جائز نہیں، گو بچہ تو گناہگار نہیں مگر یہ کروانے والی گناہگار ہوگی۔

لعنت کا وبال اور اس کی محرومی:

تیسری حدیث ہے کہ لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ گواہ ہوں گے، اور نہ سفارشی ہوں گے، کیونکہ کسی مؤمن کے حق میں شہادت دینا، اس کو اللہ کی رحمت میں داخل کرنا ہے، اور کسی کی شفاعت کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت میں اس کو داخل کرنے کے لئے ہے، اور لعنت کے معنی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونا، یہ آدمی تو اللہ تعالیٰ سے لعنت مانگتا تھا، یہ تو مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری مانگتا تھا، تو اس کو قیامت کے دن شفیع نہیں بنایا جائے گا، گواہ بھی نہیں بنایا جائے گا۔

لعنت کا حکم؟

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کسی مؤمن یا کافر پر لعنت کرنا جائز نہیں، سوائے ان لوگوں کے جن کے بارے میں ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے، جیسے ابولہب، ابوجہل اور دوسرے پکے پکے کافر، بے ایمان، ان کے لئے ہم لعنۃ اللہ کہہ سکتے ہیں جیسے ابولہب ملعون، لعنة الله عليه!

یزید پر لعنت کرنا:

یزید پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس پر ہمارے ہاں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ تھا ہی ملعون، اس لئے لعنت کرنا جائز ہے، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ نہیں! خدا جانے کس حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو، اگر گناہگار تھا تو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں، اس لئے نہیں کہ وہ لعنت کا مستحق نہیں بلکہ اس لئے کہ اہل سنت کا اصول یہ ہے کہ کسی کافر پر بھی لعنت جائز نہیں، تمہیں کیا معلوم کہ اس نے توبہ کرلی ہو؟ جس کے بارے میں قطعی طور پر معلوم ہو کہ وہ بغیر توبہ کے مرا ہے، اس پر لعنت کرنا جائز ہے، لیکن پھر بھی لعنت کرنا کوئی عبادت نہیں۔ درود شریف پڑھو، تمہیں ثواب ملے گا، تسبیح پڑھو، تمہیں ثواب ملے گا، اور تم کہو کہ: ابوجہل لعنۃ اللہ، کوئی ثواب نہیں،

لعنت کرنا کوئی ثواب نہیں، لیکن وہ عجیب مذہب ہے جس میں لعنت کرنا ہی سب سے بڑی عبادت ہے!

نماز میں آدمی اللہ سے مناجات کرتا ہے:

اور چوتھی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب آدمی نماز میں ہوتا ہے تو اپنے پروردگار سے مناجات کر رہا ہوتا ہے، مناجات کا معنی چپکے سے بات چیت کرنا، لہٰذا اگر نماز میں تھوکنا پیش آئے تو آگے نہ تھوکے، کیونکہ سامنے رب ہے، نعوذ باللہ! تم رب کے منہ پر تھوکتے ہو؟ تمہارے سامنے جو بیٹھا ہے اگر تم اس کی طرف تھوکو گے تو کتنی بری بات ہوگی؟ اور دائیں طرف بھی نہ تھوکے یہ بھی کرامت والی جانب ہے، بائیں طرف تھوک دے، بشرطیکہ کوئی بائیں جانب نہ ہو، ورنہ اس پر پڑے گا یا پھر پاؤں کے نیچے تھوک کر اس کو مل دے۔

نماز میں تھوکنے کا حکم:

یہاں پر دو باتیں سمجھ لینی چاہئیں، ایک یہ کہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ: تھوکنے کی خدانخواستہ ناگزیر صورت پیش آجائے تو اس کے بارہ میں حکم یہ ہے کہ کپڑے کا کنارہ لے کر اس میں تھوک کر اس کو مل لے۔

نماز میں تھوکنے کا ادب:

یعنی اگر کوئی تھوکنے پر مجبور ہوجائے تو اس کا ادب یہ بتایا ہے کہ آگے نہ تھوکے، دائیں جانب نہ تھوکے، بائیں جانب نہ تھوکے، بلکہ کپڑے کے کنارے میں تھوک کر اس کو مل لے، یا پاؤں کے نیچے تھوں کر اس کو مل دے۔

کچا فرش ہو تو حالتِ نماز میں تھوکنا جائز ہے:

دوسری بات یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کچی تھی، کچا فرش تھا، مٹی

تھی، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر تھوکنے کا حکم فرمایا، یہاں پکے فرش یا قالین پر نہ تھوک دینا!

عملِ کثیر سے نماز ٹوٹ جاتی ہے:

تیسری بات یہ ہے کہ عملِ کثیر یعنی اتنا کام نماز میں کیا جائے، مثال کے طور پر منہ میں بلغم تھا، نمازی نے کپڑے کا کونا لیا اور اس میں بلغم لے کر مل دیا، تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی، بشرطیکہ صرف ایک ہاتھ استعمال ہوا ہو، اگر دو ہاتھ استعمال کئے کسی کام کے لئے تو نماز فاسد ہوجائے گی، کیونکہ یہ عمل کثیر ہے، جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

عملِ کثیر کی تعریف:

رہی یہ بات کہ عمل کثیر کسے کہتے ہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ دور سے دیکھنے والا اس کو دیکھے تو یہ سمجھے کہ نماز نہیں پڑھ رہا، اور بعض نے کہا کہ عمل کثیر وہ ہے جس میں دونوں ہاتھوں کی ضرورت پیش آئے۔

ارکانِ نماز، روحِ نماز کی علامات ہیں:

حدیث میں فرمایا ہے کہ بندہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے، مناجات نماز کی روح ہے، یہ اُٹھک بیٹھک تو مقصود نہیں، نمازی آدمی کا قیام ہے، ہاتھ باندھ کر کسی کے سامنے کھڑا ہے، رکوع کر رہا ہے تو کسی کے سامنے جھک رہا ہے، اللہ کے فضل سے بڑے بڑے فرعونوں کے سامنے ہماری گردن نہ جھکی، لیکن یہاں آ کے جھکتی ہے، اور جب سجدہ کرتا ہے تو کسی کے پاؤں میں سجدہ کرتا ہے، کسی کی خوشامد کرتا ہے، جب زبان سے کچھ کہتا ہے تو کسی کو بلاتا ہے، کسی سے کچھ مانگتا ہے اور کسی سے کچھ کہتا ہے، غرض یہ جو نماز کے ارکان ہیں یہ صرف علامتی ارکان ہیں، ورنہ اصل روح جو ہے وہ تو دل کے اندر ہے، یعنی مناجات، یہ روح جتنی قوی ہوگی اتنی نماز قوی اور پہلوان

ہوگی، اتنی ہی نماز طاقتور ہوگی، اور جتنی یہ کمزور ہوگی اتنی ہی یہ نماز بھی کمزور ہوگی۔ بھائی! اس کا اہتمام کرنا چاہئے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے مناجات کر رہا ہوں۔

ہماری نماز!

ہمارے حضرت تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ہماری تو نماز ایسی ہے جیسے گھڑی میں چابی بھر دیتے ہیں، چوبیس گھنٹے میں ایک مرتبہ چابی بھردی تو وہ چلتی رہے گی۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اللہ اکبر کہہ کر نماز کی چابی بھردی، اب یہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تک خود بخود چلتی رہے گی، ہم لالوکھیت پھرتے رہیں گے۔ نہیں بھائی! یہاں حاضر ہونا چاہئے، اپنی نماز میں حاضر ہونا چاہئے، یہ نہیں کہ بس ہم نے ایک دفعہ اللہ اکبر کہہ دیا تو نماز شروع ہوگئی۔

حالِ دنیا من پرسیدم
گفت یا بادیست یا ظلیست یا افسانہ
باز گفتم حال کست آنکست بگو کہ دل در بے پیوست
گفت یا غولیست یا دیویست یا دیوانہ

میں نے ایک دانا سے دنیا کا حال پوچھا کہ اس کے بارے میں کیا رائے؟ کہنے لگا کہ ہوا ہے، یا سایہ ہے، کبھی اِدھر ڈھل گیا، کبھی اُدھر ڈھل گیا، اور یا یوں کہو کہ افسانہ ہے، ایک خواب دیکھا تھا، بیدار ہوگئے۔ میں نے کہا کہ اس کے بارہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں جو یہاں دل لگالے؟ کہنے لگے کہ: وہ آدمی تو نہیں معلوم ہوتا کوئی بھوت، چڑیل ہوگی یا پھر کوئی دیوانہ ہے، پاگل ہے! اس پاگل پنے کا دورہ ہم سب کو پڑا ہوا ہے۔

دنیا کی نعمت و آزمائش دونوں ناقابل برداشت:

دوست خط لکھتے رہتے ہیں، سوالات و جوابات کے لئے، ابھی بھی شاید وہ

خط میرے پاس پڑا ہوا ہے، ایک صاحب کہتے ہیں، بہت لمبی کہانی لکھی کہ ہم بہت مسرت میں تھے، اس کے بعد میں باہر ملک میں چلا گیا، ہمارے دن پھر گئے، بڑا سرمایہ جمع ہوگیا تھا، (یہ ایک خواب کا منظر تھا، یہ وہ دوسرے خواب کا وہی دوسرا منظر تھا) اور پھر کہتے ہیں کہ وہ تمام رقم جمع کروادی، وہ جو سرمایہ کمپنی نکلی تھی اس میں ہمارے ٹھاٹ تھے، لیکن کمپنی والوں کے بھاگ جانے سے وہ سب رقمیں غارت ہوگئیں، اور آج بیٹی کا زیور ساٹھ ہزار میں گروی رکھا ہوا ہے، بیٹی کو رخصت نہیں کرسکتا، دوسری بیٹی جوان بیٹھی ہے، اس کو رخصت نہیں کرسکتا۔ بدقسمتی سے یہ دنیا جس کے پاس آجاتی ہے اس کا دماغ خراب کردیتی ہے، آدمی سمجھتا ہے کہ مال و دولت اور یہ دنیا میرے پاس ہمیشہ رہے گی، اور جس کے پاس سے چلی جاتی ہے ایسا زخم چھوڑ جاتی ہے کہ اس کی ٹیس برداشت نہیں کرسکتا۔ میں نے اس کو جواب میں لکھا کہ انسان یہاں کی نعمت کو بھی برداشت نہیں کرسکتا اور یہاں کے ابتلا و امتحان کو بھی برداشت نہیں کرسکتا، جب اس کے پاس اللہ تعالیٰ نعمت دیتے ہیں، مال و دولت مل گیا، رزق کی فراوانی ہوگئی، چار پیسے ہاتھ میں آگئے، تو اس کی اکڑفوں دیکھنے کے لائق ہوتی ہے، اس وقت یہ اعتدال پر نہیں رہتا، شکر نہیں بجالاتا، اور جب وہی نعمت اللہ تعالیٰ چھین کر دکھاتے ہیں کہ ہم ایسا بھی کرسکتے ہیں تو پھر اس کا نوحہ، اس کا ماتم سنا نہیں جاتا، انسان بہت کمزور واقع ہوا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

”اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا. اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا. وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا.“ (المعارج:۱۹ تا ۲۱)

ترجمہ:......”انسان پیدا کیا گیا کمزور (اندر سے خالی)، جب پہنچی ہے اس کو کوئی تکلیف تو جزع فزع کرتا ہے، اور جب پہنچتی ہے اس کو خیر تو روکنے لگتا ہے (اس میں کسی اور کا حصہ نہیں، صرف میرے لئے ہے، یہ بانٹ کر کھالو! نہیں! بانٹنے

کا سوال ہی نہیں، کہتا ہے یہ صرف میری ہے!)۔‘‘

انہی صاحب نے جن کی میں بات کر رہا ہوں، آخر میں شعر لکھا تھا:

اے زر تو خدا نہیں ولیکن بخدا! مسبّب الاسباب وقاضی الحاجاتِ۔

اے زر! مال و دولت کو کہہ رہا ہے تو خدا تو نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم! تو مسبّب الاسباب اور قاضی الحاجات ہے۔

انسان کی حماقت کی حکایت:

اپنی حماقت سے یہ نہیں سمجھتا کہ یہ مال و دولت بھی من جملہ اسباب کے ہے مسبّب الاسباب نہیں ہے، اور قاضی الحاجات نہیں بلکہ خود ایک حاجت ہے، قاضی الحاجات دوسری ذات ہے۔

بہشتی زیور کے شروع میں وہ جو سچی حکایتیں لکھی ہیں، ان میں سے ایک حکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی، صحیح حدیث میں ہے کہ تین آدمی تھے، ایک کوڑھی، دوسرا گنجا، تیسرا اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لئے ان کے پاس فرشتہ بھیجا۔

فرشتہ کوڑھی کے پاس گیا، کہنے لگا: تمہیں کیا چیز چاہئے؟ کہا کہ: دیکھو ناں! میرا کیا حال ہو رہا ہے؟ میری جلد ٹھیک ہوجائے، بدن میرا ٹھیک ہوجائے۔ فرشتے نے ہاتھ پھیر دیا، اسی وقت بیماری ختم ہوگئی! تو پوچھا کہ: تمہیں کون سا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ کہنے لگا کہ: اونٹ! اس نے اس کو ایک اونٹنی دے دی اور کہا کہ: اللہ تعالیٰ برکت فرمائیں! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فرشتہ کی دعا تھی، بہت مال بڑھا، اونٹوں کے ساتھ حویلی بھر گئی اور وہ سیٹھ بن گیا۔

فرشتہ گنجے کے پاس گیا، اس سے کہا کہ: تمہیں کیا چاہئے؟ کہنے لگا کہ: لوگ میرا مذاق اُڑاتے ہیں، سر کے بال آجائیں! ٹھیک ہے، سر پر ہاتھ پھیر دیا، بال

آگئے، فرشتہ نے پوچھا: تمہیں کون سا مال پسند ہے؟ کہنے لگا: گائے! اس کو گائے دے دی اور کہا کہ: اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائیں، اس کے مال میں اتنی برکت ہوئی کہ باڑہ بھر گیا۔

فرشتہ اندھے کے پاس گیا، پوچھا کہ: تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہے؟ اندھا کہنے لگا کہ: آنکھیں نہیں ہیں، آنکھیں مل جائیں، میں دنیا کو ایک دفعہ دیکھ لوں! فرشتے نے آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا، بینائی لوٹ آئی، فرشتہ نے اس سے کہا کہ: تمہیں کون سا مال پسند ہے؟ کہا کہ: بکری! ایک بکری دے دی اور کہا کہ: حق تعالیٰ شانہ برکت عطا فرمادیں!

کچھ عرصہ گزرا، اسی فرشتہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک سائل کی شکل میں بھیجا، پہلے وہ فرشتہ اس کوڑھی کے پاس گیا، کہتا ہے کہ: بہت ہی آزردہ حال مسافر ہوں، اللہ تعالیٰ کا سہارا ہے، اس کے بعد آپ کا سہارا ہے، خدا کے لئے میری مدد کیجئے، آپ کے پاس اونٹوں کی حویلی بھری ہوئی ہے، ایک اونٹنی مجھے دے دیجئے، میں اس پر سوار ہوکر اپنے گھر جاؤں گا! اس نے جواب میں کہا: جا جا میاں! میرے اور بھی بہت سارے کام اور ضرورتیں ہیں، یہ مانگنے والے روز آجاتے ہیں، ایک کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا، روز آجاتے ہیں، تانتا بندھا ہوا ہے۔ اس کو وہ فرشتہ کہنے لگا: تجھے معلوم ہے کہ جب تو کوڑھی تھا اور کسی بزرگ نے آکر تیری جلد پر ہاتھ پھیرا تھا اور پھر تجھے اونٹنی دے گیا تھا، اور پھر اللہ تعالیٰ نے تیرے اونٹوں میں برکت فرمادی تھی، تو ایسا نہیں کرو! اس نے جواب میں کہا: جا جا! اپنا کام کر! میں تو ہمیشہ سے ایسا تھا اور یہ اونٹ تو میرے باپ دادا کے زمانے سے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اس فرشتے نے کہا: اگر تو جھوٹ بولتا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے ویسا ہی کردے! اسی وقت کوڑھی ہوگیا اور وہ اونٹ مرگئے۔

فرشتہ گنجے کے پاس گیا، وہاں بھی یہ تماشا ہوا، آخر میں اندھے کے پاس

گیا، اس سے کہا کہ: میں مسافر ہوں، اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت مال دیا ہے، کچھ مجھے بھی دے دیجئے، میں اپنے سفر کا انتظام کرلوں، دیکھو! تم اندھے تھے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں بینائی عطا فرمائی، اورتم بے مال تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مال عطا فرمادیا! وہ کہنے لگا کہ: آپ بالکل صحیح کہتے ہیں! میں اندھا تھا، مجھ پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا، اور میں فقیر تھا اللہ تعالیٰ نے ایک بزرگ شخصیت کو بھیج دیا تھا، اس نے مجھے ایک بکری دی اور میرے لئے دعا کردی، اور آج میرے پاس مال کی فراوانی ہے، یہ سارا مال اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا ہے، لیجا جتنا لے کر جانا ہے! جتنا لے کر جانا ہے لے جا! میرا نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا ہے! اس فرشتے نے کہا کہ: میں انسان نہیں ہوں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں، مجھے تیرے مال کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے تم تینوں کو آزمانا تھا، آزمالیا، اللہ تعالیٰ تیرے مال میں برکت عطا فرمائیں۔

انسان کے پاس پیسے آجاتے ہیں تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ پیسے ہمیشہ سے تھے میرے پاس، اپنی حیثیت کو بھول جاتا ہے، اور جب اس کے پاس سے وہ نعمت چھن جائے یا کسی مصیبت میں، کسی تکلیف میں مبتلا ہوجائے تو پھر اس کی آہ وزاری دیکھی اور سنی نہیں جاتی، اور حقیقت یہ ہے کہ ایسے حالات میں تو ہم جیسے پتھر دل بھی پگھل جاتے ہیں، یہ تو ہمارا دنیا کا نقشہ ہے، یہاں کی نعمتوں کو دائمی سمجھتے ہو، حالانکہ یہ تو ڈھلنے والی چھاؤں ہے، یہاں کی لذتوں کو لذتیں سمجھتے ہو، حالانکہ ان میں سو بلائیں چھپی ہوئی ہیں، یہاں کی نعمتوں کو نعمتیں سمجھتے ہو، تمہیں معلوم نہیں کہ حلوے میں زہر ملادیا گیا ہے۔

مبارک لوگ:

بہت ہی مبارک ہیں وہ لوگ جو یہاں رہتے ہوئے یہاں کی حقیقت کو سمجھ جائیں، ان کا دل یہاں نہ لگے، بلکہ وہاں لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک

حدیث شریف میں فرمایا، مجھے ایک مثال دینی ہے، اسی لئے یہ حدیث ذکر کر رہا ہوں، فرمایا: ''سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دیں گے، قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے سائے میں ہوں گے، جس دن کہ اس کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا، ان سات آدمیوں کو ذکر فرمایا، اس حدیث کی شرح کرنا مقصود نہیں ہے، صرف ایک مثال دینا ہے، اس میں فرمایا کہ: ایک وہ آدمی جو نماز سے فارغ ہوکر گھر چلا گیا، مگر اس کا دل اَٹکا ہوا تھا مسجد کے ساتھ، خود گھر چلا گیا لیکن دل یہاں اَٹکا گیا، اس کا دھیان یہی ہوتا ہے کہ کب نماز کا وقت ہوتا ہے میں جاؤں، جہاں دل لگا ہوتا ہے وہاں آدمی جانا چاہتا ہے، دل لٹکا ہوا ہے۔

دنیا میں رہتے ہوئے آخرت کی طرف توجہ:

بہت ہی مبارک ہیں وہ بندے جو رہتے تو ہیں دنیا میں، لیکن ان کا دل اٹکا ہوا ہے آخرت میں، تمہارا دل یہاں نہیں لگنا چاہئے، آخرت میں لگنا چاہئے۔

ہم جنت سے قضائے حاجت کو آئے ہیں:

ہم تو جنت سے آئے تھے، ہمارے جدامجد جنت سے آئے تھے، وہاں کی مخلوق ہیں، یہاں آئے تھے قضائے حاجت کے لئے، رفع ضرورت کے لئے آئے تھے، کیونکہ وہاں بیت الخلاء نہیں ہے، یہاں کی جو سرسبزی ہم نے دیکھی، یہاں کی رونقیں دیکھیں تو ہمیں اپنا وطن تو یاد نہیں رہا، یہیں مشغول ہوگئے۔

گورنر ہاؤس اور استنجا خانہ!

ایک دفعہ جنگ اخبار کے دفتر میں میر شکیل کے پاس گیا، وضو کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اس کے اپنے دفتر کا جو بیت الخلاء ہے، اس نے کہا کہ: یہاں آپ وضو کرلیں! میں جب وضو سے فارغ ہوکر باہر آگیا تو میں نے کہا کہ: تم نے استنجا خانہ بنوایا ہے یا گورنر ہاؤس؟ اس پر وہ بہت ہنسا، تو استنجے خانے بھی گورنر ہاؤس ہیں،

ہمارے دل میں تمہارے گورنر ہاؤس کی وقعت استنجے خانے سے زیادہ نہیں ہے، تو بہت ہی مبارک ہیں وہ بندے جو یہاں رہتے ہیں لیکن ان کا دل مسجد میں اٹکا ہوا ہے۔

اہلِ قبور کی حالت:

ایک تو یہ مضمون ارشاد فرمایا اور دوسرا اہل قبور کی حالت کو ذکر فرمایا کہ تمہاری طرح وہ بھی کھاتے تھے، پیتے تھے، قوت رکھتے تھے، چلتے تھے، پھرتے تھے، دنیا کو آباد کیا، بڑا نام پیدا کیا، سائنسی ایجادات کیں، دنیا پر حکمرانی کی اور نہ معلوم کیا کیا کیا؟ لیکن آج ان کی وہ کیفیت ہے:

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آ گیا
یکسر وہ استخوانہ شکستہ سے چور تھا

کسی کے سر کی کھوپڑی کہیں پڑی تھی، ایسے ہی اچانک پاؤں کے نیچے آ گئی، پرانی ہڈی تھی، بوسیدہ ریزہ ریزہ ہوگئی، وہاں اندر سے آواز آئی کہ:

ذرا سنبھل کے چلو بے خبر!
کل میں بھی کسی کا سرِ پُر غرور تھا

آج وہ کال کوٹھری میں بند ہیں، مکان ان کے ملے ہوئے ہیں، بلکہ ایک ہی قبر میں اگر ساٹھ مردے دفن کر دیئے جائیں تو ایک دوسرے سے نا آشنا، وہ اس کا نہیں، وہ اس کا نہیں، جیسے دو آدمی ایک ہی بستر پر سو رہے ہیں، ایک خواب میں جیل کا مزہ چکھ رہا ہے، اور دوسرا خواب میں بادشاہی کا مزہ چکھ رہا ہے، ایک ہی بستر پر ہیں، لیکن دنیا دونوں کی الگ الگ ہے، ایک باغ کی سیر کر رہا ہے، اور ایک کے پیچھے شیر بھاگ رہے ہیں، کتے اس کے پیچھے لگ رہے ہیں، ان کو اتنی فرصت نہیں کہ کسی کا دکھ درد سنیں، ان میں اتنی تو تاب نہیں کہ ذرا اپنے حجرۂ شریفہ سے باہر قدم رنجہ فرمائیں، وہ بند قید خانہ ہے، تاریک قید خانہ، قید خانہ اندھیرا اور اوپر نا معلوم کتنے سانپ چھوڑے

ہوئے ہیں، بچھو چھوڑے ہوئے ہیں؟

قبر کا نقشہ سامنے رہے!

تو دوسرا مضمون یہ ارشاد فرمایا کہ ذرا اس دنیا میں آ کر مست ہو گئے ہو، ذرا قبر کا نقشہ بھی سامنے رکھا کرو۔

بارگاہِ الٰہی میں پیشی کو پیش نظر رکھو!

اور تیسرا مضمون یہ ارشاد فرمایا کہ کل بارگاہِ خداوندی میں تمہاری پیشی ہوگی، نامہ عمل تمہارے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے، اور ہر آدمی سے کہا جائے گا کہ اپنی اپنی کتاب پڑھ لو، تمہارے تمام پردے ہٹا دیئے جائیں گے، یہاں تو رات کی تاریکیوں میں چھپ چھپ کر اور چہرے پر نقاب ڈال ڈال کر ڈاکے ڈالتے ہو، تمہارے چہرے کی نقاب نوچ لی جائے گی، اور یہ تاریکی چھٹ جائے گی، تمہارے دل کے بھید نکال کر ظاہر کر دیئے جائیں گے، دل کے اندر جو گندگی پھیلی ہوئی ہے، چاہے وہ ظلمت ہے، وہ چہرے پر آ جائے گی، اس وقت تمہارا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوگا، ذرا اس نقشے کو بھی یاد رکھو۔

ہم خوابِ غفلت کے نشہ میں ہیں:

یہ تین مضمون ہیں کہ یہی تین مضمون قرآن کریم میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ شریفہ میں، حضرات خلفائے راشدینؓ کے کلام میں، اور حضرات اولیاءؒ کے ارشادات میں پھیلے ہوئے ہیں، یہی تین مضمون ہیں، ہم ایک خواب دیکھ رہے ہیں، جس کا نام خوابِ غفلت ہے! ہمیں غفلت کا انجکشن لگا دیا گیا ہے، ہوش نہیں آ رہا، دیوانگی سی ہے، جو ہم پر طاری ہے، بھلے کو بھلا نہیں جانتے، برے کو برا نہیں جانتے، جو بھلائی کی بات کرے اس کو دشمن جانتے ہیں، اور جو تمہارے ساتھ دشمنی کر رہا ہے اس کو دوست بناتے ہیں، لیکن یہ نشہ اُتر جائے گا، یہ خواب غفلت کا نشہ طاری ہے ہم پر

یہ عنقریب اُترنے والا ہے، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ وہ جب اُترے گا تو وقت جاتا رہے گا، پھر تدارک نہیں کرسکیں گے۔

میں ہمیشہ کہتا رہتا ہوں کہ جو بچپن میں ہیں، ابھی جوانی میں قدم رکھ رہے ہیں، سبحان اللہ! ان کے لئے تو گویا ساری زندگی پڑی ہے، وہ ابھی سے اپنا نقشہ درست کرلیں، وہ جو میں نے حدیث پڑھی ہے ناں! کہ سات آدمی ایسے ہوں گے جن کو عرشِ الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا، ان میں سب سے پہلے نام ذکر فرمایا ہے: ''الامام العادل'' اور وہ جوان جس کی نشو ونما ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہوئی، ان کی تو بات ہی کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق عطا فرمائے، تو ساری زندگی سونا (زرّیں) بن جائے، ہماری سونا بن گئی، ہماری زندگی ویسے ہی سونا بن گئی، یعنی ساری زندگی سوسو کر گزار دی، اللہ کرے ان کی زندگی سونا (زرّیں) بن جائے، ہم نے سوکر گزار دی، اور جو درمیان کی عمر میں ہیں، ان کے لئے بھی وقت ہے، اور جنہوں نے میری طرح دھوپ میں بال سفید کرلئے ہیں، ان کے لئے بھی ابھی وقت ہے، مرنے سے پہلے پہلے وقت ہے، غرغرے سے پہلے وقت ہے، غرغرہ کہتے ہیں یہ روح جہاں جاکے اٹک جاتی ہے، اس سے پہلے پہلے وقت ہے توبہ کرلیں، گناہوں کو چھوڑنے کا ارادہ کرلیں، اپنی زندگی کی لائن کو بدلنے کا ارادہ کرلیں، عزم کرلیں کہ آج سے مجھے غفلت کی زندگی نہیں گزارنی ہے، نفس کی خواہشات کی زندگی نہیں گزارنی ہے، دنیا کے دھوکے میں مبتلا ہوکر زندگی نہیں گزارنی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خیرخواہانہ ارشادات کی روشنی میں زندگی گزارنی ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!